شرح

اتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

المعروف

مناقب الزہراء

مصنف

امام زین الدین محمد بن عبد الرؤف المناوی

متوفی ۱۰۳۱ھ

ترجمہ تخریج تحقیق تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم

جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

المعروف

تصنیف

امام زین الدین محمد بن عبد الرؤف المناوی

متوفی ۱۰۳۱ھ

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

ریسرچ سکالر: جامعہ اسلامیہ، لاہور

مکتبہ باب العلم

جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

نام کتاب	:	شرح: إتحاف السائل بالفاطمة من المناقب والفضائل
مُصنّف	:	قاری ظہور احمد فیضی
پروف ریڈنگ	:	علامہ محمد لطیف فیضی (پیر نصیر، لاہور)
تصحیح و ترتیب	:	محمد احمد فیضی
کمپوزنگ	:	محمد سہیل فیضی، محمد طاہر فیضی، اوچ شریف (بہاول پور)
بک ورک	:	محمد یعقوب
تعداد	:	1000
الطبعة الثالثة	:	۱۴۳۹ھ
ہدیہ	:	1600/
پرنٹر	:	نثار آرٹ پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ گلبرگ-III، لاہور فون: 87-1385 3575 042
ناشر	:	مکتبہ باب العلم، جامعہ علی المرتضیٰؓ لاہور

facebook.com/Maktaba-Babul-Ilm Tel: 0300 41 500 21, 0321 178888

maktbababulilm110lhr@gmail.com - www.idaratulsaqalain.com

ڈسٹری بیوٹرز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور / اردو بازار، کراچی

احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

اسلامک بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

اورینٹل پبلیکیشنز، 35 رائل پارک، لاہور

مکتبہ خورشید ملت، نزد کینال ریسٹ ہاؤس، اوچ شریف (بہاول پور)

0300 249 5037 - 0300 415 0021

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي .

فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔

(حدیثِ نبوی ﷺ)

مَارَأَيتُ أَفضَلَ مِنْ فَاطِمَةَ غَيرَ أَبِيهَا.

میں نے فاطمہ سے افضل اُن کے بابا کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(قول ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا)

يَافَاطِمَةُ إِنَّ اللّٰهَ يَغْضَبُ لِغَضَبِكِ
وَيَرْضٰى لِرِضَاكِ.

اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ تیرے غضبناک ہونے کی وجہ سے غضبناک
ہوتا ہے اور تیری رضا کی وجہ سے راضی ہوتا ہے۔

(ارشادِ نبوی ﷺ)

اِنتِساب

یہ عاجز اپنی اِس معمولی کاوش کواُس محبِ اہل بیت کے نام منسوب کرتا ہے جنہوں نے میری کتاب "شرح خصائص علی ؑ" سے خوش ہو کر مجھ سے ملاقات کرنے سے بھی پہلے اپنے صاحبزادہ کو حکم فرمایا کہ مولانا کو عظیم الشان لائبریری تعمیر کرادو۔ نیز اُن کی شفقتوں کا دائرہ فقط دنیوی امور تک محدود نہیں بلکہ اُن کی روحانی شفقتیں بھی عجیب ہیں۔ وہ راقم کے لیے تمام فرض نمازوں اور بشمول تہجد دوسرے نوافل کے بعد شب و روز میں تقریباً بیس سے پچیس مرتبہ دعا فرماتے ہیں، اور اس کو انہوں نے اپنے معمولات میں شامل فرمالیا ہے۔ سو جس شخصیت کو اہل بیت کرام علیہم السلام کے ساتھ اس قدر والہانہ محبت ہو اور غلامانِ اہل بیت پر اتنی شفقت ہو، بلاشبہ راقم الحروف اِس کاوش کو اُن سے منسوب کرتے ہوئے قلبی سُرور و فرحت محسوس کر رہا ہے۔

اِس سے میری مراد حضرت الحاج سید غضنفر علی شاہ صاحب عباسی زِیْدَتْ صِحَّتُہٗ وَحَسَنَاتُہٗ وَحَیَاتُہٗ کی شخصیت بابرکت ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مؤلف

إهداء

یہ ناکارہ اس کتاب کو سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی وساطت سے اُس بلند مرتبت خاتون کی بارگاہ میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے،جنہیں زمانہ جاہلیت میں بھی طاھرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا،جن کی شخصیت پر خود رب ذوالجلال کی جانب سے سلام آیا،جن کا بارگاہِ الوہیت و نبوت میں اس قدر رتبہ و لحاظ تھا کہ اُن کی حیات میں حبیبِ خدا ﷺ نے دوسرا نکاح نہ فرمایا،جن کی شخصیت کو رسول اللہ ﷺ کبھی بھلا نہ سکے،جن کی سہیلیوں تک کا آقا خیال رکھتے تھے اور اُن کی آواز کے مشابہ آواز سن کر اُداس ہو جاتے اور اُن کے تذکرے چھیڑ دیتے،یعنی اہل اسلام کی بڑی ماں سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی مادرِ مشفقہ،سیدنا علی علیہ السلام کی مربیہ سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا.

اللہ کریم اُن کی بارگاہ میں پہنچائے اور اپنی،اپنے محبوب اور تمام اہل بیت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشنودی کا سبب فرمائے۔آمین!

سببِ تالیف

حقیقت یہ ہے کہ "شرح خصائص علي ﷺ" کے بعد میں نے ہر قسم کی تحریر کا ارادہ ترک کردیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اُس کے پہلے ایڈیشن میں کسی آئندہ کتاب کا کوئی اشتہار نہیں دیا گیا، البتہ یہ عزم ضرور تھا کہ اگر کسی شخص نے متانت کے ساتھ "شرح خصائص علي ﷺ" سے اختلاف کیا تو اُس کا جواب لکھوں گا ورنہ رجوع کروں گا، لیکن کیا خبر تھی کہ سیدنا علی ؑ کی شان میں یہ تصنیف مجھ ناکارہ کے حق میں ''اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا'' کا مصداق بن جائے گی، اور مجھے آگے بھی اسی گھرانے کی غلامی کا شرف حاصل رہے گا۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ.

مجھے میرے اکابرین (جن کا ذکر آگے اظہارِ تشکر میں آئے گا) نے فرمایا کہ سنیت کے بھیس میں ناصبیت کا زہر پھیلایا جارہا ہے، لہٰذا آپ تحریری میدان سے باہر نہ جائیں اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں۔ بالآخر طے یہ پایا کہ اسلاف کرام کی تصانیف کے تراجم یا شروح کی جائیں، سو اسی پروگرام کے تحت پہلے میں نے امام شمس الدین الجزری المقری کی کتاب "أسنى المطالب في مناقب علي بن أبي طالب ﷺ" کا ترجمہ اور شرح کی، اُس میں کتاب وسنت اور تصوف و روحانیت کی روشنی میں سیدنا علی اور اہل بیت کرام علیہم السلام کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالی گئی، اور قدیم وجدید نواصب کی انتہائی متانت اور سنجیدگی سے تردید کی گئی تو تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل کتاب تیار ہوگئی اور کمپوز ہو کر پریس میں بھی چلی گئی مگر بوجوہ اُس کی اشاعت مؤخر اور کتاب ہذا کی اشاعت مقدم ہوگئی۔

اسی دوران ایک اور عظیم الشان کتاب پر نظرِ ثانی بلکہ تقریباً اُس کا از سرِ نو ترجمہ کیا گیا، حوالہ جات مرتب کیے گئے اور ترتیب وتزئین کی گئی اور وہ شائع ہوگئی۔

مذکورہ پروگرام میں یہ کتاب (إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل) بھی تھی، اسی لیے اِس کا ہم نے اپنی کتاب "لطافتِ جسدِ مصطفی ﷺ" کے آخر میں اشتہار بھی دیا تھا۔ اللہ کا

کرم یہ ہوا کہ ہمارے ایک مشفق و مہربان اور محبِ اہلِ بیت ساتھی پہلے سے ہی سیدہ کائنات علیہا السلام کی شان میں کچھ نذرانہ پیش کرنے کا عزم رکھتے تھے، انہوں نے اس کتاب کا اشتہار پڑھا تو فرمانے لگے: یہ کتاب تو بی بی سرکار علیہا السلام کی شان میں ہے، لہٰذا لائبریری تیار ہوتے ہی اسی پر کام کیا جائے۔ حسبِ فرمائش بسم اللہ کر دی گئی اور نام والے کے فضل و کرم سے منزل مقصود ہاتھ آ گئی۔

اس کتاب کی تیاری اور طباعت وغیرہ میں مکمل اعانت فقط اُن ہی (جناب الحاج سید محمد اسماعیل عباسی حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ) کی ہے، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی اُن کی طرف سے "الزہراء لائبریری" کی ترقی وغیرہ کے لیے وقف ہے۔

اللہ عزوجل مجھ عاجز کی یہ کاوش اور اُن کا پرخلوص جذبہ ایثار اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین!

اِظہارِ تَشَکُّر

کتاب وسنت کی روشنی میں محسن کا شکریہ ادا نہ کرنے والا ناپسندیدہ انسان ہے، اسی لیے شریعت میں نہ صرف یہ کہ خالق بلکہ مخلوق کا شکر ادا کرنے پر بھی زور دیا گیا، حتیٰ کہ فرمایا گیا: ''جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اُس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا'' لہٰذا ہم اللہ ﷻ کے شکر کے ساتھ اُس کی مخلوق کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں اُن دو ہستیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے مکتب میں ڈالا یعنی والدین، پھر تمام اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے پڑھایا، پھر اُن تمام احباب کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے مجھے انتہائی قیمتی کتب دستیاب ہوئیں، خصوصاً جناب الحاج محمد فاروق بلو اور اُن کے برادران ورفقاء۔

پھر میں محقق العصر مفتی محمد خان قادری،

علامہ خلیل الرحمان قادری،

صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن قادری دامت برکاتھم العالیۃ

اور اُن کے رفقاء کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پھر سے مجھے اس اعلیٰ کام پر لگایا اور اس کی تکمیل کے لیے مناسب بندوبست فرمایا۔

انتہائی ناشکری ہوگی اگر یہاں اُن احباب کا ذکرِ خیر نہ کیا جائے جو قدم قدم پر میرا ساتھ دیتے ہیں اور ہر لحاظ سے ''الزہراء لائبریری'' کی ترقی اور رونق کا خیال رکھتے ہیں، ان سے میری مراد: قبلہ سید غلام قادر شاہ جاموٹ کراچی، جناب علامہ تنویر الحسن فیضی خورشیدی PIA سوسائٹی، لاہور، اور جناب قیصر عباسی مال روڈ، لاہور کی شخصیات ہیں۔ مؤخر الذکر تو اس قدر شغف رکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ بتلانے پر بلکہ از خود

مفید کتب عربیہ تلاش فرما کرلے آتے ہیں، اور فقط یہی نہیں بلکہ اسٹیشنری سے لے کر راقم الحروف کے لیے مقوی دماغ مرکبات تک لاتے ہیں۔ ایسے حضرات کی اِس کاوش کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہے اللہ کریم اس جذبہ کو قبول فرما کرانہیں بامراد فرمائے۔

"جامعۃ علي المرتضیٰ ؓ" اور "الزہراء لائبریری" کی بہبود و ترقی میں کوشاں اُس ٹیم کے شکریہ کا حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے جو فقط جامعہ یا لائبریری کا ہی نہیں بلکہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے طفیل اس ناکارہ کے تمام معاملات کا بھی خیال رکھتی ہے، اور مستقبل میں جامعہ کو بامِ عروج پر پہنچانے کا عزم رکھتی ہے۔

یہ ٹیم جناب الحاج سید محمد اسماعیل عباسی صاحب، جناب سید امان اللہ شاہ صاحب، جناب سید سمیع الحسن شاہ صاحب اور جناب چوہدری صلاح الدین صاحب وغیرہم پر مشتمل ہے۔

یہاں ہم اُن شخصیات کا شکرادا کرنا بھی فرض سمجھتے ہیں جن کی روحانی شفقتیں ہمارے ساتھ ہیں، یعنی سید احمد کبیر الرفاعی، سید محمد عرب الرفاعی رحمۃ اللہ علیہما کے غلامان جناب ملک محمد حسیب رفاعی اور اُن کے جملہ برادرانِ طریقت۔

یہاں میں جناب الحاج محمد فاروق بلو آف کراچی کا ذکر کرنا بھی لازمی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے لاکھوں روپے اوچ شریف میں دارالعلوم قائم کرنے کے لیے پلاٹ کی مد میں سابق وزیر اعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی صاحب کی وساطت سے اُن کے بھانجے جناب سید سمیع الحسن گیلانی کے اکاؤنٹ میں بھیجے مگر رقم پیش کرنے کے باوجود تاحال ان سادات کرام کی شفقتوں سے وہ، جناب عبدالرزاق میمن اور یہ ناکارہ محروم ہیں۔ بہرحال جناب محمد فاروق بلو کی یہ عظیم قربانی ہے کہ وہ مذکورہ سادات کرام کی سردمہری کے باوجود تب سے اب تک ملکی معاشی حالات کی ابتری کے باوجود ہمارے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہم اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے شر کو دور فرمائے اور دین و دنیا کی ہر خیر عطا فرمائے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم مجھے اور جملہ احباب کو فلاح دارین سے بہرہ ور فرمائے اور ہم سب کی اور ہمارے عزیز و اقارب کی مغفرت فرمائے۔

مصنف رحمہ اللہ کا تعارف

نام:

محمد عبد الرؤف بن تاج الدین بن علی بن زین العابدین الحدادی، ثم المناوی القاهری۔

ولادت وفات

ولادت ۹۵۲ھ میں اور وفات ۱۰۳۱ھ میں ہوئی۔

تصانیف

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ کتب کثیرہ کے مؤلف ہیں حتیٰ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انہوں نے چھوٹی بڑی ۸۰ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ اُن میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر

۲۔ کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق

۳۔ التیسیر في شرح الجامع الصغیر

٤۔ شرح الشمائل ،للترمذي

٥۔ الکواکب الدریة في طبقات الصوفیة

٦۔ الصفوة في مناقب آل البیت

۷۔ بغیة المحتاج في معرفة أصول الطب والعلاج.

۸۔ إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل.

یعنی کتاب ھذا، اس نام کا مفہوم ہے "طلبگار کے لیے سیدہ فاطمہ کے مناقب وفضائل کا تحفہ"
مصنف رحمۃ اللہ علیہ طبقۂ اہل علم میں قطعاً محتاجِ تعارف نہیں، یہ جہاں ثقہ محدث ہیں وہیں عظیم صوفی اور عارف باللہ بھی ہیں۔ کونسا عالم ہوگا جس نے حدیث میں ان کی "فیض القدیر" اور "شرح شمائل الترمذی" سے استفادہ نہیں کیا ہوگا اور کونسا صوفی عالم ان کی "الکواکب الدریة" سے مستفید نہیں ہوا ہوگا؟ پروردگار نے مصنف کی جملہ کتب کو قبولیت عامہ عطا فرمائی ہے، اور بلاشبہ یہ ہماری سعادت مندی ہے کہ اللہ ﷻ نے ہمیں ایسے مقبول مصنف کی کتاب پر کام کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے متن کے ساتھ اس ناکارہ کی کاوش کو بھی قبول فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبه النبي الكريم عليه وعلىٰ آله أفضل الصلاة والتسليم.

عرضِ مؤلف

کتابِ ھذا کے قارئین کرام سے عرض ہے کہ ہم نے اُن کی سہولت کے پیشِ نظر اس کے متن اور شرح کو ممتاز کرنے کی خاطر اسے ملوّن کر دیا ہے۔ چنانچہ عربی اور اُس کے معا بعد سبز رنگ میں جو تحریر ہے وہ متن اور اُس کا ترجمہ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شارح کی جانب سے تخریج، تحقیق اور تشریح ہے۔

التماس

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر انہیں اس کتاب کے کسی جملہ سے روحانی تسکین ملے تو مصنف، شارح اور کتاب کی اشاعت کرانے والوں کے حق میں دعا فرمائیں اور اگر انہیں کوئی غلطی نظر آئے تو بغرضِ اصلاح مطلع فرمائیں، اور اگر کسی کو شارح کے موقف سے اختلاف ہو تو دلائل کے ساتھ آگاہ فرمائے، اگر ہم پر ہمارے موقف کا باطل ہونا واضح ہو گیا تو ہم رجوع کرنے میں کوئی تأمل نہیں کریں گے۔ إن شاء اللہ تعالیٰ.

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ.

اے اللہ! ہم پر حق کو واضح فرما اور اُس کی پیروی نصیب فرما، اور ہم پر باطل کو واضح فرما اور اُس سے بچنے کی توفیق عطا فرما!

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الكتاب

الحمد لله الذي انقاد كل شيء لأمره خاضعاً ذليلاً، ولم يجعل لخلقه إلىٰ معرفة كنهه سبيلاً، بل ما خطر في الضمائر، وحاك في الخواطر تراه عليه ممتنعاً مستحيلاً. كل ما في عالم الإمكان ناطق بتمجيده: ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ كما قال: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾

وأشهد أن لا إله إلا الله شهادة يكسب قائلها عنده تبجيلاً، فيكون نورها الظلام الريب مزيلاً، وأن محمداً عبده ورسوله الممنوح علىٰ جميع العالم تفضيلاً، المجموع له من المناقب ما لا يستطيع الإنسان له تفصيلاً، صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه الذين أكملوا الشريعة تفريعاً وتأصيلاً، صلاةً وسلاماً دائمين بكرةً وأصيلاً. وبعد:

فقد سألني بعض المتقين من الأولياء أن أجمع له ما تيسر من مناقب السيدة (فاطمة الزهراء) رضي الله عنها، فأجبته إلىٰ ذلك معتمداً علىٰ فيض الرب المالك، وسميتها:

((إتحاف السائل بمالفاطمةمن المناقبِ و الفضائل))

جعله اللّٰہ خالصاًلو جهه الكريم،مو جباًللفوز بجنات النعيم.

و ينحصر المقصود في أبواب......

اُس اللہ کے لیے تمام حمد ہے جس کے امر کے سامنے ہر چیز عاجزی اور انکساری کے ساتھ سرِ تسلیم خم ہے،اور جس نے اپنی مخلوق کے لیے اپنی معرفت کی حقیقت تک کوئی راہ نہیں بنائی، بلکہ جو خیالات ذہن میں آتے ہیں اور دلوں میں جو تصورات پیدا ہوتے ہیں وہ اس ذات جل جلالہ کے حق میں محال و ممتنع ہیں۔عالم امکان کی ہر چیز اُس کی بڑائی میں رطب اللسان ہے اور ہر چیز اُس کی پاکیزگی کے ساتھ حمد کر رہی ہے:(بني إسرائيل: ٤٤) جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا،اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟(النساء: ٢٢)

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یہ ایسی گواہی ہے جس کے قائل کی اُس کی بارگاہ میں عظمت ہے، پس اُس گواہی کا نور شکوک و شبہات کی تاریکیوں کو زائل کرنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اُس کے ایسے خاص عبد اور رسول ہیں جنہیں تمام عالم پر فضیلت بخشی گئی ہے، اُن کے فضائل کے مجموعہ کی تفصیل انسان کی طاقت سے ماوراء ہے۔اللہ تعالیٰ اُن پر، اُن کی آل پر اور اُن کے صحابہ پر درود بھیجے جنہوں نے شریعت کے اُصول و فروع کی تکمیل فرمائی، اُن پر دائما صبح و شام خوب درود و سلام ہوں۔

حمد و صلاۃ کے بعد عرض ہے کہ مجھ سے بعض متقی دوستوں نے فرمائش کی کہ میں اُن کے لیے سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں دستیاب مناقب پر مشتمل ایک کتاب تحریر کردوں، تو میں نے اپنے مالک رب کے فیض پر بھروسہ کرتے ہوئے اُن کی فرمائش قبول کر لی اور ﴿إِتْحَافُ السَّائِلِ بِمَا لِفَاطِمَةَ مِنَ الْمَنَاقِبِ وَالْفَضَائِلُ﴾ کے نام سے کتاب جمع کر دی۔اللہ تعالیٰ اس کو خالصۃً اپنی ذات کے لیے قبول فرمائے اور انعام والی جنت کا سبب بنائے۔(آمین)

یہ کتاب متعدد ابواب پر مشتمل ہے۔

''شرح إتحاف السائل'' کا سببِ تالیف

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی وجہ تالیف میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے بعض متقی دوستوں کی فرمائش پر یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس مقام پر یہ ناکارہ عرض کرتا ہے: یقین فرمائیے کہ مجھ سے بھی ''شرح خصائص علي ﷛'' کی تصنیف کے بعد بعض نہیں بلکہ متعدد متقی دوستوں نے فرمائش کی کہ اس پاکیزہ ہستی کے فضائل ومناقب پر کتاب لکھ دوں۔ یہ ناکارہ ہر ایک دوست کے سامنے وعدہ کرتا رہا کہ اُن کی اس مقدس واعلیٰ فرمائش کو یہ ناپاک ضرور پورا کرے گا مگر بوجوہ ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی اثنا میں ایک اور کشتۂ محبتِ اہلِ بیت، کم عمر مگر متقی بزرگ نے فقیر کی کتاب ''شرح خصائص علي ﷛'' سے متاثر ہو کر فقیر سے ملاقات کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ ملاقات ہوئی، تبادلۂ خیال ہوا۔ پھر یہ رشتۂ محبت بہ طفیلِ غلامیِ اہلِ بیت روز بروز مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ اسی محبت کے باعث اُس محبِ اہلِ بیت نے سیدۂ کائنات علیہا السلام سے منسوب عظیم الشان ''الزہراء لائبریری'' کے قیام کا سوچا پھر اُسے عملی جامہ پہنایا اور جب لائبریری تیار ہوگئی تو پھر مجھ عاجز سے فرمائش کی کہ اب آپ اس میں بیٹھ کر ''شرح خصائص علي ﷛'' کی طرز پر سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کی شان میں کتاب لکھیں۔ جب اس قدر اہتمام ہو گیا تو وہ ناکارہ جو پہلے ہی شب و روز ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی رٹ لگاتا ہے، اگر وہ بلند پایہ انعام یافتہ ہستیوں کی مدح نہیں کرے گا تو پھر اس کا ٹھکانہ ہی کیا ہے؟

راقم اپنے کریم رب کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ وہ ان محبانِ اہلِ بیتِ کرام کو دین، دنیا اور آخرت کی ہر خیر سے نوازے، ہر شر سے محفوظ فرمائے اور انہیں، اُن کے والدین، اولاد اور تمام عزیز واقارب کو اہلِ بیت کی رفاقت ومعیت نصیب فرمائے اور ان کے ساتھ اِس ناکارہ پر بھی یہی فضل فرمائے۔

علاوہ ازیں جن دوسرے محبانِ اہلِ بیت نے اس مقدس ہستی علیہا السلام کے ذکرِ خیر پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ فقیر اُن کے حق میں بھی بارگاہِ ذوالجلال والاکرام سے یہی درخواست کرتا ہے اور یقین سے کہتا ہے کہ اللہ ﷻ کے جود وعطا اور اہلِ بیت کے کرم وسخا سے ہر محب پر خصوصی کرم ہوگا اور اُن سب کے ساتھ یہ ناپاک، اس کے والدین، اولاد اور تمام اقارب بھی بخشے جائیں گے۔

الباب الأوّل

ولادتها رضي الله عنها

سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کی ولادت

ذكر أبو عمر: أنها ولدت سنة إحدىٰ وأربعين من المولد، وتُعُقِّبَ بما ذكره ابن إسحاق وغيره.

أن أولاد النبي ﷺ وُلِدُوا قبل النبوة إلا إبراهيم. وقال ابن إسحاق: ولدت وقريش تبنى الكعبة .

قال: وبَنَتُّها: قبل المبعث لسبع سنين ونصف. وقيل: ولدت تمام المبعث، وقيل غير ذلك.

كذا نقله الجلال الدين السيوطي عن ابن إسحق وأقره. وفيه بالنسبة لقوله: (قبل البعث بسبع ونصف) ما فيه. ونعرف مافيه، بل لا يكاد يصح، لأن بناء قريش الكعبة، ووضعه عليه السلام الحجر فى محله كان سنة خمس وثلاثين من مولده ﷺ، وبعث على رأس الأربعين، فمولدها قبل الإرسال بنحو خمس سنين كما ذكره ابن الجوزى وغيره، وأنه أيام بناء البيت، وبه جزم المدايني.

امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے اکتالیسویں [۴۱] سال میں ہوئی، لیکن اُن کے قول کا امام محمد بن اسحاق بن یسار ؒ کے اس قول سے تعاقب کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد قبل از اعلانِ نبوت پیدا ہوئی ماسوا سیدنا ابراہیم علیہم السلام کے۔ چنانچہ امام ابن اسحاق ؒ فرماتے ہیں:

سیدہ کی ولادت اُن دنوں میں ہوئی جب قریش کعبہ معظمہ کی تعمیر کر رہے تھے اور کعبہ کی تعمیر بعثت سے ساڑھے سات سال پہلے ہوئی، اور ایک قول یہ ہے کہ اُن کی ولادت بعثت کے قریب ہوئی، علاوہ ازیں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ابن اسحاق سے نقل کر کے اسے مقرر رکھا ہے۔ ساڑھے سات سال قبل ولادت کے قول میں جو شبہ ہے وہ ہم پر مخفی نہیں، کیونکہ قریش نے جب کعبہ معظمہ کی تعمیر کی اور جب نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کو اُس کے مقام پر رکھا تھا تو وہ حضور ﷺ کی عمر مبارک کا ۳۵واں سال تھا اور آپ نے اعلانِ نبوت چالیسویں سال میں فرمایا، لہٰذا سیدہ بعثت سے تقریباً پانچ برس قبل پیدا ہوئیں، جیسا کہ امام ابن الجوزی اور دوسرے علماء کرام نے ذکر کیا ہے اور اسی پر امام مدائنی نے اعتماد کیا ہے۔

ولادتِ سیدہ کی تاریخ میں اختلاف

شیعہ حضرات کے نزدیک سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی پیدائش اعلانِ نبوت سے پانچ برس بعد اور اہل سنت کے نزدیک پانچ برس قبل ہوئی، اُن کے نزدیک معراج سے تین سال بعد اور ہمارے نزدیک معراج سے تقریباً پندرہ سال قبل ہوئی۔ اسی طرح ہمارے اور شیعہ کے مابین سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تاریخ اور اُن کے وصال کی تاریخ اور اُن کی عمر میں بھی اختلاف ہے، اور اس لحاظ سے لامحالہ معراج کے ماہ و سال اور دوسرے امور میں بھی فرق ہے۔ یوں تو کسی بھی اسلامی واقعہ کی تاریخ میں اہل سنت کے مؤرخین کے مابین بھی اختلاف ہوتا ہے مگر اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔

مولیٰ علی اور سیدہ علیہما السلام کی عمر میں فرق

ہمارے نزدیک سیدہ کی بلکہ نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد کی ولادت اعلانِ نبوت سے قبل ہوئی، ماسوا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ ہمارے اکثر مؤرخین کے مطابق سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی مبارک ولادت اعلان نبوت سے پانچ برس قبل نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے پینتیسویں سال میں ہوئی درآنحالیکہ قریش تعمیر کعبہ میں مشغول تھے، اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت اُس سے بھی چار پانچ سال پہلے ہوئی تھی، کیونکہ بعداز تحقیق صحیح ترین قول کے مطابق بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک دس سال کی تھی، اور دیکھنے میں سیدہ اور مولیٰ علی علیہما السلام کی عمر میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اُن دونوں نفوسِ مقدسہ میں سے ہر ایک خود کو اپنے دوسرے ساتھی سے بڑا سمجھتا تھا۔ چنانچہ امام ابن سعد لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مولیٰ علی اور سیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاں تشریف لائے تو سیدہ کہہ رہی تھیں: میں آپ سے عمر میں بڑی ہوں۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فاطمہ بیٹی! جب آپ کی ولادت ہوئی تھی اُس وقت قریش تعمیرِ کعبہ میں مصروف تھے اور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک (۳۵) برس تھی، اور اے علی! آپ اس سے چند برس پہلے پیدا ہوئے تھے''۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٢٥٦، مختصر تاريخ دمشق ج٢ ص٢٦٩، الذرية الطاهرة للدولابي ص١١١ رقم٢١٠ جامع الآثار في مولد النبي المختار ﷺ ج٣ ص١١٧٣ و طبعة أخرىٰ ج٣ ص٤٧٧، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٢٠)

یہ روایت مشہور شیعہ مصنف ملا باقر مجلسی نے بھی ذکر کی ہے۔

(بحار الأنوار للمجلسي ج٤٣ ص١٨٧، ١٨٨)

اگر سیدہ کی ولادت بعداز بعثت دوسرے سال یعنی نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں تسلیم کی جائے تو پھر مولیٰ علی اور سیدہ کی ولادت کے درمیان گیارہ سال کا فرق بنتا ہے اور یہ غیر مبہم فرق ہے، اور اگر بعثت کے بعد پانچویں سال میں تسلیم کی جائے تو پھر پندرہ سال کا فرق بنتا ہے اور یہ انتہائی واضح فرق ہے۔ اس قدر واضح فرق کے باوجود عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ زوجین کریمین علیہما السلام کو

ایک دوسرے سے پوچھنا پڑا کہ اُن میں سے بڑا کون ہے؟ ہاں چار پانچ سال کے فرق پر ایسا سوال قرین قیاس ہے۔

بم سماها النبي ﷺ وما سر هذه التسمية؟

وسماها (فاطمة) بإلهام من الله تعالىٰ ،لأن الله فطمها عن النار فقد روى الديلمي عن أبي هريرة والحاكم عن عليّ أنه عليه السلام قال: إنما سُمِّيَتُ فاطمة،لأن الله فطمها وحجبها عن النار.

واشتقاقها من الفطم وهو (القطع) كما قال ابن دُرَيد. ومنه: فُطم الصبيُّ: إذا قُطع عنه اللبن. ويقال: لأفطمنك عن كذا: أي لأمنعنَّك عنه.

''فاطمہ'' نام رکھنے میں حکمت

نبی کریم ﷺ نے ان کا نام الہامِ الٰہی سے فاطمہ رکھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جھنم سے دور رکھا ہے۔ چنانچہ امام دیلمی نے حضرت ابوھریرہ ؓ سے اور امام حاکمؒ نے سیدنا علی مرتضیٰ ؑ سے روایت کیا ہے کہ سیدہ کا نام ''فاطمہ'' اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دوزخ سے دور اور محفوظ فرمایا ہے۔

یہ لفظ ''الفطم'' سے مأخوذ ہے اور اس کا معنی انقطاع ہے، جیسا کہ ابن درید نے کہا ہے، اسی سے ''فُطِمَ الصبي'' (بچہ دور کیا گیا) ہے، یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب اُس کا دودھ چھڑا دیا جائے، اسی طرح کہا جاتا ہے: ''لأفطمنک عن کذا'' یعنی میں نے تجھے اس سے دور کیا تھا۔

اچھے اور برے نام کی مسمّٰی میں تاثیر

عموماً اسم کی اپنے مسمّٰی میں جھلک و تاثیر پائی جاتی ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اچھے نام رکھے اور اچھے نام رکھنے کا حکم دیا، برے نام تبدیل کیے اور تبدیل کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"اللہ ﷻ اپنی حکمت کے ساتھ اپنی قضاو تقدیر سے انسانوں کے اندر اسماء کو اُن کے مسمّٰی کے مطابق الہام کرتا ہے تا کہ اُس کی حکمت لفظ و معنیٰ کے مطابق ہو، جیسا کہ اسباب اور مسببات کے مابین مناسبت ہوتی ہے۔ ابوالفتح ابن جنی کہتے ہیں: ایک زمانہ تک میں نام سنتا مگر اس کی معنویت مجھے سمجھ نہ آتی، پھر میں نے اس کے لفظوں سے معنیٰ کو پانے کی کوشش کی تو وہ یا تو مسمّٰی کے عین مطابق تھا یا اس کے قریب تھا۔ میں نے یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ذکر کی تو انہوں نے کہا: مجھے بھی یہ کئی بار تجربہ ہوا ہے، اور اس سے قبل حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک حدیث گذر چکی ہے کہ آپ نے قبیلہ اسلم کے بارے میں اُس کے نام کی مناسبت سے فرمایا: اللہ نے انہیں سلامت رکھا، اور بنو غفار کے متعلق فرمایا: اللہ نے اُن کی مغفرت فرمائی، اور قبیلہ عصیۃ کے بارے میں فرمایا: انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو وہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے سامنے آئے تو آپ نے اُن کے نام اور کام سے نفرت کرتے ہوئے فرمایا: "غَیِّبْ وَجْهَكَ عَنِّي" (اپنا چہرہ ہم سے اوجھل رکھو) فی الجملہ یہ کہ اخلاق، اعمال اور قبیح افعال اپنے مسمّٰی کے اسم کی مناسبت سے ہوتے ہیں اور اُن کی ضد (یعنی اچھائی) بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے، اور جس طرح یہ چیز صفاتی ناموں میں پائی جاتی ہے اسی طرح ذاتی ناموں میں بھی پائی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اسماء محمد اور احمد ﷺ رکھے گئے تو فقط بہ کثرت خصالِ حمیدہ کے پیش نظر، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دست اقدس میں حمد کا پرچم ہوگا اور آپ کی امت کے لوگ "حمادون" ہیں، اور نبی کریم ﷺ پوری مخلوق سے بڑھ کر اپنے رب تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔ سو اِن حکمتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا: "حسنوا أسماء كم" (نام اچھے رکھا کرو) کیونکہ اچھے نام والا شخص اپنے نام کی لاج رکھتے

ہوئے حیا کرتا ہے اور اُسے اُس کا نام اپنے معنی کی مناسبت کے اپنانے پر اور اس کی ضد کے ترک پر ابھارتا ہے"۔

(تحفة المودود بأحكام المولود ص ١٥٨، ١٥٩)

احادیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے سابقہ برے نام کو ہی رہنے دیا تو اُن کی بری حالت بھی نہ بدلی۔ چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: اگر تم نام کی اُس کے مسمّٰی میں تاثیر جاننا چاہتے ہو تو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں غور کرو۔ راقم الحروف اُس حدیث کو بخاری شریف سے نقل کر رہا ہے:

"حضرت سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُن کے دادا "حزن" نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: حزن۔ فرمایا: تم سہل ہو۔ وہ کہنے لگے: میں اُس نام کو تبدیل نہیں کرتا جو میرے باپ نے رکھا تھا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس اس کے بعد ہمارے اندر مسلسل تنگی موجود رہی"۔

(بخاري ص ١٠٧٨ رقم ٦١٩٠، الأدب المفرد ج ٢ ص ٤٥٤ رقم ٨٤١، تحفة المودود ص ١٣٤)

الہامی ناموں کی تاثیر

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے لوگوں کے دلوں میں نام الہام کر دیتا ہے۔ یہ بات اس لحاظ سے درست ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ.

"اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو"۔

(الصّٰفّٰت: ٩٦)

تاہم کسی نبی اور رسول پر جو الفاظ و معانی القاء اور وحی ہوتے ہیں اُن کی عظمت کا کیا پوچھنا، لہٰذا ہر چند کہ دوسرے عقل مند لوگ بھی اچھے اچھے نام رکھتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے اپنی بیٹیوں کا نام فاطمہ رکھا بھی لیکن نبوی عزم و ہمت کا کیا مقابلہ؟ زبانِ نبوت سے جس جس کو کوئی ذاتی نام یا صفاتی لقب عطا ہوا

وہ مکمل طور پر اس کی شخصیت پر صادق آیا۔ ذرا صدیق، فاروق، غنی، اسد اللہ، سیف اللہ وغیرہ القاب میں اور جن کو یہ القاب عطا ہوئے اُن کی شخصیات میں غور تو فرمایئے!

محدثین کرام نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو "سفینة" فرمادیا تو واقعی اُن میں کشتی کی طرح بوجھ اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ حضرت سعید بن جمھان ﷺ فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت سفینہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا، پھر فرمایا: البتہ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام سفینہ رکھا ہے۔ میں نے کہا: آپ کا نام سفینہ کیوں رکھا؟ فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ﷺ سفر پر نکلے تو اُن کا سامان اُن پر بھاری ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اپنی چادر بچھادو! میں نے بچھادی تو تمام صحابہ ﷺ نے اپنا سامان اس میں رکھا پھر مجھ پر لادد یا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "احمل فإنما أنت سفينة" (اُٹھاؤ! بیشک تم سفینہ [کشتی] ہو) پس اس روز سے میں ایک سے سات اونٹوں کا بوجھ بھی اٹھالوں تو وہ مجھ پر بھاری نہیں ہوتا"۔

(دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص٤٧، مسند أحمد ج٥ ص٢٢١ و ج٧ ص٣٢٦ رقم ٢٢٢٧٤، المستدرك للحاكم ج٣ ص٦٠٥ وطبعة أخرى ج٤ ص٧٩٤ رقم ٦٦٠٧، المعجم الكبير ج٧ ص٩٧، حلية الأولياء ج١ ص٤٥٢، الكامل لابن عدي ج٣ ص٣٧٤، شرف المصطفى لأبي سعد الخركوشي ج٣ ص٥٠٤، أسد الغابة ج٢ ص٤٨١، مجمع الزوائد ج٩ ص٦١١ رقم ١٥٩٧٠، جامع الآثار لدمشقي ج٧ ص٣٠١، سبل الهدى والرشاد ج٧ ص٣٢٦، تلقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزي ص١٠٧)

ہر چند کہ ہم اہل سنت کے تحقیقی قول کے مطابق سیدتنا فاطمة الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت قبل از اعلانِ نبوت ہوئی اور اُن کا نام بھی اُسی وقت رکھا گیا لیکن ہمارے آقا اُس وقت بھی نبی اور رسول تھے، اسی لیے مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا سید احمد حسن سنبھلی چشتی نے لکھا ہے:

''اگرچہ اسم ذات میں مناسبتِ معنویہ شرط نہیں مگر بہتر ہے، **كذا قال السيد السند في حاشية الكشاف**، (جیسا کہ سید شریف جرجانی نے ''کشاف'' کے حاشیہ میں کہا ہے) اور منصبِ نبوت کے مناسب بھی یہی ہے کہ اس نسبت کا لحاظ رہے''۔

(المناقب الفاطمية ص ٤٠٣)

میں کہتا ہوں: فقط مناسب ہی نہیں بلکہ منصبِ نبوت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس نام کا اسم با مسمّٰی ہونا ضروری ہے، اور اس مناسبت کی وجہ سے اس نام کی حکمتوں اور فضیلتوں کے متعلق جو احادیث منقول ہیں وہ اگر نہ بھی ہوتیں تب بھی ہم مذکورہ تفصیل کی روشنی میں سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کو اسم با مسمّٰی اور اُن صفات وفضائل سے متصف مانتے۔ تاہم ان احادیث کا منقول وموجود ہونا سونے پر سہاگہ کے معنی میں ہے، کیونکہ اب ہمیں ان احادیث کی سند کو جانچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام حاکم اور امام دیلمی کی نقل کردہ مذکورہ بالا حدیث پر کسی کلام کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

ذریتِ فاطمہ میں اسمِ فاطمہ کی برکت

ابھی ابھی آپ بخاری کی حدیث میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول پڑھ چکے ہیں کہ جب اُن کے دادا نے اپنے سابقہ نام ''حزن'' کو ''سہل'' سے بدلنا قبول نہ کیا تو اُن کی نسل میں مسلسل ''حزن'' (تنگی) موجود رہی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسم ''حزن'' کی جگہ پر اسم ''سہل'' کو قبول کر لیتے تو نہ صرف یہ کہ وہ آسودہ ہو جاتے بلکہ اُن کی نسل میں بھی آسودگی آ جاتی۔ اِس حدیث کو مدِّنظر رکھتے ہوئے خود سوچئے کہ کیا سیدہ کے نام کی برکت اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو حاصل نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی، اور اس سلسلے میں بعض احادیث بھی آئی ہیں۔ چنانچہ علماء کرام لکھتے ہیں:

إنما سميت فاطمة، لأن الله قد فطمها وذريتها عن النار يوم القيامة، أخرجه الحافظ الدمشقي.

''سیدہ فاطمہ کا نام فاطمہ فقط اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اور اُن کی ذریت کو قیامت کے دن آگ سے دور کر دیا ہے، اس کو حافظ دمشقی نے روایت کیا ہے''۔

(مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٢١، المواهب اللدنية ج ٢ ص ٦٤، شرح الفقه الأكبر لعلي القاري ص ١٦٣، العجالة السنية للمناوي ص ٢٥٨، البريلوية کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ ص ١٤٨، سيدة فاطمة لمحمد إقبال رنگوني ص ١٤٣)

امام محب الطبری نے یہ حدیث یوں مرفوعاً نقل فرمائی ہے:

عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ لفاطمة: يا فاطمة تدرين لم سميت فاطمة؟ قال علي: يا رسول الله لِمَ سميت فاطمة؟ قال: إن الله عز وجل قد فطمها وذريتها عن النار يوم القيامة.

''سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کو فرمایا: یا فاطمہ! کیا تم جانتی ہو کہ تمہارا نام فاطمہ کیوں رکھا گیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فاطمہ نام کیوں رکھا گیا؟ فرمایا: بیشک اللہ عز وجل نے ان کو اور ان کی ذریت کو قیامت کے دن آگ سے دور فرما دیا ہے''۔

(ذخائر العقبى ص ٣٨، المناقب الفاطمية للسنبهلي ص ٧٢)

اس مفہوم کی تمام احادیث کی قرآن کریم سے تائید ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی ذریت کو اُن کے ساتھ ملا دے گا اور اُن کے اعمال میں کوئی کمی نہیں فرمائے گا۔ (الطور: ٢١) اور نبی کریم ﷺ کی ذریت تو وہ ذریت ہے جو قیامت تک قرآن کے ساتھ رہے گی۔ ہم کسی پیوندی یا بناسپتی سید کی بات نہیں کرتے مگر اصلی سید کے بارے میں ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ نہ تو غیر مسلم ہو سکتا ہے اور نہ ہی جہنمی، اور ایسے حقیقی فاطمی شخص کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ اس بات کو محض مجھ عاجز کی خوش عقیدگی ہی نہ تصور کیا جائے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے، حتیٰ کہ شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ذریت پاک کو نبی کریم ﷺ کی اُس اعزازی مغفرت میں شامل مانا ہے جو سورۃ الفتح کی آیت "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ" میں بیان فرمائی گئی ہے، جیسا کہ ہم "شرح أسنى المطالب في مناقب علي بن أبي طالب" میں باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔

لم سميت بالزهراء؟

وسميت بالزهراء؟ لأنها زَهرَة المصطفیٰ ﷺ.

''زھراء'' نام رکھنے کی وجہ

سیدہ کا نام ''زَھَرَا'' اس لیے رکھا گیا کہ وہ مصطفیٰ کی ''زھرۃ'' ہیں۔

لفظ ''زھراء'' کا مادہ [ز،ھ،ر] ہے۔ لویس معلوف الیسوعی لکھتا ہے:

زھرزھوراً: السراج أو القمر أو الوجه تلألأ، أضاء.

''زھر زھوراً: کا معنی ہے سورج یا چاند یا چمکتا ہوا روشن چہرہ''۔

(المنجد فی اللغة ص ۳۰۸)

اسی مادہ سے لفظ ''زھرۃ'' ہے۔ حرف ''ز'' کی فتح (زبر) سے کلی اور شگوفہ کو ''زَھرۃ'' کہتے ہیں اور ضمہ (پیش) سے تازگی، حسن، روشنی، چمک اور خوبصورتی کو ''زُھرۃ'' کہتے ہیں۔

لویس معلوف الیسوعی لکھتا ہے:

الزھرۃ: الحسن والرونق والبیاض الجمیل.

''حسن، رونق اور خوبصورت سفیدی کو زھرہ کہتے ہیں''۔

(المنجد فی اللغة ص ۳۰۸)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ سلام اللہ علیہا کو مطلق مصطفیٰ ﷺ کی ''زھرۃ'' فرما کر دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے، اور اس سے انہوں نے اُن بعض احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں نبی کریم ﷺ کو ''أزھــر'' (سب سے بڑھ کر روشن) فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پاک میں ''أزْھَرُ اللَّوْنُ'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی خوب چمکتی رنگت والے۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۲۷ رقم ۶۰۵۴، بخاری ص ۵۹۶ رقم ۳۵۴۷، الخصائص الکبری ج ۱ ص ۱۳۶ وضبعة أخری ج ۱ ص ۱۲۷)

اِن الفاظ میں نورانیت، روشنی، تازگی اور چمک سب معانی موجود ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آفتاب کی وہ روشنی جو آندھی کے وقت ذرا سی ہلکی نظر آتی ہے وہ "أزھر" ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیھقي ج۱ ص۲۹۹)

امام بیہقی ایک مقام میں فرماتے ہیں:

"امام قُتَیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أزھر اللون" کا معنی ہے ایسی سفید رنگت والا جو روشنی پھیلاتا ہو، اسی لیے ایک ستارے کو اُس کی شدید روشنی کے باعث "زھرۃ" کہا جاتا ہے"۔

(دلائل النبوۃ للبیھقي ج۱ ص ۲۹۳)

یہ ستارہ انتہائی روشن اور حسین ہے حتیٰ کہ اہل لغت لکھتے ہیں:

"یونانیوں کے علم الاصنام میں اس کو "آلھۃ الجمال" حسن و جمال کی دیوی کہا جاتا ہے"۔

(المنجد فی اللغۃ ص۳۰۸، مصباح اللغات ص۳۴۹)

نبی کریم ﷺ کی اسی روشنی کو حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

رَأیتُ رَجُلاً ظَاھِرَ الوضَاءَ ۃِ، أبلجَ الوجہِ، حسن الخَلق.

"میں نے ایک واضح صاحبِ جمال، روشنی بکھیرنے والے، حسین خلقت والے شخص کو دیکھا"۔

(المعجم الکبیر ج۲ ص۳۲۷، دلائل النبوۃ للبیھقي ج۱ ص۲۷۹، جامع الآثار لدمشقي ج ٤ ص۳۰٦، موسوعۃ سیرۃ سیدالأنام ج۳ ص۵۷، المواھب اللدنیۃ ج۱ ص ۳۰۰، سبل الھدیٰ ج ۳ ص۲٤۵)

"أبلجَ الوجہِ" کی تشریح میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

تریدمشرق الوجہ مضیئہ.

"ام معبد رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس نور کی کرنیں پھیلاتا تھا"۔

(دلائل النبوۃ للبیھقي ج۱ ص ۲۸۳)

اسی "أزهر اللون" ﷺ سے "الزهراء" ہے، لہٰذا خود سوچئے کہ جو "أزهر اللون" ﷺ کا "بَضعة" (حصہ) ہو اُس کے حسن، تازگی، روشنی اور ظاہری و باطنی خوبصورتی کا عالم کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ آگے چل کر ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اُس حدیث سے ہوگا جس میں انہوں نے شکل وصورت، چال ڈھال اور ہر رنگ میں سیدۂ کائنات کو حضور ﷺ کے مشابہ فرمایا ہے، اور اس انداز بیان سے بڑھ کر اُن کے حسن و جمال کو کسی اور اسلوب سے ادا ہی نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کی یہ شہادت بھی قابلِ نقل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی امی سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

كانت كالقمر ليلة البدر أو الشمس كفر غماماً إذا خرج من السحاب، بيضاء مشربة حمرة، لها شعر أسود، من أشد الناس برسول الله ﷺ شبهاً.

"وہ چودھویں کے چاند کی مانند یا اُس سورج کی طرح تھیں جس کو ابر نے چھپا رکھا ہو اور وہ بادل کی اوٹ سے نکل کر سامنے آئے، ایسی روشن سفید تھیں جس میں سرخی کی آمیزش تھی، اُن کے بال انتہائی سیاہ تھے، وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھیں"۔

(المستدرك ج٣ ص ١٦١ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ١٤٩ رقم ٤٨١٣)

سیدہ کی ذات پاک پر کلی اور شگوفہ کے معنیٰ میں لفظ "زهرة" کی دلالت یوں ہوتی ہے کہ کلی یا شگوفہ اُسے کہا جاتا ہے جو کھِل کر پھول نہ بنا ہو اور منظر عام پر نہ آیا ہو، کیونکہ کلی جب کھِل اٹھے تو پھول ہو جاتی ہے اور پھول منظر عام پر بھی آیا کرتا ہے اور مرجھایا بھی کرتا ہے۔ چونکہ سیدۂ کائنات منظر عام پر نہیں آئیں اس لیے بجا طور پر وہ "زهرة" ہیں۔ انہوں نے اس حد تک تو خود کو چھپایا کہ بعد از حکمِ حجاب کوئی بھی نامحرم انہیں دیکھ نہ سکا۔

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اُس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش ص ۲۱٤)

دوسری طرف یہ بھی شانِ خداوندی ہے کہ اِس کلی سے جو دو پھول برآمد ہوئے وہ منظرِ عام پر تو آئے مگر مرجھائے نہیں بلکہ سدا بہار رہے۔ بخدا اب بھی اگر کسی کے روحانی مشام زکام سے پاک ہوں تو ان پھولوں کی خوشبو برابر آرہی ہے۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع اور مقطع میں کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

سرتابقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
کیابات رضا اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

(حدائق بخشش ص ۵۱،۵۲)

لِمَ لُقِّبت بالبتول؟

وَلُقِّبت(بالبتول)لأنه لاشهوة لهاللرجال،لأنه تعالیٰ قطعهاعن النساء حُسناًوفضلاًوشرفاً،أولانقاطعها إلى الله تعالیٰ.

لقب ''بتول'' کی حکمت

سیدہ کا لقب ''بتول'' اس لیے رکھا گیا کہ اُن میں وہ میلان نہیں تھا جو دوسری عورتوں میں مردوں کے لیے ہوتا ہے، یا اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن و جمال اور شرف وفضیلت میں دوسری عورتوں سے منفرد بنایا، یا اس لیے کہ وہ مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھیں۔

لفظ ''بتول'' کا مادہ [ب،ت،ل] ہے، اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا دوسری چیز سے ممتاز اور جدا ہونا۔ چنانچہ امام فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والشيء: ميزه عن غيره، والبتول: المنقطعة عن الرجال، ومريم العذراء رضي اللّٰه عنها كالبتيل، وفاطمة بنت سيد المرسلین علیهما الصلوة والسلام، لانقطاعها عن نساء زمانها ونساء الأمة فضلاً وديناً وحسباً، والمنقطعة عن الدنيا إلى اللّٰه تعالىٰ.

''وہ شے جو دوسری چیز سے ممتاز ہو بتل ہے، اور بتول اُس خاتون کو کہتے ہیں جو مردوں سے میلان نہ رکھتی ہو، اسی معنی میں کنواری مریم رضی اللہ عنہا بتول ہیں، اور فاطمہ بنت سید المرسلین علیہما الصلوٰۃ والسلام بتول ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانے کی خواتین اور امت کی خواتین سے فضیلت، دین اور شریف الاصل ہونے کے لحاظ سے ممتاز تھیں، اور دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھیں''۔

(القاموس المحيط ص١٢٤٦)

آگے ایک حدیث آرہی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا تھا کہ عورت کے حق میں کیا چیز بہتر ہے؟ وہ اس کا جواب نہ دے سکے تو سیدہ کی طرف سے یہ جواب آیا کہ: ''عورت کے لیے یہ بہتر ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھے اور نہ ہی مرد اُسے دیکھ سکیں''۔ اگر اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے لفظ بتول کے معنیٰ میں غور کیا جائے تو پھر سیدہ کائنات علیہا السلام کا بتول ہونا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

بتولے باش، بتول ہو جایئے!

مطلقاً بتولیت کا تاج تو سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے مبارک سر پر ہے لیکن اگر کوئی خاتون حتی الامکان سیدہ کی سیرت پر گامزن ہو جائے تو اُن کے طفیل وہ بھی اپنے زمانہ کی بتول ہو سکتی ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے استفادہ نہ کرے مگر یہ شرط ہے کہ ناجائز امور سے اجتناب کرے اور قلباً ساری مخلوق سے کٹ کر اپنے پروردگار عزوجل کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا.

''اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اُسی کا ہو رہ''۔ (المزمل:٨)

مرد ہو یا عورت، ضرورت عزم بلند کی ہے۔ اگر عزم بلند ہو تو خواتین مردوں سے بھی بازی لے جاتی ہیں۔ آج جب دوسرے میدانوں میں عورت مرد کی برابری کا عزم رکھتی ہے تو "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" (نیکیوں میں آگے بڑھو) کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ذکر وفکر اور عبادت وریاضت میں بھی تو آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ متعدد خواتین ایسی ہو گذری ہیں جو نہ صرف یہ کہ اپنے مردوں کے لیے بہترین نمونہ تھیں بلکہ وہ اُن کی بخشش کا سبب بھی تھیں۔ ایسی بلند خیال خواتین کے تذکروں سے کتب بھری پڑی ہیں۔ یہاں ہم بطورِ نمونہ ایک آدھ واقعہ نقل کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو ایسا بنائے۔

عرفاء کرام نے ایک خاتون کا ذکر کیا ہے، جسے أَمَةُ اللّٰه (اللہ کی باندی) کہا جاتا تھا، وہ ساری ساری رات عبادت کرتی تھیں لیکن دنیا ومافیھا سے بے خبر نہیں تھیں بلکہ وہ شادی شدہ تھیں، تمام دنیوی اور مادی حقوق پورے فرماتیں لیکن اپنے مولی کے ساتھ لو لگانے میں بھی یکتا (یعنی بتول) تھیں۔ چنانچہ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے شوہر رباح القیسی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

> "وہ مکمل شب قیام میں بسر کرتی تھیں۔ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو اپنے خاوند سے کہتیں: کھڑے ہو جایئے! اگر وہ نہ اٹھتا تو آدھی رات گزر جانے کے بعد پھر آکر اٹھاتیں اگر وہ پھر بھی نہ اُٹھتا تو شب کا تیسرا حصہ گزرنے کے بعد آکر اُٹھاتیں اور فرماتیں "صبح کے لیے بیدار ہو جاؤ! رات کا لشکر واپس جا چکا اور تم اب تک گہری نیند میں ہو؟ خدا جانے مجھے تم پر اس قدر جرأت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کر رکھا ہے؟ (یعنی میں تمہیں بیدار کرنے پر کیوں مجبور ہوں) ان کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد کپڑے بدلتیں، میک اپ کرتیں اور خوشبو لگا کر اپنے شوہر کے پاس آکر کہتیں "أَلَکَ حَاجَةٌ" (کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟) وہ کہتا نہیں، تو صبح صادق تک نوافل میں مشغول رہتیں"۔

(الكواكب الدرية في طبقات الصوفية ج۱ ص۲۳۲، روض الرياحين ص۱۹۲)

یہ سب قدرت کے رنگ ہیں، کوئی نیند کے نشے میں مست ہیں اور کوئی عبادتِ الٰہی کے نشے میں مست ہیں۔ باری تعالیٰ نے حق فرمایا ہے:

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى

''بیشک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں''۔(اللیل:٤)

کوششوں کے اسی اختلاف کو کسی صاحب دل نے یوں بیان کیا ہے۔

رات پوے تے بے درداں نوں سکھ دی نیندر آوے

دردمنداں نوں یاد سجن دی ستیاں آن جگاوے

قرآن کریم میں مردوں کو خطاب ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ کے عذاب سے بچائیں مگر مذکورہ بالا واقعہ میں اس کے برعکس ہے کہ ایک خاتون ایک شب میں تین مرتبہ اپنے خاوند کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ اٹھو! کچھ تو اپنے خالق، مالک اور رازق کو یاد کر لو۔ بزرگوں نے سچ فرمایا ہے۔

نہ ہر زن زنست ونہ ہر مرد مرد

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

''ہر عورت، عورت نہیں اور نہ ہر مرد، مرد ہے، خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائیں''۔

ذرا سوچئے کہ وہ خاتون اپنے شوہر کو ایک شب میں تین مرتبہ بیدار کرنے پر کیوں مجبور تھی؟ فقط اس لیے مجبور تھی کہ ہمارے خالق و مالک ﷻ کا حکم ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

''نیکی اور تقوی میں باہم مدد کیا کرو، اور زیادتی و گناہ میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو''۔

(المائدہ:٢)

سورۃ العصر میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان نہ تو خود ایمان اور عمل صالح پر کار بند ہو اور نہ ہی دوسروں کو نیکی کی ترغیب اور برائی سے بچنے کی تلقین کرے تو وہ سراسر خسارے میں ہے۔ اس کا واضح ترین مطلب یہ ہے کہ مومن کا اصل کمال یہ نہیں کہ وہ خود ایمان و عمل صالح سے مالا مال ہو کر نقصان سے

محفوظ ہو بلکہ حقیقی کمال یہ ہے کہ وہ دوسروں کے بارے میں بھی کوشش کرے اور فکر مند رہے۔ اسی لیے وہ خاتون اپنے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ اپنے رفیق حیات کے بارے میں بھی فکر مند رہتی تھی۔

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو ڈراموں، فلموں اور دیگر لہو و لعب کے کاموں کی دعوت تو دیتے ہیں لیکن نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں معاونت کا خیال تک ہمارے ذہنوں میں نہیں آتا، حالانکہ دنیا کے سکون اور آخرت میں نجات کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی تقویٰ اور نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ ایسا باہمی تعاون نگاہ شریعت میں کتنا محبوب ہے؟ آیئے! ذرا غور و محبت کے ساتھ سیدتنا فاطمہ کے بابا سید العالمین ﷺ کے اس فرمان کو پڑھیے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ یوں دعا فرمائی:

"اللہ ﷻ اس شخص پر رحمت فرمائے جو رات کو اٹھے پھر نماز پڑھے اور اپنی اہلیہ کو جگائے، اور اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اور اللہ ﷻ اس خاتون پر رحمت فرمائے جو رات کو اٹھے پھر نماز پڑھے اور اپنے میاں کو بیدار کرے، اور اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکے"۔

(سنن أبي داود ج٢ ص٤٦ رقم ١٣٠٨، سنن النسائي ج٣ ص٢٢٦ رقم ١٦٠٩، سنن ابن ماجه ج٢ ص٢١٨ رقم١٣٣٦، وطبعة أخرىٰ ج٢ ص٣٦١ رقم١٣٣٦، مسند أحمد ج ٢ ص٢٥٠ وطبعة أخرىٰ ج٣ ص٦٤، ٦٥ رقم ٧٤٠٤، صحيح ابن خزيمة ج١ ص٤٦٨ رقم ١١٤٨، صحيح ابن حبان ج٦ ص٣٠٧ رقم٢٥٦٧، جامع الأصول لابن أثير الجزري ج ٤ ص٤٥٢، كتاب التهجد وقيام الليل لابن أبي الدنيا ص٢٩٦، ٢٩٧ رقم٢٣٤، مختصر كتاب قيام الليل للمروزي ص٩٨ رقم٩٠)

قارئین کرام! یہ حدیث بار بار پڑھیے اور غور فرمایئے کہ میاں بیوی میں سے جو کوئی بھی اس سنت پر عمل کرے تو زبانِ نبوت ﷺ سے پیشگی اُس کے لیے رحمت کی دعا ہے۔ یا الٰہ العالمین! ہمیں اس سنت پر عمل کرنے کی سعادت عطا فرما، آمین!

الغرض کسی بھی دور کی عورت اگر مادیت پرستی سے باہر آجائے، لہولعب سے آزاد ہوجائے اور زمانہ کو اپنی طرف یا خود کو زمانے کی طرف ڈھالنے کی بجائے خالق کی طرف ڈھل جائے تو یقیناً وہ اپنے زمانہ کی بتول بن سکتی ہے۔ مفکر اسلام علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اپنے زمانے کی بتول بننا ممکن ہے، اسی لیے انہوں نے دختران اسلام سے بتول بننے کی اپیل بھی کی اور اُس کا نسخہ بھی تجویز فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا

مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

اے لڑکی یہ دلبرادائیں ترک کردے، مسلماں کو کافری زیب نہیں دیتی۔

منہ دل برجمالِ غازہ پرورد

بیاموز از نگاہ غارتگری ہا

غازہ ومیکپ پر فریفتہ نہ ہو، غارت گری کی نگاہ سے عبرت حاصل کر۔

ذرا آگے فرماتے ہیں:

اگر پندے زِدرویشے پذیری

ہزار امت بمیرد تو نہ میری

اگر تو درویش کی نصیحت قبول کرلے تو ہزار امت مرجائے گی مگر تو نہ مرے گی۔

بتولے باش وپنہاں شو ازیں عصر

کہ درآغوش شبیرے بگیری

بتول ہوجا اور اِس زمانے کی نگاہ سے مخفی ہوجا، تاکہ تو اپنی آغوش میں شبیر جیسا فرزند پاسکے۔

(ارمغانِ حجاز ص ۹۲، ۹۴)

اسی حقیقت کو حضرت علامہ سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

آج کی عورت ہو پردے سے مبرّا کس لیے

فاطمہ زہرا سی ہستی بھی اگر چادر میں ہے

سیدہ زہرا ! خدا سے مانگ اس کی عافیت

تیرے بابا کی یہ امت حالتِ ابتر میں ہے

(فیضِ نسبت ص ۲۹۰،۲۹۱)

بم کنیت؟

وكنيت (بأم أبيها) كما أخرجه الطبراني عن أبي المدايني.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کنیت

سیدہ کی کنیت "أم أبيها" (اپنے باپ کی ماں) ہے، جیسا کہ امام طبرانیؒ نے ابن المدائنی سے نقل کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٩ ص ٣٦١ رقم ١٨٤١٨، ١٨٤٢١، الإصابة ج٨ ص ٢٦٢، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٢٠)

"مدايني" یا "مديني"؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "المدايني" لکھا ہے جبکہ "المعجم الكبير" میں "المديني" مرقوم ہے، اوراس سے مراد امام محمد بن علی المدینی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ مدینی مدینہ منورہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے اور یہ غیر قیاسی ہے، قیاس یہ ہے کہ مدنی کہا جائے۔ پھر کچھ علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہو جائے اور اسے ترک نہ کرے تو وہ مدینی ہے ورنہ مدنی ہے۔

(مقدمة علل الحديث للمديني ص١٦)

"أم أبيها" کہنے کی وجہ

یوں تو بعض زبانوں میں پیار کے ساتھ بیٹے یا بیٹی کی عمر کے بچوں کو بزرگ لوگ ابا اور اماں کہہ دیا کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے ہاں سرائیکی، سندھی اور میمنی میں چھوٹے بچے بچی کو ایسا کہتے ہیں۔ عرب بھی

ایسا کہتے ہیں اور اب تک یہ شفقت بھرا انداز عرب میں مروّج ہے، میں نے خود مكة المكرمة میں ایک مکتبہ پر ایک عرب بزرگ سے ایک پاکستانی کم عمر طالب علم کو "أُبُوَيَ" (میرا ابا) کہتے ہوئے سنا ہے۔ سیدہ کو بھی اس شفقت سے "أمي" کہا گیا ہو تو بعید نہیں لیکن واقعات وروایات سے اس کا سبب کچھ اور معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ سیدہ کائنات علیہا السلام کو اپنے بابا سے اس قدر والہانہ محبت تھی کہ وہ کبھی اُن سے جدا نہیں ہوئیں۔ پھر یہ نہیں کہ وہ فقط شفقت پدری حاصل فرماتی رہیں بلکہ ہر مشکل وقت میں اپنے بابا پر یوں قربان ہوتی رہیں اور اُن کا یوں دفاع فرماتی رہیں جس طرح ایک ماں اپنے پیارے بچے کا دفاع کرتی ہے۔ ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے کہ وہ کیسا وقت تھا جب کسی بد بخت نے سید عالم ﷺ پر حالتِ سجدہ میں اونٹ کا اوجھ رکھ دیا تھا تو یہی کم سن بچی دوڑ کر گئی اور اُس اوجھ کو پرے پھینک کر کفار کو سخت سست کہا۔ غزوۂ احد میں جان نثاروں اور بڑی عمر کے تجربہ کار خواتین وحضرات کی کوئی کمی نہیں تھی مگر رخسارِ نبوی ﷺ سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کے لیے سب سے پہلے سیدہ پہنچیں اور ٹاٹ کو جلا کر اُس کی راکھ سے خون اقدس کو روکا اور مرہم پٹی فرمائی۔ حضرت ابوطالب اور سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کے وصال کے بعد اپنے بابا کی یوں نگہداشت فرمائی جس طرح کوئی بڑی عمر کی خاتون اور ماں نگہداشت کرتی ہے۔ سو اِن وجوہات کی بنا پر ہر زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے "هذه أم أبيها" (یہ تو اپنے باپ کی ماں ہے)۔

بطلان بعض الروايات الخاصة بالتسمية

وأما ما رواه الخطيب البغدادي من أن جبريل ليلة الإسراء ناول المصطفىٰ تفاحة فأكلها فصارت نطفة في صلبه، فحملت منه بفاطمة، وأنه كلما اشتاق إلى الجنة قبّلها. فقال الذهبي۔ كابن الجوزي: موضوع، وأقره الجلال السيوطي، فيما تعقبه على ابن الجوزي، ولم يعترضه.

وقال الحافظ ابن حجر: هذا من وضع محمد بن خليل، فإن فاطمة

ولدت قبل الإسراء بمُدَّة، قبل النبوة اتفاقاً.

وكذا ما قاله الحاكم في مستدركه عن سعد بن أبي وقاص مرفوعاً: أن جبريل أتى بسفرجله من الجنة فأكلتها ليلة الإسراء فَعَلِقَت خديجة بفاطمة فإذا اشتقت إلى رائحة الجنة شممتُ رقبة فاطمة، ماذاك إلا لأن فاطمة ولدت قبل الوحي إجماعاً، فهو قطعي البطلان!

نام کے متعلق بعض روایات کا بطلان

اس سلسلے میں ایک روایت وہ ہے جسے خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے شبِ معراج نبی کریم ﷺ کو ایک سیب دیا تو آپ نے اُسے کھالیا جس پر آپ کی پشت میں ایک نطفہ پیدا ہوگیا تو سیدہ خدیجہ الکبریٰ فاطمہ کے ساتھ با امید ہوئیں، اور جب نبی کریم ﷺ کو جنت کا شوق ہوتا تو آپ سیدہ کو چوم لیتے۔

امام ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے اور امام سیوطی نے "التعقبات علیٰ ابن الجوزي" میں اس کی تائید کی ہے اور اعتراض نہیں کیا، اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے: اس روایت کو محمد بن خلیل نے گھڑا ہے، اور سیدہ فاطمہ کی ولادت معراج سے ایک مدت قبل ہوئی بلکہ بالاتفاق اعلان نبوت سے بھی قبل ہوئی تھی۔

اسی طرح ایک روایت وہ ہے جسے حاکم نے "المستدرک" میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جبریل شبِ معراج جنت سے ایک بہی دانہ لائے تو میں نے اُسے کھالیا پھر خدیجہ اُس کی بدولت فاطمہ سے باُمید ہوئیں، پس مجھے جب جنت کی خوشبو کا شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہ کی گردن کو چوم لیتا ہوں۔

یہ من گھڑت روایت ہے، اس لیے کہ سیدہ فاطمہ بالاجماع نزولِ وحی سے قبل پیدا ہوئیں، لہٰذا یہ قطعی طور پر باطل ہے۔

موضوع روایات درج کرنے کی حکمت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ روایات موضوع ہیں اور مصنف نے ان کا موضوع ہونا خود ظاہر فرمایا ہے تو انہوں نے ان کو اپنی کتاب میں درج ہی کیوں کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف ایک عظیم اور معتبر محدث ہیں، اور معتبر محدثین کرام ﷺ کا ایک طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی بات اور واقعہ وغیرہ میں جہاں صحیح اور قابلِ قبول احادیث لاتے ہیں وہیں اُسی واقعہ سے متعلق موضوع اور من گھڑت روایات بھی درج کر دیتے ہیں تا کہ لوگوں پر اُس واقعہ کے متعلق سچ اور جھوٹ مکمل طور پر عیاں ہو جائے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ اپنی کتاب میں ہر مضمون میں چلایا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر دو دو صفحات پر مشتمل روایات آپ کو ملیں گی مگر اُن کے آخر میں ایک جملہ سے اُن دو صفحوں کو یہ کہہ کر اُڑا دیا جائے گا کہ ''یہ روایت موضوع (گھڑی ہوئی) ہے''۔

علاوہ ازیں ایک طبقہ میں ایسی روایات بڑی شد و مد سے رائج ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مقاصد میں اُن کی تردید بھی ہو۔

منزلتها ومحبته ﷺ لها ومتعلقات ذلك

وكانت فاطمة أحب أولاده وأحظاهن عنده بل أحب الناس إليه مطلقاً. روى التِّرمذي عن بُريدة وعائشة قالت: ما رأيت أحداً أشبَه سمتاً ولا هدياً برسول الله ﷺ من فاطمة في قيامها وقعودِها، وكانت إذا دخلت عليه قام إليها فقبَّلها وأجلسها في مجلسه.

زاد أبو داود في روايته: وكان يمُص لسانَها.

سیدہ کا مرتبہ اور حضور ﷺ کی ان سے محبت

سیدہ فاطمۃ الزہراء نبی کریم ﷺ کو آپ کی پوری اولاد سے زیادہ محبوب اور سب سے بڑھ کر صاحب

مرتبہ تھیں بلکہ مطلقاً تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ حضرت بریدہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''میں نے کسی کو راہِ راست پر قائم ہونے اور سیرت کے لحاظ سے اُٹھتے بیٹھتے سیدہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ فرمایا: جب بھی وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، پھر اُنہیں بوسہ دیتے اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔

امام ابوداود نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ اُن کی زبان اقدس کو چوستے تھے۔

(سنن الترمذي ص٨٧٤ رقم ٣٨٧٢، سنن أبي داود ج٤ ص٤٥٨ رقم ٥٢١٧، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ ص٣٩٣ رقم ٨٣١١، صحيح ابن حبان ج٩ ص٥٢، ٥٣ رقم ٦٩١٤ وطبعة محققة ج١٥ ص٤٠٣ رقم ٦٩٥٣، الأدب المفرد ج٢ ص٥١٩ رقم ٩٤٧ وص٤٥٠ رقم ٩٧١، المستدرك ج٣ ص١٥٢ رقم ٤٧٨٥ وص١٥٩ رقم ٤٨٠٧، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٧ ص١٠١ رقم ١٣٥٧٨، شعب الإيمان للبيهقي ج٦ ص٤٦٧ رقم ٨٩٢٧، مناقب علي والحسنين ص١٨٩، الآداب للبيهقي ص١٩١ رقم ٣١٨، سبل الهدىٰ ج١١ ص٤٤ و٤٦، الآداب الشرعية لابن مفلح ج١ ص٣٠٧)

حدیث پاک کے الفاظ میں غور فرمائیے، ارشاد ہے ''**كانت إذا دخلت عليه قام إليها**'' (جب بھی سیدہ آتیں تو حضور ﷺ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے) یعنی کبھی کبھی نہیں بلکہ سیدہ کی ہر آمد پر ایسا ہوتا تھا۔

کھڑے ہو کر تھے استقبال کرتے مصطفیٰ اُن کا
خدا ہی جانتا ہے کس قدر ہے شان زہرا کی

أَحَبُّ اور أَعَزُّ

روى الطبراني في الأوسط عن أبي هريرة :أن علياً قال:يا رسول الله،

أيما أحب إليك أنا أم فاطمة ؟قال:فاطمة أحب إليّ منك،وأنت أعز علي منها وكأني بك وأنت على حَوضي تذود عنه الناس وإن عليه لأباريق مثل عدد نجوم السماء ،وإني وأنت والحسن والحسين وعقيل وجعفر في الجنة:إخواناً على سرر متقابلين ثم قرأ ﷺ ﴿إِخْوَاناً عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ﴾ لاينظر أحدهم في قفا صاحبه ـ[وفيه سلمى بن عقبة مجهول].

امام طبرانی نے "المعجم الأوسط" میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دونوں میں آپ کو کون زیادہ محبوب ہے، میں یا فاطمہ؟ فرمایا: فاطمہ مجھے آپ سے زیادہ محبوب ہے اور آپ میرے نزدیک اُن سے زیادہ معزز ہیں، اور گویا میں تمہارے ساتھ ہوں گا اور تم میرے حوض سے (غیر مستحق) لوگوں کو ہٹاؤ گے، اور اُس پر آسمان کے ستاروں کے مطابق صراحیاں ہوں گی، اور میں، تم، حسن، حسین، فاطمہ، عقیل اور جعفر جنت میں پلنگوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی ہوں گے، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی: إخواناً علىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ (بھائی بھائی ہوں گے پلنگوں پر آمنے سامنے ہوں گے) اُن میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی پشت نہیں دیکھے گا۔

اس روایت میں سُلمیٰ بن عقبہ مجہول ہے۔

(المعجم الأوسط ج٨ص ٣٣٠ رقم ٧٦٧١،مجمع الزوائد ج٩ص ٢٠٢ وطبعة أخرىٰ ج ٩ ص ٣٢٦ رقم ١٥١٩٦ ،مجمع البحرين في زوائد المعجمين ج٣ص ٤١٦ رقم ٣٨٠٧، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٥٦ رقم ١٠٦ ،سبل الهدى ج ١١ ص ٤٤ ،در السحابة للشوكاني ص ٢٧١، ٢٧٢ ،مناقب علي والحسنين، للدكتور عبدالمعطي ص ٢٤٤ رقم ٤٦٥)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سُلمیٰ بن عقبہ مجہول ہے، اور مصنف کی یہ بات درست ہے لیکن یہ حدیث اپنے ابتدائی حصہ کے ساتھ غیر مجہول راویوں سے بھی منقول

ہے اور بعض کی سند بھی صحیح ہے۔ چنانچہ متن میں آئندہ صفحہ پر یہ حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آ رہی ہے اور اُس کی سند کو مصنف رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ دراصل مصنف رحمۃ اللہ علیہ سند و متن کے لحاظ سے ضعیف سے قوی اور عالی سے اعلیٰ کی طرف جاتے ہیں، اسی لیے وہ پہلے یہ ضعیف السند حدیث اور بعد میں صحیح السند حدیث لائے ہیں، اور یہ طرز مصنف کی محدثانہ وثاقت (ثقاہت) کی واضح دلیل ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت ابو نجیح اور ایک دوسرے راوی سے بھی منقول ہے، جسے متعدد محدثین کرام نے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أخبرنا زكريا بن يحيى عن إبن أبي عمر قال: حدثنا سفيان، عن إبن أبي نجيح، عن أبيه، عن رجل قال: سمعتُ علياً على المنبر بالكوفة يقول: خطبتُ إلى رسول الله فاطمة عليها السلام فزوَّجني، فقلتُ يا رسول الله أنا أحبُّ إليک أم هي؟ فقال: هي أحبُّ إليَّ منک، و أنتَ أعز عليَّ منها.

"حضرت ابن ابی نجیح ﷺ اپنے والد اور ایک دوسرے شخص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفہ میں حضرت علی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف فاطمہ علیہا السلام کے نکاح کا پیغام بھیجا تو اُنہوں نے میرے ساتھ نکاح کر دیا پھر (ایک مرتبہ) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو زیادہ محبوب ہوں یا وہ؟ فرمایا: وہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک اُس سے زیادہ معزز ہو"۔

(السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ص ٤٦١ رقم ٨٤٧٨ وطبعة أخرىٰ ج٥ص ١٥٠ رقم ٨٥٣١، سنن سعيد بن منصور ج١ ص ١٦٧، ١٦٨ رقم ٦٠٠، مسند الحميدي ج١ ص ٢٢، ٢٣ رقم ٣٨، فضائل الصحابة ج٢ ص ٧٨٣ رقم ١٠٧٦، خصائص علي بتحقيق الحويني ص ١٢٦ رقم ١٤٢، وبتحقيق الكاظم ص ٢٠٢ رقم ١٤٦ وبتحقيق البلوشي ص ١٥٥ رقم ١٤٦، الآحاد

والمثاني ج٥ ص ٣٦٠ رقم١٩٥١ ،بحر الفوائد للكلاباذي ج١ ص٤٥٤، ٤٥٥،الجامع الصغير ص٤٣٤ رقم٥٨٣٦ ،جمع الجوامع ج١٣ ص٢٥ ،مسندفاطمة الزهراء ص٥٦ رقم ١٠٦)

حضرت ابوھریرہ ﷛ کی مذکور الصدر حدیث کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ ایک اشکال کا حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هل بين ذلک الأحاديث تعارض؟

وكيف نوفق بينهالو كان ؟

ولا ينافي ذلك قوله في حديث آخر:أحب النساء إلى عائشة لأن المراد بالنساء زوجاته الموجودات عند قوله ذلك.

وبفرض خلافه:فهو على معنى مِن، ففاطمة لها الأحبية المطلقة.

حُبِّ عائشہ وفاطمہ کی احادیث میں تعارض اور اُس کا حل

یہ حدیث اُس حدیث کے منافی نہیں ہے،جس میں ہے’’ مجھے تمام عورتوں سے زیادہ محبوب عائشہ ہے‘‘ کیونکہ اس سے مراد حضور ﷺ کی وہ ازواج ہیں جو اُس وقت موجود تھیں،اور اگر بالفرض اس کے خلاف ہوتو پھر معنیٰ ہوگا کہ حضرت عائشہ سے زیادہ محبوب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں،لہٰذا سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے زیادہ محبت مطلقاً ہے،اور کوئی انسان (مرد ہو یا عورت) اُن سے زیادہ محبوب نہیں۔

فائدہ

متن میں آئندہ تین حدیثوں کے بعد حضرت نعمان بن بشیر ﷛ سے ایک حدیث آرہی ہے،اس کے تحت اِس شبہ پر مزید گفتگو کی جائے گی،ان شاءاللہ تعالیٰ۔

سيدة نساء الأمة :

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال:إن ملَكاً من السماء لم يكن زارني،فأستاذن في زيارتي،فَبَشَّرَنِي،أو قال:أخبرني:أن فاطمة سيدة نساء أُمتي.

[رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح غير محمد بن مروان الذهلي وقد وثقه ابن حبان]

خواتینِ امت کی سیدہ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان کے ایک فرشتہ نے ہماری زیارت نہیں کی تھی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے ہماری زیارت کے لیے اجازت مانگی۔ پھر اس نے مجھے بشارت دی یا فرمایا خبر دی کہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا میری امت کی خواتین کی سیدہ ہیں اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نوجوانانِ اہلِ جنت کے سید ہیں۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اُن کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، ماسوا محمد بن مروان ذھلی کے، اور ابن حبان نے اُس کی توثیق کی ہے

(المعجم الكبيرج٩ ص٣٦٤ رقم١٨٤٣٨، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ص٧٥٥ رقم ٨٤٦٢وطبعة أخرى ج٥ص١٤٦ رقم٨٥١٥، خصائص علي بتحقيق الحويني ص١١٩ رقم ١٢٧، وبتحقيق الكاظم ص١٧٧ رقم١٣٠ و بتحقيق البلوشي ص١٤٢ رقم١٣٠، نزل الأبرار للبدخشاني ص١١٠، درالسحابة للشوكاني ص٢٧٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اہل بیت سے محبت

اہل بیت کرام علیہم السلام سے محبت کے بعض دعویدار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھتے ہیں

اور انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں۔ ایسے محبان اتنا کیوں نہیں سوچتے کہ ایسی عظیم الشان احادیث کو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں، حالانکہ وہ بنوامیہ حکومت کے عمال سے تھے۔ پھر وہ فقط روایت کے ہی دشمن نہیں تھے بلکہ سچے محب اہل بیت بھی تھے۔ چنانچہ امام ابن عساکر ابوالمھزم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

''ہم ایک خاتون کی نماز جنازہ میں تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، پھر جب ہم واپس آنے لگے تو حضرت سیدنا حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ تھک کر راستے میں بیٹھ گئے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے سے اُن کی جوتی مبارک صاف کرنے لگے تو سیدنا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوہریرہ! کیا آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ہمیں یہ کرنے دیں، آپ کا جو مرتبہ میں جانتا ہوں اگر لوگ جانتے تو آپ کو کندھوں پر اٹھا لیتے''۔

(مختصر تاریخ دمشق ج۷ ص۱۲۸)

کسی فرشتہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے آنا اور یہ خوشخبری دینا حضرت ابوھریرہ کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما روایت کرتے ہیں:

''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے میری والدہ نے پوچھا ''تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کب حاضر ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا: تقریباً اتنا عرصہ ہو چکا ہے، وہ مجھ پر برہم ہوئیں اور برا بھلا کہا۔ میں نے عرض کیا مجھے معاف کر دیں، میں ابھی ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہوں، آپ کے ساتھ نمازِ مغرب پڑھوں گا اور درخواست کروں گا کہ آپ میرے لیے اور آپ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ پس میں نے آپ کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کی۔ اس کے بعد آپ نوافل پڑھتے رہے حتیٰ کہ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں آپ کے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے میرے چلنے کی آواز سنی تو فرمایا: ''کون

ہے؟ کیا حذیفہ ہے'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: تمہاری کیا حاجت ہے؟ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہاری والدہ کی مغفرت فرمائے، پھر فرمایا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ابھی ابھی ہمارے سامنے آیا تھا؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا: یہ فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی بھی زمین پر نہیں اترا، اس نے اپنے رب تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ مجھے آکر سلام عرض کرے اور بشارت دے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خواتینِ جنت کی سیدہ ہیں اور حسن اور حسین نوجوانانِ اہلِ جنت کے سید ہیں''۔

(سنن الترمذي ص٨٥٨رقم٣٧٨١، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ص٣٦٧رقم٨٢٤٠ وص ٣٩١رقم٨٣٠٧وطبعة أخرىٰ ج٥ص٩٥رقم٨٣٦٥، مسند أحمد ج٥ص٣٩٢وطبعة أخرىٰ ج٧ص٧١٥رقم ٢٣٧١٨، ٢٣٧١٩، صحيح ابن حبان ج٩ص٥٥رقم٦٩٢١وطبعة أخرىٰ ج١٥ص٤١٣رقم٦٩٦٠، المصنف لابن أبي شيبة ج٦ص٣٨١رقم٣٢١٦٨، وطبعة أخرىٰ ج١٧ص٢١٣رقم٣٢٩٣٧، المعجم الكبير ج٢ص ١٧٣رقم٢٥٤١، ٢٥٤٢، ٢٥٤٣و ج٩ ص٣٦٤ رقم ١٨٤٣٨، جامع الأصول ج٦ص٣٦٢ رقم٦٥٩٥ وص ٤١٠ رقم ٦٦٧٣، مجمع الزوائد ج٩ص١٨٤وطبعة أخرىٰ ج ٩ ص ٢٩٣ رقم١٥٠٨٦، ١٥٠٨٧، الزهر الباسم في سير أبي القاسم للمغلطائي ج ١ ص ٥٤٩، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٧ رقم١١٢وص٥٩ رقم١٢٨، جمع الجوامع ج١٤ص٢٨٨رقم١٠٦١٤، ١٠٦١٥، در السحابة للشوكاني ص٢٧٦، نزل الأبرار ص١٠٩)

اہلِ بیت کی فضیلت پہنچانے میں فرشتوں کی دلچسپی

اس حدیث میں ہے کہ بعض فرشتوں نے پروردگار ﷻ سے خصوصی اجازت مانگی کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین علیہم السلام کے جنتی سردار ہونے کی بشارت سنائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اہلِ بیت سے شدید محبت کرتے ہیں اور وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عرب کے شہر ریاض کے ایک شیخ الحدیث اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں:

فيه استحباب المبادرة إلىٰ بشارة آل البيت، وفضيلة من أدخل السرور علىٰ آل البيت، وشدة محبة الملائكة لآل البيت، وتنافسهم في ذلک.

''اس میں اہل بیت کو بشارت دینے میں عجلت کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اور اس میں اُس شخص کی فضیلت ہے جو اہل بیت کو خوشی پہنچائے اور اس میں اہل بیت کے ساتھ فرشتوں کی شدید محبت اور اُس میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کا ذکر ہے''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ۷۷، ۷۸)

سیدنا علی ﷛ کی خصوصیتِ عظیمہ

متن کی اس حدیث میں سیدنا علی مرتضیٰ ﷛ کی ایسی عظیم خصوصیت کا ذکر ہے جس میں اُن کا کوئی شخص بھی مدمقابل نہیں۔ چنانچہ شیخ عبداللہ بن صالح بن محمد العبید لکھتے ہیں:

فيه المنقبة العظيمة لأمير المؤمنين علي ﷛ التي لم يشركه فيها أحد، فزوجه فاطمة سيدة نساء أهل الجنة، وابناه الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة.

''اس حدیث میں امیر المومنین سیدنا علی ﷛ کی ایک ایسی عظیم فضیلت ہے جس میں اُن کا کوئی بھی شریک نہیں، پس اُن کی اہلیہ فاطمہ خواتین جنت کی سیدہ ہیں اور اُن کے دو فرزند حسن اور حسین نوجوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں ﷡''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ۷۷، ۷۸)

أحب الأهل

وعن أسامة بن زيد أن رسول الله ﷺ قال: أحب أهلي إليَّ فاطمة.

[رواه أبو داود الطيالسي والطبراني فى الكبير والحاكم والترمذى].

بتول تمام اہل بیت سے زیادہ محبوب

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے تمام اہلِ بیت سے زیادہ محبوب فاطمہ ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداود الطیالسی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(مسند أبي داود الطيالسي ص٨٨ رقم٦٣٤ وطبعة أخرى ج١ ص٣٥٠ رقم٦٦٨، جامع الترمذي ص٨٦٥ رقم٣٨١٩، المعجم الكبير ج١ ص١١١ رقم٣٧٣، تحفة الأحوذي ج١٠ ص٢٩٩ رقم٣٨٢٨، الآحاد والمثاني ج٥ ص٣٥٩ رقم٢٩٥٠، المستدرك ج٢ ص٤١٦ و طبعة أخرى ج٣ ص١٩٢ رقم ٣٦١٥، الأحاديث المختارة ج٤ ص١٦٠، ١٦١ رقم ١٣٧٩، ١٣٨٠)

یہ حدیث کہیں مفصل ہے اور کہیں مختصر، جہاں مفصل ہے وہاں سیدنا علی و عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے سوال پر حضور ﷺ نے جواباً فرمایا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب فاطمہ بنت محمد ہے [علیهما الصلوة والسلام] پھر آگے ارشاد ہے کہ فاطمہ کے بعد اسامہ بن زید محبوب ہے اور اُن کے بعد علی بن ابی طالب ہے ؓ۔ یہ مفصل حدیث مذکورہ بالا کتب میں موجود ہے، اور جو مختصر ہے وہ سیدنا علی اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے سوال کے جواب میں نہیں بلکہ راویٔ حدیث حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوال کے جواب میں ہے۔ چنانچہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت اسامہ بن زید ؓ بیان کرتے ہیں:

> سألتُ رسولَ الله ﷺ اي أهل بيتک أحب إليک؟ قال: أحب أهلي إليّ فاطمة.

> ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: آپ کو آپ کے اہل بیت میں کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: مجھے میرے اہل بیت سے زیادہ محبوب فاطمہ ہے“۔

(المعجم الكبير ج٩ ص٣٦٤ رقم١٨٤٤٠، جمع الجوامع ج١ ص٩٩ رقم ٥٥٨، در السحابة

للشوكاني ص ٢٧٥، نزل الأبرار للبدخشاني ص ٨٤)

دوسرے صحابہ کرام ﷺ سے بھی اسی حقیقت کی تائید ملتی ہے۔ چنانچہ محدثین کرام نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے:

عن جُمَيْع بن عُمَير قال: دخلتُ مع أمي على عائشة وأنا غلام، فذكرت لها علياً ﷺ، فقالت: ما رأيتُ رجلاً أحبُّ إلى رسولِ اللّٰه ﷺ منه، ولا إمرأةً أحبُّ إلى رسولِ اللّٰه ﷺ من إمرأتِه.

"حضرت جمیع بن عمیر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی امی کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اس وقت میں بچہ تھا۔ میری والدہ نے ان کے سامنے حضرت علی ﷺ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے زیادہ کوئی شخص محبوب تھا اور نہ ہی ان کی اہلیہ سے زیادہ کوئی خاتون محبوبہ تھیں"۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص٤٤٨ رقم٨٤٤٢ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص١٣٩ رقم ٨٤٩٦، سنن الترمذي ص٨٧٤ رقم٣٨٧٤، المعجم الكبير ج٩ ص٣٦٥ رقم١٨٤٤٢، تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج٩ ص٨٧ رقم ٦٣٩٤ وص٨٨ رقم٦٣٩٥، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٣، ١٥٦ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص١٣٨ رقم٤٧٨٤ وص١٤٣ رقم٤٧٩٨، جامع الأصول ج ٦ ص٤٠٩ رقم٦٦٧١، تاريخ دمشق لابن عساكر ج٤٢ ص ٢٦٠، ٢٦١، ٢٦٢، مختصر تاريخ دمشق ج١٧ ص٣٦٥، ٣٦٦، مشكاة ج٢ ص٥١٤ رقم٦١٥٥، ذخائر العقبىٰ ص٤٨، الرياض النضرة ج٣ ص١٠٠، الصواعق المحرقة ص١٢١، در السحابة للشوكاني ص ٢٧٣)

اسی طرح حضرت بریدہ ﷺ سے بھی منقول ہے، اُن کے فرزند حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

جاء رجل إلى أبيَ فسأله: أي الناس كان أحب إلى رسول اللهﷺ؟

قال: مِنَ النساء فاطمة، ومِن الرجال علي رضي الله عنه.

''میرے والد سے کسی شخص نے آ کر دریافت کیا: تمام لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب کون تھا؟ انہوں نے فرمایا: خواتین میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے سیدنا علی ؓ''۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٤٩ رقم ٨٤٤٤ وطبعة أخرى ج٥ ص ١٤٠ رقم ٨٤٩٨، سنن الترمذي ص ٨٧٣ رقم ٣٨٦٨، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٤ وطبعة أخرى ج٤ ص ١٣٩ رقم ٤٧٨٨، المعجم الأوسط ج٨ ص ١٣٠ رقم ١٧٢٥٨، جامع الأصول ج٦ ص ٦١٠ رقم ٦٦٧٢، تاريخ دمشق لابن عساكر ج٤٢ ص ٢٦٠، مختصر تاريخ دمشق ج١٧ ص ٣٦٥، ذخائر العقبىٰ ص ٤٨، الثغور الباسمة للسيوطي ص ٢٦ رقم ٣٣ در السحابة للشوكاني ص ٢٧٤)

سیدنا فاروقِ اعظم ؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے، چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ سیدتنا فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا:

يا فاطمة والله ما رأيت أحداً أحب إلىٰ رسول الله ﷺ منكِ، والله ما كان أحدٌ من الناس بعد أبيك ﷺ أحب إليّ منكِ.

''اے فاطمہ! خدا کی قسم میں نے آپ سے بڑھ کر کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کا محبوب نہیں دیکھا اور اللہ کی قسم آپ کے بابا کے بعد مجھے آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں''۔

(المستدرك ج٣ ص ١٥٤ وطبعة أخرى ج٤ ص ١٣٩ رقم ٤٧٨٩، الاحاد والمثاني ج٥ ص ٣٦٠ رقم ٢٩٥٢، مسند فاطمة للسيوطي ص ٧٤ رقم ١٨٥، در السحابة للشوكاني ص ٢٧٩)

شهادة عائشة لها

وعن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: ما رأيت أفضل من فاطمة

غيرَ أبيها.

قالت۔ وكان بينهما شيء۔ يا رسول اللّٰه ، سَلها ، فإنها لا تكذب. رواه الطبراني في الأوسط وأبو يعلیٰ.

لكنها قالت: ما رأيت أحداً قطُّ أصدق من فاطمةَ. ورجاله رجال الصحيح .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُن کی شان میں شہادت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل اُن کے بابا کے علاوہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ اُن کے اور سیدہ کے درمیان کوئی بات تھی، تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: آپ فاطمہ سے پوچھ لیں بلاشبہ وہ جھوٹ نہیں بولتیں۔ اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں، لیکن اُس میں ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا: میں نے کسی کو فاطمہ سے زیادہ سچا نہیں دیکھا اور اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

(المعجم الأوسط ج٣ ص٣٤٩ رقم٢٧٤٢، مجمع البحرين في زوائد المعجمين ج٣ ص٤١٤ رقم٢٣٨٠، استجلاب ارتقاء الغرف ج١ ص٢٥١ رقم٤، در السحابة للشوكاني ص٢٧٧، مسند أبي يعلیٰ ج٤ ص١٩٢ رقم٤٦٨١ وطبعة أخریٰ ج٨ ص١٥٣ رقم٤٧٠٠ إتحاف الخيرة المهرة ج٧ ص٢٣٥ رقم٦٧٤٥)

حافظ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں''۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠١ رقم ١٥١٩٣)

شیخ خلیل احمد جمعہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اس سے ظاہر ہے کہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہما کے نزدیک

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں''۔

(نساء أهل البيت للدكتور خليل جمعة ص ٥٧٩)

سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت اور حق گوئی

نبی کریم ﷺ کے ارشاد، ام المومنین رضی اللہ عنہا کے جواب، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی تائید سے معلوم ہوا کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ کیا وجہ ہے کہ جب ایسی روایات بھی کتبِ حدیث میں موجود ہیں جن میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خواتین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوب تھیں اور مردوں میں اُن کے والد گرامی، پھر بھی وہ سائلین کو مذکورہ جواب دیتی رہیں، اور یہ کیوں نہیں فرماتی رہیں کہ میں اور میرے والد زیادہ محبوب تھے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعی ایسی احادیث موجود ہیں اور وہ ہیں بھی صحیح السند مگر امر واقع یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تو یقیناً سیدنا ابوبکر صدیق اور اُن کی لختِ جگر حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے لیکن بشمول سیدنا صدیق اور سیدہ صدیقہ تمام صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم سے زیادہ محبوب علی المرتضیٰ اور سیدۃ النساء تھے۔ ام المومنین کو معلوم تھا کہ وہ اور اُن کے والد معظّم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے محبوب ہیں مگر ساتھ ہی وہ اپنی ذہانت وفطانت سے جان چکی تھیں کہ اُن سے زیادہ محبوب کوئی اور جوڑا ہے۔ وہ جوڑا کونسا ہے؟ اس کی نشاندہی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اُس احتجاج سے ہوتی ہے جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل عنوان کے تحت یوں بیان کیا ہے:

منزلتها هي وزوجها عند الرسول ﷺ

وعن النعمان بن بشير: استأذن أبو بكر على المصطفیٰ، فسمع عائشةَ عالياً وهي تقول: والله لقد عرفتُ أن فاطمة وعليًا أَحَبُّ إليك منّي ومِن أبي مرتين أو ثلاثاً، فاستاذن أبو بكر فاهوى إليها، فقال: يا بنت

فلانٍ، ألا سمعتُكِ ترفعين صوتَكِ علىٰ رسول الله ﷺ.

[رواه الإمام أحمد ورجاله رجال الصحيح].

بارگاہِ نبوی میں سیدہ اور اُن کے سرتاج کا رتبہ

حضرت نعمان بن بشیر ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ نے مصطفیٰ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز سنی، وہ کہہ رہی تھیں: ''اللہ کی قسم یقیناً میں جانتی ہوں کہ حضرت علی ؓ آپ کو میرے والد سے اور مجھ سے زیادہ محبوب ہیں، یہ انہوں نے دو یا تین مرتبہ کہا۔ پھر حضرت ابوبکر ؓ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھے اور فرمایا: او فلاں کی بیٹی! کیا میں نہیں سن رہا کہ تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے آواز بلند کر رہی ہے؟

اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور ان کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

(مسند أحمد ج٤ ص ٢٧٥ وطبعة أخرىٰ ج٦ ص ٢٩٠ رقم ١٨٦١١، السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٤٨ رقم ٨٤٤١ وج٨ ص ٢٥٦ رقم ٩١١٠ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ١٣٩ رقم ٨٤٩٥ و ص ٣٦٥ رقم ٩١٥٥، تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج٩ ص ٨٩ رقم ٦٣٩٦، خصائص علي بتحقيق البلوشي ص ١٢٦ رقم ١١٠ وطبعة أخرىٰ بتحقيق الكاظم ١٥٤ رقم ١١٠ وطبعة أخرىٰ بتحقيق الحويني ص ١٠٦ رقم ١٠٧ وطبعة أخرى بتحقيق الشيخ علي أحمد عبد العال الطهطاوي ص ١٥٨ رقم ١١٠)

امام بزار نے بھی بعینہٖ اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت فرمائی ہے، ماسوا اس کے کہ اُن کی سند کے شروع میں ایک شخص محمد بن معمر کے نام کا اضافہ ہے۔

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج٨ ص ٢٢٣ رقم ٣٢٧٥، كشف الأستار عن زوائد البزار ج٣ ص ١٩٤، ١٩٥ رقم ٢٥٤٩)

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور ان کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں''۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۲۷ رقم ۱۴۷۳۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحیح رواه أبو داود مختصراً.

''یہ حدیث صحیح ہے اس کو امام ابوداود نے مختصراً روایت کیا ہے''۔

(مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج۲ ص ۳۱۶، ۳۱۷ رقم ۱۹۲۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(فتح الباري ج۷ ص ۳۷۷)

قاضی شوکانی نے بھی امام احمد کی سند کے تمام راویوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

(در السحابة للشوكاني ص ۲۷۸)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت وذہانت میں غور فرمائیے کہ جب اُن کے احتجاج پر نبی کریم ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی تو وہ سمجھ گئیں کہ واقعی اُن سے اور اُن کے والد گرامی رضی اللہ عنہما سے وہی جوڑا زیادہ محبوب ہے۔جس کو وہ زیادہ محبوب گمان فرماتی تھیں۔اس لیے کہ ام المومنین مقام نبوت سے آشنا تھیں کہ اللہ کا نبی کسی ناحق بات پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ ﷺ کتاب وسنت کے بحر الزخار میں غوطہ زن ہو کر جو مسائل وقواعد ہمارے فقہاء کرام ؒ نے بعد میں مستنبط فرمائے رمز شناس صحابہ کرام ؓ پر وہ از خود عیاں تھے۔فقہاء کرام نے ایک ضابطہ قائم فرمایا ہے، پہلے آپ اُسے پڑھیئے پھر سیدہ کی فقاہت میں غور فرمائیے۔ابوالوفاء قاضی ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وإقرار النبي ﷺ على القول والفعل يدلّ علىٰ جوازهما، لأنه بُعث مبيناً ومؤدياً ومعرِّفاً وجوه المصالح والمفاسد، فلايجوز عليه الإقرار علىٰ ماهو قبيح في الشرع.

''نبی ﷺ کا کسی کے قول وفعل کو مقرر رکھنا اُس قول وفعل کے جواز کی دلیل ہے، اس

لیے کہ حضور ﷺ کھول کھول کر بیان کرنے والے، درست کی تائید کرنے والے اور بھلائیوں اور برائیوں کی وجوہ کی پہچان کرانے والے بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، لہٰذا اُن پر یہ جائز نہیں کہ وہ اُس بات کو مقرر رکھیں جو شریعت میں ناجائز ہو"۔

(كتاب الجدل لابن عقيل حنبلي ص ٥)

چونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کسی نبی کی منصبی ذمہ داری کو خوب سمجھتی تھیں اس لیے انہوں نے امام الانبیاء ﷺ کی خاموشی سے یہ مسئلہ مستنبط فرمالیا تھا کہ تمام صحابہ واہل بیت میں حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب علی المرتضیٰ اور سیدۃ النساء رضی اللہ عنہما ہیں، اور پھر ہمیشہ کے لیے انہوں نے اس کو اپنا عقیدہ بنالیا تھا اور اسی کا اظہار فرماتی رہیں۔

بعض لوگوں کا اِس حدیث پر اضطراب

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اِس حدیث کو سب صحیح ماننے پر مجبور ہیں مگر بعض لوگوں کو اس پر خواہ مخواہ اضطراب لاحق ہوگیا۔ چنانچہ ابواسحاق الحوینی الاثری نے شروع میں لکھا:

إسناده صحيح ، على نكارة في جملة من متنه.

"اس کی سند صحیح ہے جبکہ اس کے ایک جملہ میں نکارت (اوپری بات) ہے"۔

اور آخر میں کہا:

ثم إن قول عائشة "لقد علمتُ أن علياً أحب إليک مني" هذه الجملة عندي منكرة، وسائر الروايات لم تذكر الأمر الذي جعل عائشة رضي الله عنها ترفع صوتها على النبي صلى الله عليه وآله وسلم. قال الحافظ الهيثمي في "المجمع" (٩ / ٢٠١، ٢٠٢) رواه أبو داود وأحمد، غير ذكر علي وفاطمة، ورجال أحمد رجال الصحيح.

"پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ" میں جانتی ہوں کہ آپ کو علی مجھ سے زیادہ محبوب ہیں" یہ جملہ میرے نزدیک اوپرا ہے، اور تمام روایات نے حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے نبی کریم ﷺ پر آواز بلند کرنے کے متعلق یہ بات ذکر نہیں کی، حافظ ھیثمی نے: (مجمع الزوائد جلد نہم صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲) میں کہا اس حدیث کو امام ابوداود اور امام احمد نے حضرت علی اور سیدہ فاطمہ کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے، اور امام احمد کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں"۔

(كتاب الحلي بتخريج خصائص علي ص ١٠٦)

اس عبارت میں ابواسحاق الحوینی نے حافظ ھیثمی کے الفاظ میں تحریف کی ہے، اور یہ بدترین خیانت ہے۔ حافظ ھیثمی کے الفاظ یہ ہیں:

قلت: رواه أبو داود غير ذكر علي وفاطمة، رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح.

"میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام ابوداود نے حضرت علی اور سیدہ فاطمہ کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے، (نیز) اس کو امام احمد نے روایت کیا اور ان کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں"۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص ٢٠١، ٢٠٢)

علامہ حوینی نے ایک اور زیادتی یہ کی ہے کہ انہوں نے بڑی بے باکی سے حافظ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جہالت منسوب کردی ہے، اس لیے کہ حافظ ھیثمی نے یہ حدیث سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل میں ذکر کی ہے، جس کا عنوان یہ ہے "**باب مناقب فاطمة بنت رسول الله ﷺ رضي الله عنها**" اگر اس حدیث میں ذکر علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما نہ ہوتا تو پھر اس باب میں اس حدیث کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟

علامہ ابواسحاق الحوینی اثری کی تیسری لغزش یہ ہے کہ ان کے سامنے فقط سنن ابی داود اور مسند احمد کا وہ مقام تھا جس کا انہوں نے حوالہ درج کیا، لیکن انہوں نے دعویٰ کردیا "**وسائر الروايات**" یعنی تمام روایات میں ذکر علی وفاطمہ نہیں ہے حالانکہ یہ حدیث "**السنن الكبرى للنسائي**" میں دو مقام پر ہے اور دونوں

مقامات پر یہ الفاظ موجود ہیں، نیز اس حدیث کو مذکورہ بالا تمام مشہور محدثین نے بھی انہیں الفاظ میں روایت کیا ہے بلکہ خود امام احمد کی مسند میں بھی انہی الفاظ میں یہ حدیث موجود ہے، ابو اسحاق الحوینی نے (مسند احمد ج۴ ص ۲۷۱، ۲۷۲) کا حوالہ تو دے دیا لیکن وہ ذرا آگے نہیں بڑھ سکے، اگر وہ تھوڑا سا آگے بڑھتے تو انہیں مسند احمد کی اسی جلد کے (صفحہ ۲۷۵) پر یہ حدیث مل جاتی اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ حافظ ھیثمی کا ان الفاظ میں یہ حدیث ذکر کرنا اور اسے مناقب وفضائل کے باب میں لانا انتہائی موزوں ہے۔

بعض بڑے لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ سیدنا ابوبکر اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبت والی حدیث قولی حدیث ہے اور سیدنا علی وسیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبت والی حدیث تقریری ہے، اور تقریری حدیث پر قولی حدیث کو ترجیح ہے۔ اس پر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قولی حدیث معلوم نہیں تھی؟ اور کیا نبی کریم ﷺ کا عمل آپ کے قول کے اس حد تک خلاف تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ظاہر ہو گیا حتی کہ وہ احتجاج کرنے پر آمادہ ہو گئیں؟

أيهما الأحب ؟ وأيهما الأعز؟

وعن ابن عباس، دخل رسول اللّٰه ﷺ على عَلِيّ وفاطمة وهما يضحكان، فلما رأياه سكتا، فقالا لهما النبي ﷺ: ما لكما كنتما تضحكان، فلما رأيتماني سَكَتُّما، فبادرت فاطمة فقالت: بأبي أنت يا رسول اللّٰه قال هذا ... قال: أنا أحبُّ إلى رسول اللّٰهِ مِنكِ ! فقلت: بل أنا أحَبُّ إليه مِنكَ، فتبسم رسول اللّٰه ﷺ وقال: يا بُنَيَّةُ، لَكِ رِقَّةُ الولد، وعلي أعزُّ عليَّ منكَ.

[رواه الطبراني بإسناد صحيح].

زیادہ محبوب کون اور زیادہ معزز کون؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدنا علی مرتضی اور

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت وہ دونوں ہنس رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا: کیا ہوا کہ تم ہنس رہے تھے لیکن مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئے؟ اس پر سیدہ فوراً گویا ہوئیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کہتے ہیں کہ میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہوں اور میں کہتی ہوں کہ میں آپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: پیاری بیٹی! تمہارے لیے اولاد کی رقت (نرمی، دل کا پسیجنا) ہے اور میرے نزدیک علی تم سے زیادہ معزز ہیں۔

اس کو امام طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٥ ص٢٦٤ رقم ١٠٩٠٠، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٢ رقم ١٥١٩٥، سبل الهدى ج١١ ص٤٤، در السحابة للشوكاني ص٢٧٨ مناقب علي والحسنين للدكتور عبد المعطي قلعجي ص٢٤٤)

أَحَبُّ اور أَعَزُّ میں معنوی فرق

امام کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ نے "أَحَبُّ" اور "أَعَزُّ" کے فرق میں دلچسپ بات بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

المحبة صفة المحب تنشأ من المحب للمحبوب، والعز صفة العزيز يبدو فيه علىٰ من يعز عليه.

"محبت محب کی صفت ہے جو محبّ کے دل میں محبوب کے لیے اٹھتی ہے، اور عزت معزز کی صفت ہے جو عزت کرنے والے میں معزز شخص کے لیے پیدا ہوتی ہے"۔

(بحر الفوائد المشهور بمعاني الأخبار ج١ ص٤٥٥)

اس سے آگے جو انہوں نے تفصیل فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے دل میں کسی دوسرے کی عزت کے پیدا ہونے میں اُس کے کارناموں، خوبیوں اور قربانیوں کو دخل ہوتا ہے جبکہ محبوب کے لیے جو محبت ہوتی ہے اُس کا آغاز محبّ سے ہی ہوتا ہے، خواہ اس کا سبب کسی بھی لحاظ سے محبوب کے حال پر شفقت

وکرم ہو یا رقت قلبی ہو۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے رقت قلبی کو اس کا سبب قرار دیا ہے، تاہم بعد میں اس رقت قلبی کے ساتھ سیدہ کے دوسرے اوصاف بھی اس میں شامل ہو گئے تھے، جیسا کہ آئندہ سطور میں ایک حدیث چھوڑ کر بعد والی حدیث میں سیدہ کی ایسی غیر معمولی ذہانت کا تذکرہ آ رہا ہے۔ جس پر خود زبانِ نبوی ﷺ پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ آخر وہ ہمارے ہی جگر کا ٹکڑا ہے!

نجاتها هي وولدها :

وعن ابن عباس أنه ﷺ قال لفاطمة :إن الله غير معذبك ولا وَلَدِك بالنَّار.

[رواه الطبراني]

سیدہ اور اُن کی اولاد کی نجات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ سے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو آگ کا عذاب دینے والا نہیں۔

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٥ ص٣٦٤ رقم١١٥١٩ ،مسند فاطمة للسيوطي ص٥٨ رقم١١٧ ،إحياء الميت بفضائل أهل البيت ص٣١ رقم٣٩ ،نزل الأبرار للبدخشاني ص٨٥)

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اُن کے راوی ثقہ (معتبر) ہیں۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٢ وطبعة أخرى ج٩ ص٣٢٦ رقم١٥١٩٨)

نوٹ :

اس حدیث میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے "بالنار" کا لفظ زائد لکھا گیا ہے "المعجم الكبير"

میں یہ لفظ نہیں ہے، اگرچہ معنوی طور پر اس حدیث کے الفاظ اس اضافہ کے متحمل ہیں۔

فائدہ

تیسرے باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے [۴۹] احادیث فضائلِ فاطمہ کے عنوان سے درج فرمائی ہیں، اور اُس باب کی ساتویں اور آٹھویں حدیث میں اسی بات کو پھر دہرایا گیا ہے، لہٰذا اس پر وہیں تشریحی گفتگو ہوگی۔

سیدہ کی ذہانت وفہم

وعن علي أنه كان عندرسول الله ﷺ فقال: أيُّ شيء خيرللمرأة ؟ فسكتوا، فلمارجع، قال لفاطمة: أي شيء خيرللنساء؟ قالت: لا يراهُنَّ الرِّجال. فذكر ذلك للمصطفىٰ فقال: إنمافاطمةُ بضعةٌ مِنّي.

[رواه البزار]

سیدنا علی المرتضی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ نے پوچھا: عورت کے لیے کونسی چیز زیادہ بہتر ہے؟ اس پر صحابہ کرام ﷺ خاموش رہے۔ جب میں گھر لوٹا تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بتاؤ عورت کے لیے کونسی چیز زیادہ بہتر ہے؟ انہوں نے جواب دیا عورت کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اُسے غیر مرد نہ دیکھے۔ پھر میں نے اِس جواب کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: بیشک فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔

(اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے)۔

(البحر الزخّار المعروف بمسند البزار ج۲ ص۱۵۹، ۱۶۰ رقم ۵۲۶، حلية الأولياء ج۲ ص ۵۰، ۵۱، إحياء علوم الدين ج۲ ص ۴۵، المغني عن حمل الأسفار على هامش إحياء ج۲ ص ۴۵، أحكام النساء لابن الجوزي ص ۷۶، كشف الأستار ج۳ ص ۲۳۵ رقم ۲۶۵۳، مجمع الزوائد

ج٤ ص٤٥٥ رقم٧٣٢٨ وج٩ص٢٠٣ رقم١٥٢٠٠، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج٢ص ٣٤٤ رقم١٩٩٠، جمع الجوامع للسيوطي ج١٣ص٨٥ رقم٥٨٣٨، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج٢ص٣٤٤ رقم١٩٩٠، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص١٠١ رقم٢٧٦، ٢٧٧، سبل الهدى ج١١ص٤٥)

وفيه دليل على فَرط ذكائها، وكمال فِطنتها، وقُوة فهمها، وعجيب إدراكها.

اس حدیث میں سیدہ کی وافر ذکاوت، دانائی کے کمال اور قوت فہم کی دلیل اور حقیقت تک پہنچنے کے عجیب ادراک کا ذکر ہے۔

اسی لیے توام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھتی تھیں، اور کیوں نہ سمجھتیں جبکہ سیدہ کائنات کی شکل وصورت ہی نہیں بلکہ اُن کی تمام حرکات وسکنات یعنی کامل ومکمل سیرت بھی معلّمِ کائنات اور امام الانبیاء ﷺ کے مطابق تھی۔ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث پاک کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اُس میں صورتی، سیرتی اور عقلی تمام خوبیوں کا ذکر ہے۔ مکمل حدیث پیش خدمت ہے، ایک ایک لفظ کو بغور ملاحظہ فرمایئے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

ما رأيت أحداً أشبهَ سمتاً ودلّاً وهدياً برسول الله ﷺ في قيامها وقعودها من فاطمة بنتِ رسول الله ﷺ قالت: وكانت إذا دخلت على النبي ﷺ قام إليها فقبّلها وأجلسها في مجلسه، وكان النبي ﷺ إذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبّلَتْه وأجْلَسَتْه في مجلسها، فلما مرض النبي ﷺ دخلت فاطمةُ فأكبت عليه فقبّلَتْهُ ثم رفعتْ رأسها فبكت، ثم أكبتْ عليه ثم رفعت رأسها فضحكت، فقلتُ: إن كنتُ لأظن أن هذه من

أعقل نسائنا، فإذا هي من النساء، فلما توفي النبي ﷺ قلتُ لها: أرأيتِ حين أكببت على النبي ﷺ، فرفعتِ رأسكِ فبكيتِ، ثم أكببتِ عليه فرفعتِ رأسكِ فضحكتِ، ماحملك على ذلك؟ قالت: إني إذن لبذرة، أخبرني أنه ميتٌ من وجعه هذا، فبكيتُ ثم أخبرني أني أسرع أهله لحوقاً به.

''میں نے کسی کو راہِ راست پر قائم ہونے کے لحاظ سے، ہیئت وحالت اور سیرت کے لحاظ سے اُٹھتے بیٹھتے سیدہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ فرمایا: جب بھی وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، پھر اُنہیں بوسہ دیتے اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب حضور ﷺ اُن کے ہاں تشریف لاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں پھر آپ کو چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ پھر جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو سیدہ فاطمہ حاضر ہوئیں پھر حضور ﷺ پر گر پڑیں، پھر انہیں چومنے لگیں، پھر اپنا سر اٹھایا تو رو پڑیں، پھر حضور ﷺ پر جھک گئیں پھر سر اُٹھا کر رونے لگیں تو میں نے کہا: میں تو انہیں اپنی تمام خواتین سے زیادہ عقل مند سمجھتی تھی، اب معلوم ہوا کہ یہ تو عام عورتوں کی طرح ہیں۔ پھر جب نبی کریم وصال فرما گئے تو میں نے ان سے دریافت کیا: جب آپ نبی کریم ﷺ پر جھک گئی تھیں پھر سر اٹھا کر رو پڑی تھیں، پھر اُن پر جھک گئی تھیں پھر سر اٹھا کر ہنس پڑی تھیں تو آپ نے کیا دیکھا تھا، آپ کو رونے اور ہنسنے پر کس بات نے آمادہ کیا تھا؟ فرمایا: ہاں اب میں اُس راز سے پردہ اٹھاتی ہوں: حضور ﷺ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس بیماری میں وصال فرمانے والے ہیں تو میں رو پڑی تھی، پھر خبر دی تھی کہ اُن کے اہل بیت میں سے میں جلد اُن سے ملنے والی ہوں تو اُس وقت میں ہنس پڑی تھی''۔

(سنن الترمذي ص ٨٧٤ رقم ٣٨٧٢، السنن الكبریٰ للنسائي ج٧ ص ٣٩٣ رقم ٨٣١١، مناقب علي والحسنین ص ١٨٩)

بعض احادیث میں الفاظ ہیں:

إن كنت لأرى أن لهذه المرأة فضلاً على النساء، فإذا هي من النساء.

"میں سمجھتی تھی کہ اس خاتون کو دوسری خواتین پر فضیلت حاصل ہے، اب سمجھی کہ یہ تو عام عورتوں کی طرح ہے"۔

صحیح ابن حبان ج٩ ص٥٢، ٥٣ رقم ٦٩١٤ وطبعة محققة ج١٥ ص٤٠٣ رقم ٦٩٥٣، الأدب المفرد ج٢ ص ٥١٩ رقم ٩٤٧ وص ٤٥٠ رقم ٩٧١، سبل الهدی ج١١ ص ٤٦)

حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے سیدۂ کائنات علیہا السلام کے متعلق جو سوچ بنا رکھی تھی وہ سو فیصد درست ثابت ہوئی، واقعی سیدتنا فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا دنیا کی تمام خواتین سے زیادہ عقل مند اور سب سے افضل تھیں۔

موقع کی مناسبت سے الفاظ کے مفہوم میں فرق

خیال رہے کہ "فاطمةُ بضعةٌ مِنّي" (فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے) کے الفاظ اُس وقت بھی زبان نبوی ﷺ پر آئے تھے جب سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے نکاح میں کسی دوسری عورت کے آنے کا تذکرہ ہوا تھا تو حضور ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا تھا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، جس نے اس کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔ وہاں قلبی، جگری اور حسی مفہوم زیادہ مد نظر تھا، اور یہاں عقلی، فکری اور معنوی مفہوم زیادہ مد نظر ہے۔ کسی بھی معاشرہ میں جب بھی کسی سے کوئی اچھا کارنامہ صادر ہو تو فوراً بعض زبانوں پر یہ الفاظ آ ہی جاتے ہیں کہ "آخر یہ کس باپ کا بیٹا ہے" یہاں بعض زبانوں پر نہیں بلکہ زبان نبوی ﷺ پر یہ جملہ آ گیا "إنما فاطمةُ بضعةٌ مِنّي" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آخر فاطمہ بیٹی کس عقل مند کی ہے!۔

الباب الثاني
زواج الطاهرة

تزويجهابعلي

لـمـاشبّت فاطمةُ وترعرعت،وبلغت من العمر خمسَ عشرَة سنة ، وقيـل:ست عشرة سنة، وقيل : ثماني عشرة سنة ، وقيل إحدى وعشرين ، تزوجها علي وعمره نحو إحدى وعشرين سنة وقيل :غير ذلك في رمضان من السنة الثانية من الهجرة .

قال الليث :بعد وقعة بدر.

وقيل:في رجب منها ،وقيل:في صفر.

وقيـل :بعد وقعة أحد، وبنى بهابعدالعقد بنحوأربعة أشهر، وقيل ستة أشهر، ولم يتزوج قبلهاولا عليها .

قـال الـليـث:فـولـدت لـه حسَـناً وحُسيناً ومُحسِناً مات صغيراً ،وأمَّ كُـلثُـومٍ الـكبرىٰ الـتـي تـزوجـهـا عُـمـر،فـولـدت لـه زيداً ورُقَيَّة ،ولـم يُعقِبا وتزوجت بعد عمر،عوف بن جعفر ثم بأخيه محمد ،ثم بأخيهما عبد الله ، ولـم تلد إلا للثاني فولدت له ابنة صغيرة .

دوسرا باب

سیدہ کی شادی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح

جب سیدہ فاطمہ جوان اور گبھرو ہوئیں اور عمر کے پندرھویں سال اور ایک قول کے مطابق سولہویں اور کہا گیا ہے کہ اٹھارویں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں برس کو پہنچیں تو اُن کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس برس تھی، اور اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں، یہ شادی ۲ھ رمضان المبارک میں ہوئی۔

لیث کہتے ہیں:

سیدہ کی اولاد میں حسن، حسین اور محسن پیدا ہوئے اور یہ بچپن میں وصال فرما گئے، اور ایک بچی ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں جن کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شادی کی تھی، اُن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئیں لیکن اُن کی آگے نسل نہیں چلی۔ حضرت عمر کے بعد عوف بن جعفر نے شادی کی، اُس کے بعد اُس کے بھائی محمد نے کی، پھر اُن دونوں کے بعد اُن کے بھائی عبداللہ نے اُن کے ساتھ شادی کی اور اولاد فقط دوسرے سے ہوئی کہ ایک بچی پیدا ہوئی تھی۔

سیدہ ام کلثوم بنت علی و بنت فاطمہ علیہم السلام کی اولاد

سیدہ ام کلثوم بنت علی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح کے بارے میں انتہائی حیران کن، مضحکہ خیز بلکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کے منافی روایات ہیں، اور ایسی ہی روایات کی رو سے کہا جاتا ہے کہ اُن سے دو بچے پیدا ہوئے تھے: زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر رضی اللہ عنہ، تاہم اُن سے نسل نہیں چلی۔ پھر سیدہ ام کلثوم کا نکاح یکے بعد دیگرے جن تین بھائیوں کے ساتھ ہوا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان میں سے دوسرے (محمد بن جعفر) سے اولاد ہوئی تھی، لیکن دوسرے مصنفین کی تحقیق کے مطابق یہ بات درست

نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولم تلد لأحد منهم.

ان میں سے کسی سے اولاد نہیں ہوئی“۔

(الإصابة ج٨ ص ٤٦٥)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولم تلد لأحد من الثلاثة شيئاً.

”اُن کی ان تینوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی“۔

(الحاوي للفتاوي ص ٤٣٧)

سیدہ زینب بنت علی و بنت فاطمہ علیہم السلام کی اولاد

متن میں یہ بات آچکی ہے کہ سیدۂ کائنات علیہا السلام کے پانچ بچوں میں سے حضرت سیدنا محسن رضی اللہ عنہ بچپن میں وصال فرما گئے تھے۔ باقی رہے دو بچے اور دو بچیاں، بچیوں میں سے سیدہ ام کلثوم علیہا السلام کی اولاد آگے نہیں چلی البتہ سیدہ زینب کبریٰ بنت فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کا سلسلہ بڑی برکت کے ساتھ آگے چلا۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وولدت فاطمة الزهراء أيضاً (زينب الكبرىٰ) تزوجها عبدالله ابن جعفر، فولدت له عدة أولاد، ولها العقب، فعقب أبي جعفر انتشر من علي، وأم كلثوم وزينب ابنتي فاطمة.

نیز سیدتنا فاطمۃ الزہراء سے سیدہ زینب کبریٰ بھی پیدا ہوئیں، جن کے ساتھ عبداللہ بن جعفر نے نکاح کیا تو اُن سے اولاد ہوئی اور آگے چلی۔ پس ابو جعفر (عبداللہ بن جعفر) کی نسل علی، ام کلثوم اور زینب فاطمہ کی بیٹیوں سے چلی۔

متن میں تضاد

یہاں متن میں کچھ تضاد سا آ گیا ہے، وہ یہ کہ اوپر یہ بات مذکور ہے کہ سیدتنا ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کیساتھ یکے بعد دیگرے عوف بن جعفر، پھر محمد بن جعفر، پھر عبداللہ بن جعفر کی شادی ہوئی تھی اور دوسرے یعنی محمد بن جعفر سے ایک بچی ہوئی تھی، اور یہاں مرقوم ہے کہ "فعقب أبي جعفر انتشر من علي، وأم كلثوم وزينب ابنتي فاطمة" (پس ابو جعفر کی نسل علی، ام کلثوم اور زینب فاطمہ کی بیٹیوں سے چلی) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ کی نسل ابو جعفر عبداللہ بن جعفر سے چلی، جبکہ اوپر ہے کہ سیدہ ام کلثوم کی ایک بچی فقط محمد بن جعفر سے ہوئی تھی، لہٰذا یہ واضح تضاد ہے، محض تضاد ہی نہیں بلکہ نادرست بھی ہے۔ اس لیے کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ان تینوں بچوں سے سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی جیسا کہ ہم اس سے قبل لکھ چکے ہیں۔

ابو جعفر یعنی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہراء علیہما السلام سے تو ہوئی تھی لیکن اُن کی بہن سیدہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن سے نہیں ہوئی تھی۔ یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تو سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہراء تھیں پھر اُن کی بہن ام کلثوم اُن کے نکاح میں کیسے آ گئیں؟ تو جواباً عرض ہے کہ سیدہ زینب کو طلاق ہوئی تھی تو سیدہ ام کلثوم عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں آئی تھیں۔ چنانچہ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:

ثم خلف عليها بعد عمر رضي الله عنه عون بن جعفر بن أبي طالب، ثم خلف عليها بعده محمد بن جعفر بن أبي طالب، ثم خلف عليها بعده عبدالله بن جعفر بن أبي طالب، بعد طلاقه لأختها زينب.

"پھر اُن کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عون بن جعفر بن ابو طالب کا نکاح ہوا، پھر اُن کے بعد محمد بن جعفر بن ابو طالب کا نکاح ہوا، پھر اُن کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب نے اُن کی بہن زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے بعد نکاح کیا"۔

(جمهرة أنساب العرب ص ٣٨)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت مصطفیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے پانچ بچوں میں سے چار [حسن، حسین، زینب، ام کلثوم] زندہ رہے، اُن کی شادیاں ہوئیں اور اُن کی اولاد بھی ہوئی مگر ان میں سے سیدہ ام کلثوم کی نسل آگے نہیں چلی اور باقی تین حسن، حسین اور زینب رضی اللہ عنہم کی نسل آگے چلی اور وہ تا حال موجود ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ عنہما کا تعارف

یہ وہی زینب کبریٰ ہیں جو میدان کربلا میں اپنے بھائی سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھیں اور جنہوں نے دربارِ یزید میں ولولہ انگیز گفتگو فرمائی تھی۔ امام اہل سنت، امام المفسرین والمحدثین والمؤرخین امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، امام ابن اثیر الجزری، امام ابن عساکر اور دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں:

''سیدہ فاطمہ بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما بیان فرماتی ہیں کہ جب ہم دربارِ یزید میں اُس کے سامنے بیٹھے تو ایک سرخ رنگ کے شامی شخص نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عطا کیجئے، اُس کی مراد ''میں'' تھی اور میں ایک چمکدار لڑکی تھی۔ اس بات پر میں خوفزدہ ہوگئی اور کانپنے لگی اور گمان کرنے لگی کہ شاید یہ بات ان کے نزدیک جائز ہوگی، اور میں اپنی بہن زینب کے کپڑوں سے لپٹ گئی، اور میری بہن زینب مجھ سے بڑی تھیں اور بہت عقل مند تھیں، وہ جانتی تھیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا، لہٰذا انہوں نے اُس شخص کو فرمایا: تم نے بکواس کی اور کمینگی کا مظاہرہ کیا، یہ نہ تیرے لیے جائز ہے اور نہ اِس (یزید) کے لیے۔ اس پر یزید غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا: خدا کی قسم تو نے جھوٹ بولا ہے، اگر میں یہ کام کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ سیدہ زینب نے جرأت واستقامت کے ساتھ فرمایا: ''كَلَّا يَا يَزِيدُ'' (او یزید یہ ہرگز نہیں ہو سکتا) اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اختیار نہیں دیا مگر یہ کہ تم ہمارے دین سے نکل جاؤ اور کوئی دوسرا دین اپنا لو۔ اس پر یزید اور زیادہ غضبناک ہوا اور قریب تھا کہ غصہ سے پھٹ جاتا، پھر کہنے لگا: تم اس انداز سے میرا سامنا کر رہی ہو؟ دین سے تو تمہارا باپ اور تمہارا بھائی نکل چکے ہیں۔ اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے مزید یقین اور قلبی قوت کے ساتھ فرمایا:

اللہ کے دین، میرے بابا کے دین، میرے بھائی کے دین اور میرے نانا کے دین سے
تجھے، تیرے باپ اور تیرے دادا کو راہ ملی۔اس پر یزید پہلے سے کچھ کم غصہ کے ساتھ
بولا: اے خدا کی دشمن! تو جھوٹ بولتی ہے۔اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

أنت أمير مسلّط ،تشتم ظالماً وتقهر بسلطانک.

''تو ایک مسلط امیر ہے، ظالمانہ انداز میں بڑبڑاتا ہے اور اقتدار کی دھونس جماتا ہے''۔
اس پر یزید شرما گیا اور چپ سادھ گیا''۔

(تاريخ الطبري ج٣ ص٣٣٩ ،الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري طبعة قديمة ج٤ ص ٨٤ وطبعة مجلد واحد ص ٥٢٢ ،مختصر تاريخ دمشق ج١٠ ص١٧٧ ،البداية والنهاية ج٨ ص ٢٧٣ ،تهذيب التهذيب ج٢ ص ٣٢٣)

سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ زینب کے جس شوہر عبداللہ کا ذکر کیا ہے وہ سیدنا علی المرتضی کے بھتیجے اور سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، ان کی کنیت ابو محمد اور ابو جعفر ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ان سے جو نسل چلی وہ جعفری کہلائی، یہ نسبت اُن کی کنیت سے بھی مناسبت رکھتی ہے اور اُن کے والد گرامی سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام سے بھی۔ یہ اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب ان کے والدین (سیدنا جعفر طیار اور اسماء بنت عمیس) رضی اللہ عنہما مہاجر کی حیثیت سے حبشہ میں تھے،اور یہ وہاں پر مسلمانوں کے پہلے بچے تھے۔وصالِ نبوی کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے سر پر دستِ اقدس پھیرتے ہوئے فرمایا:

اللهم اخلف جعفراً في ولده.

''یا اللہ! جعفر (کے نام) کو اُس کی اولاد میں باقی رکھ''۔

یہ اپنے والد کی طرح انتہائی جواد تھے،اسی لیے ان کو جواد ابن الجواد کہا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی تھی،اور فرمایا تھا یہ صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

كان يقال له قطب السخاء.

''انہیں سخاوت کا قطب کہا جاتا تھا''۔

(الاصابة ملتقطاً ج ٤ ص ٣٥، ٣٦، ٣٧)

ان کے جود وعطا کے واقعات انتہائی حیران کن اور مشہور ہیں، ایک آدھ واقعہ بنو ھاشم کے جود وعطا کے اظہار کے لیے پیش خدمت ہے۔ امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مروان بن حکم کے پاس آکر سوال کیا تو اس نے کہا: ہمارے پاس کچھ نہیں لیکن تم عبداللہ بن جعفر کے پاس چلے جاؤ، اُس نے سیدنا ابو جعفر عبداللہ کے ہاں آکر یہ اشعار پڑھے:

أبا جعفر من أهل بيت نبوة — صلاتهم للمسلمين طهورُ

ابو جعفر اُن اہل بیت نبوت سے ہے، جن پر درود مسلمانوں کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے،

أبا جعفر ضن الأمير بماله — وأنت علىٰ ما في يديك أميرُ

ابو جعفر! امیر [مروان] اپنے مال میں بخیل ہو گیا اور آپ اپنی ملکیت کے امیر ہیں،

أبا جعفر يا ابن الشهيد الذي له — جناحان في أعلىٰ الجنان يطيرُ

ابو جعفر! اے اُس شہید کے فرزند جو اپنے پروں کے ساتھ اعلیٰ جنت میں محو پرواز ہے،

أبا جعفر ما مثلك اليوم أرتجي — فلا تتركني بالفلاة أدورُ

اے ابو جعفر آج آپ کی مانند کوئی نہیں جس سے امید رکھوں، لہٰذا مجھے بیابان میں ٹھوکریں کھاتا مت چھوڑیں۔

اس پر انہوں نے فرمایا: اے اعرابی! بوجھ ہلکا ہو گیا تم یہ اونٹ مع ساز وسامان لیجاؤ، اور سنو! اِس تلوار کو عام مت سمجھنا میں نے اس کو ہزار دینار میں خریدا تھا''۔

۲۔ اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے کہ ایک اور شاعر نے آکر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ اشعار پڑھے:

رأيتُ أبا جعفر في المنام كساني من الخزِّ دُرَّاعةً

''میں نے خواب میں ابو جعفر کو دیکھا کہ انہوں نے مجھے "خزّ" اون اور ریشم سے مکس ایک جبہ پہنایا ہے،

شکوتُ إلیٰ صاحبي أمرها فقال ستوتیٰ بها الساعةُ

میں نے اپنے ساتھی کو یہ معاملہ بتایا تو اُس نے کہا: تجھے عنقریب پہنایا جائے گا،

سیکسو کها الماجد الجعفري ومن کفه الدهر نفاعةُ

عنقریب وہ جعفری سخی یہ جبہ پہنائے گا جس کے سخی ہاتھ نے زمانہ کو فائدہ پہنچایا ہے،

ومن قال للجود لا تعدني فقال له السمع والطاعةُ

وہ جس نے سخاوت سے کہا: مجھے وعدہ پر نہ رکھ، تو سخاوت نے کہا: آمَنَّا وَصَدَّقْنَا''۔

اس پر حضرت عبد اللہ ﷺ نے اپنے غلام کو فرمایا: اس کو میرا "خزّ" کا جبہ پیش کیجئے! پھر اُس سائل کو فرمایا: خدا تیرا بھلا کرے تو نے اپنے خواب میں میرا منقش جبہ کیوں نہیں دیکھا، جس کو میں نے تین سو دینار میں خریدا ہے اور وہ زرّیں دھاگوں سے بنا ہوا ہے؟ اُس نے کہا: شاید اب جب سوؤں گا تو دیکھ لوں گا۔ اس پر حضرت عبد اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: وہ بھی اس کو دے دو''۔

(سیر أعلام النبلاء للذهبي ٥٢٧، ٥٢٨)

ان کے دو فرزند حضرت محمد اور عون ﷺ سید الشہداء امام عالی مقام ؑ پر جان نچھاور کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب اُن کی شہادت کی خبر مدینہ مقدسہ میں اُن کے ہاں پہنچی تو لوگ تعزیت کے لیے آنے لگے، اس موقعہ پر اُن کے ایک غلام نے کہا: یہ سب حسین کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی سیدنا عبد اللہ بن جعفر ﷺ نے جوتا اتار لیا اور اُس غلام کی مرمت کی اور فرمایا: اوئے بدبودار ماں کا بچہ! تو حسین کے بارے میں یہ کہتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر میں اُن کے ساتھ ہوتا تو میں انہیں چھوڑنا پسند نہ کرتا بلکہ اُن کے ساتھ قتل ہونے کو ترجیح دیتا۔ اللہ کی قسم! میں اُنہیں قربان پا کر اپنی سخاوت محسوس کر رہا ہوں، اُن کے قربان ہو

جانے کی بدولت مجھ پر مصیبت آسان ہوگئی، وہ میرے بھائی اور میرے چچازاد کے ساتھ اُس کی حمایت میں ثابت قدمی دکھاتے ہوئے جان قربان کر گئے۔ پھر فرمایا: اگر میرے ہاتھ امام حسین ﷺ کی حمایت میں شریک نہیں ہوسکے تو میرے دو بیٹے تو اُن کا ہاتھ بٹا گئے"۔

(الكامل لابن أثير الجزري ج ٤ ص ٨٩ وطبعة أخرىٰ مجلد واحد ٥٢٣)

سیدہ زینب بنت فاطمہ اور حسنین کریمین کی اولاد کا شرف

جس طرح حسنین کریمین سیدہ فاطمہ کے لختِ جگر اور خونِ نبوی ہیں اسی طرح سیدہ زینب بھی سیدہ فاطمہ کی لختِ جگر اور خونِ نبوی ہیں، لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اِن تینوں کی اولاد کا رتبہ برابر ہونا چاہیے اور تینوں کی اولاد کو ذریتِ مصطفیٰ ﷺ تسلیم کرنا چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ قیاس صحیح ہے یا غیر صحیح؟ قبل اس کے کہ ہم اس کی تفصیل میں جائیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ پڑھ لیجیے:

ويقال لكل من ينسب إلى هؤلاء جعفريّ، ولا ريب أن لهم شرفاً لكنهم لا يحاذون شرف المنسوبين للحسنين، ولهذا ترضى العباسيون بالشرف مع أن الأشرفيّة المطلقة لعقب الحسنين فقط لاختصاص ذريتهما بشرف النسبة.

پس ابو جعفر کی اولاد میں یہ سب جو اُن سے منسوب ہیں جعفری کہلاتے ہیں، اور کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اُن کا ایک شرف ہے لیکن یہ لوگ حسنی اور حسینی نسبت والوں کے برابر نہیں، یہی وجہ ہے کہ عباسی حضرات (مقید) شرف پر راضی ہیں جبکہ شرفِ مطلق فقط حسنین کریمین کی اولاد کو حاصل ہے، اس لیے کہ ان دونوں کی ذریت نسبِ خاص سے متصف ہے۔

اس عبارت میں دو باتیں زیادہ توجہ طلب ہیں:

ا۔ ایک یہ کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عباسیوں اور جعفریوں کے شرف کا ذکر کیا ہے لیکن اُن کے شرف

پر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ذریت کے شرف کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ بتائی ہے "لاختصاص ذریتهما بشرف النسبة" (اُن کی ذریت کا شرفِ نسب سے مختص ہونا)۔

۲۔ دوم یہ کہ ذکر تو چل رہا تھا سیدہ زینب بنت علی و فاطمہ علیہم السلام سے ہونے والی اولاد کا لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ یکدم اُن کی اولاد کی نسبت اُن کے شوہر سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے ہوئے اس بحث سے نکل گئے یا پھر انہیں خارج از بحث کر گئے۔ کیوں؟

اِس "کیوں" کا جواب یہ ہے کہ سلسلۂ نسب کا تعلق بچی کی اولاد سے نہیں بلکہ بچے کی اولاد سے ہوتا ہے اور سیدتنا زینب کبریٰ سیدتنا فاطمہ بنت مصطفیٰ علیہم السلام کی بچی ہیں جبکہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اُن کے بچے ہیں، لہٰذا ان دونوں کی اولاد کو جو نسبی تعلق حاصل ہے وہ سیدہ زینب کی اولاد کو نہیں۔

اِس پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسنین کریمین بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے کی اولاد نہیں بلکہ اُن کی بچی کی اولاد ہیں تو پھر اُن کی اولاد کیونکر نسبِ خاص سے متصف ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختصاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے، اور یہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء کی اُناث اولاد کی اولاد کو نہیں بلکہ اُن کی فقط ذکور اولاد کی اولاد کو حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ذریتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف تو سیدہ فاطمۃ الزہراء کی تمام ذکور و اُناث اولاد کو مکمل حاصل ہے مگر آگے یہ شرف اُن کے بچوں کی اولاد کو تو حاصل ہے مگر اُن کی بچیوں کی اولاد کو مکمل حاصل نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر "العجاجة الزرنبية في السلالة الزينبية" کے نام سے ایک مستقل رسالہ ہے، جو اُن کی مشہور کتاب "الحاوي للفتاوي" میں موجود ہے، اُس میں انہوں نے تحقیقی گفتگو فرمائی ہے، اُس کی افادیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ پورے رسالہ کا ترجمہ کر دیا جائے مگر وقت کی قلت اس بات کی اجازت نہیں دیتی، لہٰذا بعض اہم جملے پیشِ خدمت ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ اُن کی بیٹیوں کی اولاد کی نسبت اُن کی طرف کی جاتی ہے، اور یہ خصوصیت انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیوں کی اولاد کے لیے ذکر نہیں فرمائی، لہٰذا یہ خصوصیت فقط پہلے طبقہ کے

لیے ہے۔ پس سیدہ فاطمۃ الزہراء کے چاروں بچے (حسن، حسین، زینب اور ام کلثوم) حضور ﷺ کی طرف منسوب ہے اور حسنین کریمین کی اولاد اُن دونوں کی طرف بھی منسوب ہے اور حضور ﷺ کی طرف بھی، اور سیدہ زینب اور ام کلثوم کی اولاد اُن کے باپوں حضرت عمر اور عبداللہ بن جعفر ﷺ کی طرف منسوب ہے نہ کہ اُن کی ماؤں کی وساطت سے اُن کے ابا ﷺ کی طرف، اس لیے کہ وہ نواسیوں کی اولاد ہے بیٹیوں کی نہیں۔ پس نواسیوں کی اولاد میں وہی شرعی قاعدہ جاری ہوگا کہ بچے کا نسب اُس کے باپ سے ہوتا ہے نہ کہ اُس کی ماں سے، اور اس قاعدہ سے فقط سیدہ فاطمہ کی اولاد خصوصی طور پر مستثنیٰ ہے، اُس حدیث کی رو سے جو اُن کے حق میں وارد ہوئی اور وہ فقط ذریتِ حسنین کریمین ﷺ تک محدود ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ "المستدرک" میں حضرت جابر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لكل بني أم عصبة إلا ابني فاطمة أنا وليهما وعصبتهما

"ہر ماں کی اولاد کا "عَصَبَة" (ددھیال) ہوتا ہے ماسوا فاطمہ کے دو بچوں کے، میں اُن کا وارث اور اُن کا دادا ہوں"۔

اور امام ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لكل بني أم عصبة إلا ابني فاطمة أنا وليهما وعصبتهما.

"ہر ماں کی اولاد ددھیالی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے، ماسوا فاطمہ کے دو بچوں کے، سو اُن کا ولی اور عصبہ (دادا) میں ہوں"۔

حدیث کے الفاظ میں غور فرمائیے کہ کس طرح نسب اور ددھیالی نسبت کو امام حسن اور حسین کے ساتھ مخصوص کیا اُن کی بہنوں کو چھوڑ کر، کیونکہ اُن کی بہنوں کی اولاد اُن کے باپوں کی طرف منسوب ہے، اسی لیے اسلاف واخلاف میں یہ قاعدہ

جاری ہے کہ کسی سیدہ خاتون کا بیٹا سید نہیں ہوگا، اگر یہ خصوصیت نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کی اولاد کے لیے عام ہوتی تو ہر سیدہ خاتون کا بیٹا سید ہوتا اور اس پر صدقہ حرام ہوتا اگرچہ اس کے باپ کے لیے یہ حکم نہیں جیسا کہ معلوم ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے یہ حکم سیدہ فاطمہ کی بہنوں کی بجائے فقط سیدہ فاطمہ کے لیے فرمایا ہے، اس لیے کہ اُن کی بہن زینب بنت رسول ﷺ نے اپنی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی کہ وہ بھی اس حکم میں حسن و حسین کی طرح ہوں، انہوں نے فقط ایک بیٹی امامہ بنت ابی العاص بن ربیع چھوڑی تھی، نبی کریم ﷺ نے اُن کے بارے میں یہ حکم صادر نہیں فرمایا تھا حالانکہ وہ آپ ﷺ کی حیات میں موجود تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ امامہ کی اولاد حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں ہوئی کیونکہ وہ حضور ﷺ کی نواسی کی اولاد ہے، البتہ سیدہ امامہ خود اس قاعدہ کی رو سے کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوگی حضور ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ اگر سیدہ زینب بنت رسول ﷺ کی اولاد میں کوئی بیٹا ہوتا تو اس کا حکم بھی امام حسن اور امام حسین کی طرح ہوتا اور اُس کی اولاد حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتی۔ یہ تحریر اس مسئلہ میں قولِ فیصل ہے، معاصرین کی ایک جماعت اس مسئلہ میں سرگرداں رہی ہے لیکن وہ اس مسئلہ میں کوئی علمی بات نہیں لا سکے"۔

(الحاوي للفتاوي ص٤٣٨، وطبعة قديمة ج٢ ص٣٢)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آل کے شرف سے تمام بنوھاشم اور ذریت کے شرف سے تمام بنات پاک کی اولاد متصف ہے مگر شرفِ خاص کی حامل فقط سیدہ فاطمۃ الزھراء کی نرینہ اولاد کی اولاد ہے رضی اللہ عنہا۔

مصر میں حسنی حسینی سادات کا عرف "اشراف"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعرف مصر أن الأشراف: كل حسني وحسيني.

اور مصر کے عرف میں ''اشراف'' کا لفظ ہر حسنی اور حسینی کے لیے ہے۔

یہ بات دوسرے علماء کرام نے بھی فرمائی ہے اور یہ درست ہے، کیونکہ ہر ملک بلکہ ہر بڑے علاقہ کی اپنی اپنی اصطلاح ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے ملک کے بعض مخصوص علاقوں میں فقط حسنین کریمین کی اولاد کو ''شاہ'' کہا جاتا ہے، قریشی اور ہاشمی کو شاہ نہیں کہا جاتا، اور ''سید'' بھی انہیں کو سمجھا جاتا ہے۔ یہ عرف ریاست بہاول پور میں پایا جاتا ہے، لیکن قریب ہی کے دوسرے علاقوں میں قریشی اور ہاشمی حضرات کو بھی ''شاہ'' کہا جاتا ہے، مگر سید نہیں کہا جاتا۔ کراچی وغیرہ میں بھی قریشی اور ہاشمی حضرات کو شاہ کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند کے بعض علاقوں میں غیر قریشی اور غیر ہاشمی مگر علم و فضل میں مشہور شخصیات پر بھی لفظِ شاہ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے مگر ان تمام مقامات پر لفظِ ''سید'' فقط حسنین کریمین کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہے۔

غیر حسنی حسینی مگر قریشی و ھاشمی کے حق میں لفظ ''شریف'' کا استعمال

اشراف: جس کا واحد ''شریف'' ہے، عرفِ مصر میں یقیناً حسنی حسینی لوگوں کے حق میں زیادہ مخصوص سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے مگر خود مصنف کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہے کہ غیر حسنی حسینی لوگوں کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے، اور دوسرے حضرات نے بھی اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

> ''دورِ اوّل میں ہر اُس شخص کے حق میں لفظ شریف بولا جاتا تھا جو اہل بیت سے ہوتا، خواہ وہ حسنی ہوتا یا حسینی، علوی محمد ابن الحنفیہ کی اولاد سے ہوتا یا سیدنا علی کی دوسری اولاد سے، جعفری ہوتا یا عقیلی اور عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کو بھرا ہوا پائیں گے کہ کبھی وہ لکھتے ہیں: شریف عباسی نے کہا، شریف عقیلی نے کہا، شریف جعفری نے کہا اور شریف زینبی نے کہا۔ پھر جب فاطمی خلفاء مصر پر حاکم ہوئے تو انہوں نے فقط امام حسن اور حسین کی ذریت پر لفظ ''شریف'' کو محدود کر دیا اور تا حال مصر میں یہ لفظ اُنہیں کے حق میں مستعمل ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''کتاب الألقاب'' میں لکھا ہے: بغداد میں ہر عباسی کا لقب ''شریف'' ہے اور مصر میں ہر علوی کا

لقب ''شریف'' ہے''۔

(الحاوي للفتاوي ص ٤٣٩، وطبعة قديمة ج٢ ص ٣٢)

اربابِ اقتدار کے لیے لفظ شریف کا استعمال

عرب دنیا میں خلافتِ راشدہ سے کچھ عرصہ بعد سے لے کر اب تک یہ لفظ اُن لوگوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو کسی ملک کے کلیدی عہدہ پر فائز یا براجمان ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ اُن کا حسب ونسب کیا ہے اور اُن کے اطوار و کردار کیا ہیں، حتیٰ کہ یہ لفظ ظالم، گمراہ اور گمراہ کن اربابِ اقتدار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول وذوی الشرف" کے محقق شیخ خالد بن احمد الصمی بابطین لکھتے ہیں:

''اسی معنیٰ میں ہم ابن حبیب متوفیٰ ۲۴۵ھ کی کتاب "اسماء المغتالین من الأشراف في الجاهلية والاسلام" میں قوم کے ایسے اشراف کا ذکر پاتے ہیں اگرچہ وہ یہودی ہی کیوں نہ تھے۔ اسی طرح امام ابوبکر بن ابی الدنیا متوفیٰ ۲۸۱ھ نے ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام انہوں نے "الإشراف في منازل الأشراف" رکھا، اُس میں وہ اشراف لوگوں کا ذکر لائے ہیں:

ولو ممن عُرفوا بالظلم والانحراف، وقاموا بقيادة الناس إلى الضلال، كالحجاج بن يوسف الثقفي، والمختار الثقفي.

''اگرچہ وہ ظلم وانحراف سے پہچانے گئے اور گمراہی میں لوگوں کی قیادت کرتے رہے، جیسا کہ حجاج بن یوسف ثقفی اور مختار ثقفی''۔

(تحقيق: استجلاب ارتقاء الغرف ج١ ص ١٣١)

ہمارے ہاں بھی بعض زبانوں سے اربابِ اقتدار کے لیے ''اشرافیہ'' کا لفظ سنا جاتا ہے، پھر یہ ''اشراف'' اور ''اشرافیہ'' کا لفظ اقتدار پر رہنے والے لوگوں کے خاندان کے لیے بھی بولا جاتا ہے اگرچہ وہ عملاً اقتدار پر فائز نہ ہوئے ہوں۔

حقیقی شرف

حقیقی شرف یہ ہے کہ انسان کے آباؤ اجداد شرف والے ہوں۔ چنانچہ علماء لغت لکھتے ہیں:

والشَّرَفُ والمَجْدُ لایکونانِ إلا بالآباء، ویقال: رجلٌ شریفٌ ورجلٌ ماجدٌ له آباء متقدِمون فی الشَّرَف، قال: والحسب والکرم یکونانِ وإن لم یکن له آباء لهم شَرَف.

''عظمت ومرتبہ دونوں کا تعلق آباؤ اجداد سے ہے، اور اُس شخص کے لیے "رجلٌ شریفٌ" اور "رجلٌ ماجدٌ" کہا جاتا ہے جس کے آباء شرف والے ہوں، اور حسب وکرم دونوں انسان میں ہوسکتے ہیں اگرچہ اُس کے آباؤ اجداد شرف والے نہ ہوں''۔

(لسان العرب ج۷ ص ۹۰، تاج العروس ج۱۲ ص ۲۹۷)

"الحَسَبُ وَالکَرَمُ" کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کے متعدد معانی ہیں مگر اس عبارت میں وہ معنیٰ صادق آتا ہے جو خود زبانِ نبوی ﷺ سے منقول ہے۔ امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الحَسَبُ: المالُ، والکَرَمُ: التقوی.

''حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے''۔

(مسند أحمد ج۵ ص ۱۰ وطبعة أخری ج۶ ص ۷۵۰ رقم ۲۰۳۶۲، جامع الترمذي ص ۷۴۴ رقم ۳۲۷۱، سنن ابن ماجه ج۴ ص ۴۷۷ رقم ۴۲۱۹)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

کرم المرءِ دینُه، ومروء تُه عقلُه، وحَسَبُه خُلُقُه.

''انسان کا کرم اُس کا دین ہے، اور اُس کی مروت اُس کی عقل ہے اور اُس کا حسب اُس کا خُلق ہے''۔

(مسند أحمد ج۲ ص ۳۶۵ وطبعة أخری ج۳ ص ۳۵۹ رقم ۸۷۵۹، صحیح ابن حبان ج۲ ص

٢٣٣ رقم ٤٨٣)

حضرت بریدہ ؓ سے ایک مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إن أحساب أهل الدنيا الذي يذهبون إليه المال.

''دنیا والوں کا حسب (مرتبہ وعزت) جس کی طرف وہ لپکتے ہیں مال ہے''۔

(سنن النسائي ج ٦ ص ٣٧٢ رقم ٣٢٢٥، مسند أحمد ج ٥ ص ٣٦١، صحيح ابن حبان ج ٢ ص ٥٧٤ رقم ٧٠٠)

''الحَسَبُ وَالكَرَمُ'' کے معانی میں مال، تقویٰ، دین، عقل اور حسنِ خلق کا ذکر آیا ہے اور یقیناً یہ ساری خوبیاں آباؤ اجداد کے شرف کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ مال کا حاصل ہونا تو بالکل عیاں ہے کہ ماں باپ غیر اشراف، قلاش اور نانِ جویں کے بھی محتاج ہوتے ہیں مگر اولاد کروڑ پتی تو کیا ارب پتی بھی ہو جاتی ہے، اور اس وجہ سے معاشرہ میں اُن کی عزت بھی ہونے لگتی ہے۔ دنیا کے علاوہ دین وتقویٰ بھی آباؤ اجداد کے شرف کے بغیر انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، چنانچہ اور تو اور خود صحابہ کرام ؓ میں بھی بعض حضرات ایسے تھے جن کا باپ حلالی نہیں تھا مگر انہیں دنیوی اور دینی شہرت، عزت اور عظمت اس قدر حاصل ہوئی کہ اب پوری دنیا اُن کے مقام ومرتبہ سے آشنا ہے۔

لفظِ سید کا لغوی معنی

بعض ممالک میں فاطمی اور حسنی حسینی لوگوں کو ''اشراف'' کے علاوہ ''سادات'' بھی کہا جاتا ہے، جس کا واحد سید ہے۔ لفظ ''شریف'' کی طرح یہ لفظ بھی اپنے استعمال میں عام ہے کسی قوم یا ذات کے لیے مخصوص نہیں، ہاں کسی ملک وطبقہ کی اصطلاح کی رو سے بعض مقامات میں یہ لفظ کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو تو اُس اصطلاح کا لحاظ رکھا جائے گا۔ لہٰذا پہلے ہم اس لفظ کا لغوی معنی بیان کرتے ہیں پھر اس کے اصطلاحی مفہوم کی طرف آئیں گے۔

اپنی قوم کا معزز شخص ''سید'' ہے

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لفظ سید کی تشریح میں لکھتے ہیں:

السيد الذي يفوق قومه وهي السيادة والسئودد وهي الرياسة والزعامة ورفعة القدر.

''سید وہ ہے جو اپنی قوم پر فائق ہو، اور یہ سیادت، ریاست، قیادت اور بلندئ رتبہ سے عبارت ہے''۔

(مشارق الأنوارج٢ ص٢٨٦،الغريبين للهروي ج٣ ص٥٤٩)

قوم کی تکالیف کو دور کرنے والا ''سید'' ہے

نیز وہ فرماتے ہیں:

قال الهروي: السيد الذي يفوق قومه في الخير وقال غيره: السيد هو الذي يفزع إليه القوم في النوائب والشدائد فيقوم بأمورهم ويحتمل عنهم مكارههم ويدفعها عنهم.

''امام ہروی نے فرمایا: سید وہ ہے جو خیر میں اپنی قوم پر فائق ہو، اور دوسرے علماء کرام نے فرمایا: سید وہ ہے جس سے قوم مصائب اور مشکلات میں رجوع کرے تو وہ ان کے معاملات کو درست کرے، اُن کے بوجھ کو برداشت کرے اور اُن سے مشکلات کو دفع کردے''۔

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ج٧ ص٥٨٢)

امام نووی، امام طیبی، امام خیضری، امام سیوطی، امام صالحی، ملا علی قاری، امام زرقانی، عبدالرحمٰن مبارکپوری اور شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(نووي شرح صحيح مسلم ج١٥ ص ٣٩، شرح الطيبي على المشكاة ج١١ ص٣٦٣٢،

اللفظ المكرم بخصائص النبی المعظم(ﷺ)ص٣٢٤،الرياض الأنيقة ص١٧٧،سبل الهدیٰ ج١ص٤١٧،مرقاة شرح مشکوٰة ج١٠ص٧،زرقاني علی المواهب ج٤ص١٩٥،تحفة الأحوذي ج٧ص١٠٣،عون المعبود ج١٢ص٢٧٨)

ہر شریف وبردبار شخص ''سید'' ہے

لفظ سید کے معانی میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ چنانچہ ابن منظور لکھتے ہیں:

المالک والشریف والفاضل والکریم والحلیم.

''مالک، شریف، فاضل، سخی اور بردبار کو سید کہتے ہیں''۔

(لسان العرب ج٦ص٤٢٢)

جو غصہ میں مغلوب نہ ہو وہ سید ہے

اوپر کی سطر میں لفظ سید کے معنی میں "الحلیم" بھی آچکا ہے، جس کا معنی باوقار اور بردبار ہے، تاہم علماء نے مزید وضاحت کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

السید الذي لا یغلبه غضبه.

''سید وہ ہے، جس کو اُس کا غصہ مغلوب نہ کرے''۔

(تاج العروس ج٥ص٣٢)

ہر سخی ''سید'' ہے

لفظ سید کے معنیٰ میں علماءِ لغت کچھ احادیث بھی لائے ہیں، جن کی روشنی میں اس لفظ کی معنوی وسعت مزید واضح ہوجاتی ہے۔ چنانچہ امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ سید کون ہے؟ فرمایا: یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوۃ والسلام، انہوں نے عرض کیا: آپ کی امت میں کوئی سید ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں:

من آتاه الله مالاً، ورُزِق سماحةً فأدى شكره وقلت شكايته فی الناس.

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اسے فیاضی عطا فرمائی پھر اُس نے اس کا شکر ادا کیا اور لوگوں میں اس کا کردار درست ہو تو وہ سید ہے''۔

(النهاية لابن أثير الجزري ج٢ ص٣٧٤، لسان العرب ج٦ ص٤٢٣)

بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصار سے پوچھا:

''تمہارا ''سید'' کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اس کے باوجود کہ ہم جد بن قیس کو بخیل سمجھتے ہیں وہ ہمارا سید ہے، فرمایا: بخل سے بڑا عیب اور کونسا ہے؟''۔

(النهاية ج٢ ص٣٧٤، لسان العرب ج٦ ص٤٢٣، تاج العروس ج٥ ص٣٢)

سید کا اصطلاحی معنیٰ

لفظ سید کے مذکورہ لغوی معانی سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بھی ذات پات کے شخص میں ایسے اوصاف پائے جائیں تو وہ سید کہلانے یا کہے جانے کا حقدار ہوتا ہے، اور عملاً ایسا شخص اپنے دائرۂ اثر میں سردار مانا بھی جاتا ہے اور اُس کی اچھی عظمت و شہرت بھی ہوتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا تھا:

کرم نامدار جہانت کند

کرم کامگار امانت کند

''احسان تجھے جہان میں مشہور کر دے گا، احسان تجھے اعتماد میں کامیاب کر دے گا''

یعنی لوگ تجھ پر اعتماد و بھروسہ کریں گے اور امرِ مسلّم ہے کہ دنیا کا نظام محض اعتماد پر چل رہا ہے۔

ایک اور شعر میں شیخ رحمہ اللہ واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ذات پات کی جہت سے یا کسی بھی پہلو سے کم ہو تو لوگوں کی فلاح و بہبود کے کاموں اور احسان و سخاوت میں کمی نہ کرے، اس سے اُس کے تمام عیوب چھپ جائیں گے۔ فرماتے ہیں:

سخاوت مسِ عیب را کیمیاست

سخاوت ہمہ دردہا را دواست

''سخاوت تانبے کے عیب کے لیے سونا ہے، سخاوت تمام دردوں کا علاج ہے''۔

مشو تاتواں از سخاوت بری

کہ گوئے بہی از سخاوت بری

''جہاں تک ممکن ہو سخاوت سے مت دور ہو، تا کہ کامیابی کی گیند تو ہی لیجائے''۔

(کریما سعدی)

الغرض جو بھی انسان افرادِ معاشرہ کی تکالیف کو دور کرے، اپنی جانی، مالی اور عقلی قوتوں سے اُن کے دکھ درد کو دور کرے اور آسائش و آرام مہیا کرے تو از خود اُس کی عظمت و سرداری مسلّم ہو جاتی ہے۔ ہر ایسے شخص کو عرب دنیا میں ''سید'' فارس میں ''آقا'' یا ''آغا'' انگلش میں ''Lord'' اور ہماری علاقائی زبانوں میں اِن معانی میں کسی نہ کسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، مگر عرب میں ہر ایسے شخص کو اصطلاحی طور پر ''شریف'' اور پاک و ہند میں اصطلاحی طور پر ''سید'' کہا جاتا ہے اور نہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ عرب ممالک میں اصطلاحی طور پر مطلقاً امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی اولاد کو ''اشراف'' اور پاک و ہند میں مطلقاً ''سادات'' کہا جاتا ہے۔ ہاں عرب میں دوسروں کو مطلقاً نہیں مگر مقیداً ''شریف'' کہا جاتا ہے، جیسا کہ امام ذھبی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے: عباسی شریف، جعفری شریف اور عقیلی شریف۔ اسی طرح عجم میں بھی مقیداً کہا جا سکتا ہے: عباسی سید، جعفری سید اور عقیلی سید، بلکہ ہمارے ہاں بعض حضرات حسنی حسینی سادات کی سیادتِ مطلقہ کی تعظیم کے مدِ نظر خود کو سید لکھتے اور کہتے کہلاتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنی جدی نسبت بھی واضح کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارے جاننے والوں میں بعض بزرگانِ دین اپنے نام سے پہلے ''سید'' تو لکھتے ہیں مگر آخر میں لفظ ''عباسی'' بھی لکھتے ہیں، اسی طرح ایک اور ہمارے شناسا بزرگ اپنے نام سے قبل ''سید'' لکھتے ہیں مگر نام کے بعد ''ہاشمی'' بھی لکھتے ہیں، اور بلا شبہ اس قسم کی قیود (عباسی، عقیلی، جعفری، قریشی، ہاشمی وغیرہ) کے ساتھ سید کہلوانا جائز ہے لیکن کسی قید کے بغیر پاک و ہند میں مطلقاً سید کہلوانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ ہر علاقہ کی مخصوص اصطلاح اور عرف ہوتا ہے اور عرف و اصطلاح کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فقاعدة الفقه أن الوصايا والأوقاف تنزل علىٰ عرف البلد، وعرف مصر من عهد الخلفاء الفاطميين إلى الآن أن الشريف لقب لكل حسني وحسيني خاصةً.

''فقہ کا قاعدہ ہے کہ وصیتیں اور وقف چیزوں کا معاملہ شہر کے عرف کے مطابق ہوتا ہے، اور مصر کے عرف میں فاطمی خلفاء کے عہد سے لے کر اب تک لقب ''شریف'' ہر حسنی اور حسینی کے لیے مخصوص ہے''۔

(الحاوي للفتاوي ص ٤٤٠)

لہٰذا اگر مصر میں کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اُس کی طرف سے فلاں چیز ''اشراف'' کے لیے وقف ہے تو اگرچہ وہاں عباسیوں، جعفریوں، عقیلیوں، زینبیوں، قریشیوں اور ہاشمیوں پر بھی اشراف کا اطلاق ہوتا ہے مگر چونکہ وہاں کے عرف میں یہ لفظ حسنی اور حسنی اشراف کے لیے خاص ہے اس لیے اس وصیت کے مصداق فقط وہی حضرات ہوں گے۔ علیٰ ھذا القیاس پاک و ہند میں اگرچہ کچھ غیر حسنی اور حسینی لوگ خود کو سید کہلواتے ہیں مگر یہاں کے عرف میں بھی سادات فقط حسنی اور حسینی ذریت کو کہا جاتا ہے، لہٰذا جب مطلقاً سید کہا جائے گا تو اس سے فقط یہی لوگ مراد ہوں گے۔ اس لیے غیر حسنی اور حسینی حضرات کو چاہیۓ کہ وہ خود کو مطلقاً سید یا سادات کہلوانے سے اجتناب فرمائیں۔ یاد رکھئے! عرف کی رعایت کرنا اتنا اہم ہے کہ خود قرآن وسنت سے بھی عرف کی رعایت ثابت ہے۔ مثلاً قرآن میں مچھلی پر ''لحم'' (گوشت) کا اطلاق کیا گیا ہے مگر شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اگر میں نے گوشت کھایا تو میری بیوی کو طلاق، پھر وہ مچھلی کھالے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ عرف میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بنو ھاشم کا شرف

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شَرَف مطلق اور سیادتِ مطلق حسنی اور حسینی ذریت کے ساتھ مخصوص ہے، اور پھر آپ یہ بھی جان چکے ہیں ''شَرَف'' اور ''مَجد'' ایسی مخصوص عظمت اور بزرگی ہے جو آباؤ اجداد کی مرہونِ منت ہے جبکہ ''حسب'' اور ''کرم'' آباؤ اجداد کے بغیر بھی انسان میں ہو سکتے ہیں۔

جب یہ بات سمجھ آ گئی تو آیئے دیکھتے ہیں کہ بنو ہاشم کا شرف اور اُن کی سیادت کتنا بلند ہے تا کہ اس کی روشنی میں اولادِ رسول ﷺ کے شرف کی رفعت سمجھی جا سکے۔ سو متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات نے مخلوق کو طبقات، قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کیا تو بنو ہاشم کو روئے زمین کے تمام خاندانوں سے افضل بنایا۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قال رسول الله ﷺ: قال لي جبريل: قلبت الأرض مشارقها ومغاربها فلم أجد رجلاً أفضل من محمد ﷺ وقلبت الأرض مشارقها ومغاربها فلم أجد بني أب أفضل من بني هاشم.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ میں نے مکمل روئے زمین کا دورہ کیا اور گہری نظر سے دیکھا، پس میں نے (سیدنا) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا، اور میں نے زمین کی مشرقوں اور مغربوں میں دیکھا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا''۔

(كتاب السنة لابن أبي عاصم ص ٦١٨ رقم ١٤٩٤)

اس حدیث پر بعض لوگوں کو اعتراض لاحق ہو گیا لیکن یہ اُن کے عدم تدبر کا نتیجہ ہے، ہم نے اس حدیث کی مکمل تخریج و تحقیق "شرح خصائص علي" اور "شرح أسنى المطالب في مناقب علي بن أبي طالب" میں کر دی ہے، اہل علم وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز یہ لوگ اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرماتے کہ اس مفہوم کی تائید میں صحاح کی احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفَىٰ كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إسماعِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامِ، وَاصْطَفَىٰ قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَىٰ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ.

''اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چُنا اور کنانہ سے قریش کو چُنا

اور قریش سے بنو ہاشم کو چُنا اور بنو ھاشم سے مجھے چن لیا"۔

(صحيح مسلم ص١٠٠٨ رقم ٥٩٣٨ [٢٢٧٦]، مسند أحمد ج٤ ص١٠٧ وطبعة أخرىٰ ج ٥ ص٧٩٣، ٧٩٤ رقم ١٧١١١، ١٧١١٢، جامع الترمذي ص٨٢٢ رقم ٣٦٠٦، السيرة النبوية لابن حبان ص٣٩، مصابيح السنة ج٤ ص٣٢ رقم ٤٤٦١، شرح السنة ج٧ ص٤٠٦ رقم ٣٦١٣، مشكاة ج٢ ص٤٢٥ رقم ٥٧٤٠)

اس حدیث کی تشریح میں امام ابوالعباس قرطبی لکھتے ہیں:

"اِصطفی "صفوة" سے ہے اور "صفوةُ الشيء" کا معنیٰ ہے کسی چیز کو بہت سی چیزوں میں سے منتخب کرنا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جس چیز کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اُس چیز کو اُس کی ہم جنس اشیاء میں صفاتِ کمال سے نواز کر مخصوص کر لیتا ہے اور اُسے اُس نوع کی اصل کی حیثیت دے دیتا ہے، اور اپنے علم ازلی کی رو سے اُسے مکرم بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے حکم کو نافذ کرنے میں خود مختار ہے اس پر کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ. (اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے)[القصص :٦٨] اور بیشک اللہ تعالیٰ نے جنسِ حیوانی سے نوعِ انسانی کو اختیار کیا، جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلاً. (اور ہم نے بڑی عزت بخشی اولادِ آدم کو اور ہم نے سوار کیا انہیں مختلف سواریوں پر خشکی اور سمندر میں اور رزق دیا انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انہیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے پیدا فرمایا، نمایاں فضیلت)۔(بني إسرائيل ٧٠) اور آدمی کے مکرم ہونے کے لیے اتنی دلیل ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کو انسان کے لیے پیدا کیا اور صراحتاً ارشاد فرمایا: "فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکَ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ." (آپ کے رب کی مہربانی

سے یہ بڑی کامیابی ہے) [الجاثیة: ١٣] پھر اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی سے ان ہستیوں کو اختیار کیا جو معدنِ (منبع) نبوت اور محلِّ رسالت تھے۔ ان میں سے اول آدم علیہ الصلاۃ و السلام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ایک معزز نطفہ منتخب فرمایا، پھر وہ معزز نطفہ مسلسل مقدس پشتوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اُسی سے انبیاء اور رسل پیدا ہوئے۔ (علیہم السلام) جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر، یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں بیشک اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے) [آل عمران: ٣٣، ٣٤] پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسماعیل اور اسحاق کو منتخب کیا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: إِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ. (بیشک وحی بھیجی ہم نے آپ کی طرف جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے، اور جیسے وحی بھیجی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف) (النساء: ١٦٣) پھر اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے اسی حدیث میں ذکر فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمتوں کی انگوٹھی کا نگینہ، رفعتوں کی تسبیح کا امام اور کامیابیوں کے چمکتے دن کا آفتاب بنایا"۔

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، ملخصاً ج٦ ص ٤٧)

اس حدیث اور اس کی تشریح سے معلوم ہوا کہ قریش بھی اشراف ہیں پھر ان سے زیادہ اشراف بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں سے اشرف ترین سید الانبیاء ﷺ کی ذات پاک ہے، لہٰذا خود اندازہ فرمایئے

کہ ساری کائنات سے افضل، اعلیٰ، ارفع اور اشرف ہستی کی اولادشرف کے کتنا بلند مقام پر فائز ہوگی؟ اس لیے مصنف اور دوسرے حضرات نے حق فرمایا ہے کہ عباسی، عقیلی، جعفری اور زینبی تمام حضرات شرف کے حامل ہیں لیکن جوشرف خاص حسنین کریمین کی اولاد کو حاصل ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

اسی شرف کو بعض ممالک میں اولاد حسنین کریمین کے حق میں سیادت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ سوفیصد درست ہے، کیونکہ حضور ﷺ سید الناس ہیں، علی المرتضیٰ سید العرب ہیں، فاطمۃ الزہراء سیدۃ نساء العالمین ہیں اور حسنین کریمین میں یہ تینوں شرف جمع ہیں اور وہ خود بھی نوجوانانِ اہل جنت کے سید ہیں، اور چونکہ شرف آباء واجداد سے ہی ہوتا ہے، لہٰذا بحیثیت ذریت شرف وسیادت کی سب سے زیادہ حق دار ذریتِ حسنین کریمین علیہم السلام ہی ہے۔

تزويجها بأمر الله تعالىٰ

وكان تزويج المصطفىٰ فاطمة لعليٍّ بأمر الله تعالىٰ:

فعن ابن مسعود أنه ﷺ قال: إن الله تعالىٰ أمرني أن أزوِّج فاطمة من علي.

سیدہ کی شادی بامرِ الٰہی

مصطفیٰ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ کی شادی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کروں''۔

(المعجم الكبير ج٥ ص١١٧ رقم١٠١٥٢، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٤ رقم١٥٢٠٨، الرياض النضرة ج٣ ص١٢٥، ١٢٦، الفصول المهمة ص١٤٢، مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه للمغازلي ص٤١٣، المناقب للخوارزمي ص٣٣٧، كفاية الطالب في مناقب علي بن أبي طالب ص١٦٣، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٠ رقم٦٣، الجامع الصغير

ص۱۲۸ رقم ۱٦۹۳، سبل الهدیٰ ج۱۱ ص۳۸، در السحابة في مناقب القرابة والصحابة للشوكاني ص۲۰٤، رشفة الصادي للحضرمي ص۱۰، موسوعة العشرة المبشرون بالجنة ج ۱۱ ص٦٤)

سیدہ کے نکاح میں خالقِ کائنات کا حسنِ اہتمام

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کے حکم کے لیے باقاعدہ وحی نازل ہوئی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کو وحی نے ڈھانپ لیا، پھر جب آپ اُس کیفیت سے باہر آئے تو فرمایا: اے انس جانتے ہو مالکِ عرش سے جبریل علیہ السلام کیا حکم لائے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کروں''۔

(مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص۵۱، سبل الهدیٰ ج۱۱ ص۳۸، ذخائر العقبیٰ ص٤۳، الرياض النضرة ج٤ ص۱۲۵، ۱۲٦، كنز العمال ج۱٦ ص۲۸۷)

امام محب الطبری ابن السمان رازی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا:

ذاک صهر رسول الله ﷺ نزل جبريل فقال: إن الله يأمرک أن تزوج فاطمة ابنتک من علي.

''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ اپنی بیٹی فاطمہ علیہا السلام کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کریں''۔

(الرياض النضرة ج٤ ص۲٦، ذخائر العقبیٰ ص٤۳)

ذرا غور فرمایئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین ساتھی عطا فرما کر ارشاد فرمایا:

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی

''اور اُس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا''۔

[الضُّحیٰ: ۸]

یہ بہترین ساتھی سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات پاک تھی، جنہیں زمانۂ جاہلیت میں بھی طاہرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پروردگار نے پہلے اس طاہرہ کو امام الانبیاء ﷺ کی ذات پاک کا امین بنایا پھر امام الاولیاء علی المرتضیٰ علیہ السلام کو بھی انہیں کی آغوش میں بھیج دیا، اس طرح سید الانبیاء اور سید الاولیاء ایک ہی گھر میں جمع ہو گئے، پھر اُس طاہرہ کو بیٹیاں عطا فرمائیں مگر جس بیٹی کے سرِ اقدس پر سیادت کا تاج آنا تھا اور جس سے نسلِ نبوی ﷺ کا سلسلہ چلانا اُسے منظور تھا اُس کے لیے ایسے ساتھی کا انتخاب فرمایا جس نے اُسی چھت تلے آغوشِ نبوی اور آغوشِ طاہرہ علیہما السلام میں پرورش پائی۔ لہٰذا یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ قدرت کا حسنِ اہتمام تھا اور ایسے حسین اہتمام کا تقاضا ہی یہی تھا کہ بذریعہ وحی حکم آئے کہ سیدہ کا نکاح علی علیہما السلام کے ساتھ کیا جائے۔

شیخین کریمین کا سیدہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی درخواست کرنا

وعن أنس قال: جاء أبو بكر إلى النبي ﷺ فقعد بين يديه فقال: يا رسول اللّٰه قد علمت مُنَاصَحَتِي وقدمي في الاسلام وإني...... قال: وما ذاك؟ قال: تُزَوِّجُني فاطمة، فأعرض عنه، فرجع أبو بكر إلى عمر فقال: إنه ينتظر أمر اللّٰه فيها، ثم فعل عمر ذلك، فأعرض عنه، فرجع إلى أبي بكر فقال: إنه ينتظر أمر اللّٰه فيها. انطلق بنا إلى عليّ نأمره أن يطلب مثلَ ما طلبنا. قال عليٌّ: فأتياني له، فقالا: بنت عمك تخطب، فنبهاني لأمر، فقمت أجرُّ ردائي طرفه على عاتقي به، وطرفه الآخر في الأرض، حتى انتهيت إليه،

فقعدت بين يديه فقلت: قد علمتَ قِدَمي فى الإسلام، ومُنَاصَحَتي، وأني ... قال: وما ذاك؟ قال تُزَوِّجُني فاطمة، قال: وما عندك؟ قال: فرسي، وبدني، قال: أما فرسك، فلا بد لك منه، وأما بدنك فبعها فبعتها بأربعمائة وثمانين درهماً، فأتيته بها، فوضعها في حجره، فقبض منها قبضة، فقال: يا بلال، ابتَع طِيباً، وأمرهم أن يجهزوها، فجعل لها سريراً مشروطاً، ووسادةً من أدم حَشوَها ليفٌ، وقال: وآت أهلك فلا تحدث بها حتى آتيك. فجاءت مع أم أيمن، فقعدت في جانب البيت، وأنا في الجانب الآخر، فجاء النبي ﷺ فقال: هاهنا أخي؟ قالت أم أيمن: أخوك وقد زوّجته ابنتك؟! فقال لفاطمة: آتيني بماء، فقامت إلى قَعب في البيت فجعلت فيه ماء، فأتته به، فمجَّ فيه، ثم قال: قومي: فنضح بين يديها، وعلى رأسها، وقال: اللّٰهم إني أعيذها بِكَ وذُرِيَّتَها من الشيطان الرجيم. ثم قال: آتيني بماء، فعلمت الذي يريده، فملأت القعب فأتيته به، فأخذ منه بفيه، ثمَّ مجَّه فيه، ثم صب على رأس عليٍّ وبين قدميه ثم قال: ادخل على أهلك باسم اللّٰه تعالىٰ.

[رواه الطبراني وفيه محسن الأسلمي ضعيف].

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور آپ کے سامنے بیٹھ گئے پھر کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ میری خیر خواہی اور اسلام میں سبقت جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بات کیا ہے؟ عرض کیا: فاطمہ میرے عقد میں دیجئے، حضور ﷺ نے اعراض فرمایا تو حضرت ابوبکر حضرت عمر کی طرف لوٹ گئے اور کہا: حضور ﷺ سیدہ کے بارے میں امر الٰہی کے

منتظر ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بھی اعراض فرمایا: وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹے اور کہا کہ وہ سیدہ کے معاملے میں حکم الٰہی کی انتظار میں ہیں۔ آیئے! علی کے پاس چلتے ہیں تا کہ وہ ہماری طرح درخواست کریں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ وہ دونوں حضرات میرے پاس آئے اور کہا: آپ کے چچازاد کی بیٹی کے نکاح کے پیغام آرہے ہیں، پس انہوں نے مجھے ایک امر کے لیے چونکا دیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا، اپنی چادر کا ایک کونہ کندھے پر اور دوسرا زمین پر گھسیٹتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جا پہنچا اور آپ کے سامنے بیٹھ کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ پر میری اسلامی سبقت اور دین کی خیر خواہی واضح ہے اور یہ اور وہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بات کیا ہے؟ عرض کیا: فاطمہ میرے نکاح میں دیجئے۔ فرمایا: تمہارے پاس کیا ہے؟ عرض کیا: میرا گھوڑا اور زرہ، فرمایا: گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے، البتہ تم زرہ کو فروخت کردو، تو میں نے چار سو اسی درہم میں فروخت کردی اور قیمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی تو آپ نے اسے اپنی گود میں رکھا پھر اُس سے ایک مٹھی بھری، پھر فرمایا: اے بلال! خوشبو لاؤ اور گھر والوں کو کہو کہ سیدہ کو تیار کریں تو اُن کے لیے ایک بنی ہوئی چارپائی تیار کی گئی اور چمڑے کا ایک تکیہ تیار کیا گیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولی علی کو فرمایا: اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ اور میرے آنے تک کوئی بات نہ کرنا۔ پس سیدہ حضرت اُم ایمن کے ساتھ آئیں اور گھر کے ایک کونہ میں بیٹھ گئیں اور میں دوسرے کونے میں بیٹھ گیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: یہاں میرا بھائی ہے؟ ام ایمن نے عرض کیا: کیا وہ آپ کے بھائی ہیں حالانکہ آپ نے اپنی بیٹی اُن کے نکاح میں دی ہے؟ پھر آپ نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا: پانی لے آؤ! تو سیدہ ایک بڑے پیالے کی طرف گئیں اور اُس میں پانی ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں تو آپ نے اُن پر کلی فرمائی پھر فرمایا: کھڑی ہو جاؤ، پھر اُن کے سینے اور سر پر پانی چھڑکا اور فرمایا: اے اللہ! میں اِس کو اور اس کی ذریت کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں، پھر فرمایا: پانی لاؤ تو وہ سمجھ گئیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ارادہ ہے، تو وہ ایک بڑا برتن بھر کر سامنے لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پانی کو منہ مبارک میں لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے، اُن کے سر اور اُن کے سینے پر چھڑکا، پھر فرمایا: جاؤ اللہ کا نام لے کر اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے

روایت کیا ہے اور اس میں محسن اسلمی ضعیف ہے۔

(المعجم الکبیر ج۹ ص۳۶۷ رقم ۱۸٤٥٤، صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۳۹۳، ۳۹٤ رقم ٦۹٤٤، مجمع الزوائد ج۹ ص۲۰۵ وطبعة أخرىٰ ج۹ ص۳۳۱ رقم ۱۵۲۱۰)

محسن اسلمی یا یحییٰ اسلمی؟

متن میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص محسن اسلمی ضعیف ہے، لیکن یہ درست نہیں، اس لیے کہ "المعجم الکبیر" کی سند میں اس نام کا کوئی شخص نہیں بلکہ یحییٰ بن یعلیٰ اسلمی ہے اور اسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بعض محدثین نے اس کے موضوع ہونے کے خدشہ کو بھی ظاہر کیا ہے لیکن اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دوسری احادیث سے متصادم ہو، واللہ اعلم۔

شیخین کو سیدہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ نہ دینے کا ایک عذر

اوپر کی حدیث میں تو فرمایا گیا کہ سیدہ کے نکاح کے بارے میں حکمِ الٰہی کی انتظار ہے، جبکہ دوسری احادیث میں سیدۂ کائنات اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمروں میں فرق کو وجہِ منع بتایا گیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عن عبداللّٰه بن بُرَیدة عن ابیه، أن أبابكر وعمر خطبا إلى النبي ﷺ فاطمةَ، فقال: إنها صغيرة، فخطبها علي فزوجها منه.

"حضرت ابن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: وہ چھوٹی ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی تو آپ نے ان کے ساتھ اُن کا نکاح کر دیا"۔

(فضائل الصحابة ج۲ ص٦۱ رقم ۱۰۵۱، السنن الكبرى للنسائي ج۵ ص۱۵۳ رقم ۵۳۱۰ و ج۷ ص٤۵۲ رقم ۸٤۵٤، وطبعة أخرى ج۵ ص۱٤۳ رقم ۸۰۸۵، السنن الصغرى للنسائي ج

٦ص٦٢رقم٣٢٢١، صحيح إبن حبان ج٩ص٥١رقم٦٩٠٩،وطبعة محققة ج١٥ص ٣٩٩رقم٦٩٤٨،المستدرك ج٢ص١٦٧رقم٢٧٥٣،الرياض النضرة ج٣ص١٢٤)

ممکن ہے متعدد مرتبہ درخواست کی گئی ہو، پہلے فرمایا گیا ہو کہ امرِ الٰہی کی انتظار ہے اور دوسری مرتبہ بحکم الٰہی یہ جواب دیا گیا ہو۔

نکاحِ مرتضیٰ وزھراء میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی اعانت

نہ صرف یہ کہ شیخین کریمین بلکہ دوسرے حضرات نے بھی اس بابرکت رشتہ کے حصول میں کافی دلچسپی لی تھی مگر جب سب کو مایوسی ہوئی تو انہوں نے غور کرنا شروع کر دیا کہ آخر یہ رشتہ کس کا مقدر ہوگا، پھر انہیں سمجھ آئی کہ یہ رشتہ علی کو ملے گا مگر وہ اپنی تنگدستی کی وجہ سے اس رشتہ کی درخواست کرنے سے گریزاں ہیں، لہٰذا اُن سے بات کی جائے اور اس سلسلے میں ان کی اعانت کی جائے۔ چنانچہ مشہور شیعہ مصنف ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"ایک دن حضرت ابوبکر، عمر اور سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہم) مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ کے نکاح کا تذکرہ شروع ہوگیا، اس پر حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: قریش کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے فاطمہ کا رشتہ مانگا ہے مگر انہوں نے ان کو جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ فاطمہ کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے وہی جس سے چاہے گا اس سے نکاح ہو جائے گا، اور ہم جانتے ہیں کہ تا حال حضرت علی کا رشتہ کہیں نہیں ہوا، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ تنگدستی کی بنا پر حضور ﷺ سے یہ رشتہ مانگنے سے کترا رہے ہیں، لہٰذا انہیں اس نکاح پر آمادہ کیا جائے اور اگر ان کا مسئلہ تنگدستی کا ہے تو ان کی مدد کی جائے۔ چنانچہ یہ تینوں حضرات تلاش کرتے ہوئے حضرت علی کے پاس پہنچے، انہوں نے ان کی آمد کا سبب دریافت کیا تو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے مقصدِ آمد بیان کرتے ہوئے کہا: حضور ﷺ نے یہ رشتہ آپ کے لیے رکھا ہے، آپ حضرت فاطمہ کے رشتہ کی درخواست کریں۔ اس پر حضرت علی رو دیئے اور کہا:

اندوه مرا تازه کردی و آرزوئے که در سینه من پنهاں بود به
ہیجان آوردی که باشد که فاطمه را نخواهد ولیکن من اعتبار
تنگ دستی شرم می کنم از آنکه ایں معنی را اظهار نمائیم .

''آپ نے میرا غم تازہ کر دیا اور میرے سینے میں چھپی ہوئی آرزو کو برانگیختہ کر دیا، کون ہوگا جو فاطمہ کے رشتہ کا آرزو مند نہیں ہوگا، لیکن میں بوجہ تنگ دستی شرم کرتا ہوں اور اس حقیقت کا اظہار نہیں کرتا''۔

(جلاء العیون ص ۱۲۱، بحار الأنوار ج ۴۳ ص ۱۲۵)

نیز یہی مصنف لکھتے ہیں:

''حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اس موقعہ پر اپنی زرہ بیچنا چاہی تو اسے (چار سو یا چار سو اسی) درہم میں حضرت عثمان غنی (ؓ) نے خریدا، جب زرہ اُن کے ہاتھ میں آگئی اور قیمت حضرت علی نے وصول فرمالی تو پھر حضرت عثمان (ؓ) نے کہا: یا ابا الحسن میں آپ سے زیادہ زرہ کا حقدار نہیں ہوں اور آپ مجھ سے زیادہ دراہم کے حقدار ہیں، حضرت علی ؓ نے کہا: ایسا ہی ہے، انہوں نے کہا: تو لیجئے یہ زرہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں: سو میں زرہ اور درہم دونوں کو لے کر بارگاہِ نبوی میں پہنچا اور حضور ﷺ کے سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان ؓ کی بات عرض کی تو نبی کریم ﷺ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی''۔

(بحار الأنوار ج ۴۳ ص ۱۳۰)

خیال رہے کہ دنیوی معاملات میں ایثار یعنی خود پر دوسرے کو ترجیح دینا پسندیدہ چیز ہے لیکن دینی امور میں خود کو مقدم رکھنے کا حکم ہے، حتیٰ کہ دعائے خیر میں بھی پہلے اپنے لیے مانگنے کا حکم ہے، اور سیدۂ کائنات کے ساتھ نکاح میں قیامت تک دنیوی اور دینی خیر وخوبی مضمر تھی، اس لیے حضرات سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم وغیرہما ؓ نے پہلے تو اپنے لیے کوشش فرمائی کہ یہ بابرکت رشتہ انہیں حاصل ہو مگر جب

دیکھا کہ یہ سعادت اُن کے حصہ میں آنے والی نہیں تو پھر حسد کا شکار ہو کر بیٹھ نہیں گئے بلکہ جذبۂ خیر خواہی سے سرشار ہو کر اُس خوش نصیب کی طرف چل پڑے جس کے بارے میں انہیں یقین سا ہو گیا تھا کہ یہ سعادت انہیں کا حصہ ہے۔یقیناً یہ جذبہ اُن قدسی صفت حضرات کے شایانِ شان تھا۔لہٰذا اگر اہل تشیع حضرات کے نزدیک اُن کے اپنے علماء کی یہ تصریحات درست ہیں تو پھر وہ لوگ ضرور غور کریں جو خلفاء ثلاثہؓ کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں۔إنما أشكو إلى اللهِ وَهو المُستَعانُ.

سیدہ کے نکاح کے سلسلہ میں ایک موضوع روایت

وعن أنس رضي الله عنه أيضاً:

أن عمر أتى أبا بكر فقال:ما منعك أن تتزوج فاطمةَ بنت رسول الله ﷺ؟ قال:لا يزوجني!قال:إذا لم يزوجك فمن يُزَوِّج ؟!وإنك من أكرم الناسِ وأقدمهم إسلاماً. فانطلق أبو بكر إلى عائشة رضي الله عنها فقال: إذا رأيتِ من محمدٍطيب نفسك به وإقبالا ـ أي عليك ـ فاذكري له : أني ذكرتُ فاطمة،فلعلَّ اللهَ أن يُيَسِّرَهَا لي.فرأت منه طِيبَ نفسٍ وإقبالاً ، فذكرت ذلك له ، فقال:حتى ينزل القضاء،فرجع إليها أبو بكر فقالت:ما أتاه،ووددت أني لم أذكر له ما ذكرت،فلقي أبو بكرعمر، فذكر له ما أخبرته عائشة، فانطلق عمر إلى حفصة وقال:إذا رأيتِ منه طيبَ نفسٍ وإقبالاً ،فاذكريني له،واذكري فاطمةلعل الله ييسرها لي،فرأت منه إقبالاً وطيب نفسٍ فذكرت له فقال:حتى ينزل القضاء، فأخبرته وقالت:وددت أني لم أذكر له شيئاً!فانطلق عمر إلى عليّ وقال: مايمنعك من فاطمة؟ قال:

أخشى أن لا يزوجني! قال: إن لم يزوجك فمن؟ أنت أقرب خلق اللّٰہ إليه، فا نطلق علي إليه ،ولم يكن له مثل، قال: إني أريد أن أتزوج فاطمه قال: فافعل؟ قال: ما عندي إلا درعي الحطمية، قال فاجمع له ما قدرت،وأتني بـه، فباعها بأربعمائةوثمانين،فأتاه بها،فزوجه فاطمة،فقبض ثلاث قبضات فدفعها إلىٰ أم أيمن، فقال: اجعلى منها قبضة فى الطيب، والباقى فيما يصلح للمرأة من المتاع،فلما فرغت من الجهاز،وأدخلتها بيتاً قال: ياعلي! لاتحدثن إلى أهلك شيأ حتى آتيك،فأ تاهم ،فإذا فاطمة متعففةوعليّ قاعد وأم أيمن ،فقال: يا أم أيمن، آتيني بقدح من ماء فأتته به ، فشرب،ثم مج فيه،ثم ناوله فاطمة،فشربت،وأخذمنه، فضرب جبينها وبين قدميها،وفعل بعليٍّ، ثم قال:اللّٰهم أهل بيتي،فأذهب عنهم الرِّجس وطهرهم تطهيراً ....

[رواه البزار،وفيه محمدبن ثابت وهوضعيف،بل لوائح الوضع ظاهرة عليه].

فإن تزويج فاطمة كان فى السنة الثانية اتفاقاً،وبناء المصطفىٰ بحفصة بنت عمر إنما كان فى الثالثة.

نیز حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ حضرت ابوبکر ﷺ کے پاس آئے اور کہا: آپ کو فاطمہ بنت رسول ﷺ کے نکاح کے پیغام سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: حضور ﷺ انہیں میرے نکاح میں نہیں دیں گے۔ حضرت عمر ﷺ نے کہا: اگر تمہیں نہیں دیں گے تو پھر کس کے نکاح میں دیں گے؟ آپ تمام لوگوں سے زیادہ معزز ہیں اور اسلام میں سب سے مقدم ہیں۔ سو حضرت ابوبکر سیدہ

عائشہ کی طرف گئے اور فرمایا: جب تم سیدنا محمد ﷺ کو خوش طبیعت اور اپنی طرف مائل دیکھو تو میرا ذکر کرنا کہ میں فاطمہ کا نکاح چاہتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ میرے لیے آسان فرما دے۔ پس سیدہ عائشہ نے حضور ﷺ کو خوش طبیعت اور اپنی طرف مائل دیکھا تو عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تقدیر کے فیصلہ کی انتظار کرو۔ پھر حضرت عائشہ نے حضرت ابو بکر ؓ کو آکر بتایا تو انہوں نے فرمایا: کاش جو تم نے بات چلائی وہ نہ چلاتیں۔ پھر حضرت ابو بکر ؓ کی حضرت عمر ؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے سیدہ عائشہ کی پوری بات اُنہیں بتائی تو حضرت عمر ؓ حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا: جب تم حضور ﷺ کو خوش دیکھو اور اپنی طرف متوجہ پاؤ تو میرا ذکر کرنا اور سیدہ فاطمہ کی بات چلانا، شاید اللہ تعالیٰ اُنہیں میرے لیے آسان فرما دے۔ پس جب اُنہوں نے حضور ﷺ کو خوش دیکھا اور اپنی طرف متوجہ دیکھا تو عرض کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا: امرِ الٰہی کا انتظار ہے، سیدہ حفصہ نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا: کاش تم نے کچھ نہ کہا ہوتا۔ پھر حضرت عمر ؓ حضرت علی ؓ کی طرف چلے اور کہا: تمہیں فاطمہ کے نکاح کے پیغام سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے خدشہ ہے کہ وہ میرے ساتھ نکاح نہیں کریں گے۔ فرمایا: اگر تمہارے نکاح میں نہیں دیں گے تو پھر کس کے نکاح میں دیں گے؟ تم اُن کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہو۔

پس حضرت علی ؓ چل پڑے اور اُن کی مانند کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ فاطمہ کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔ فرمایا: کرلو۔ عرض کیا: میرے پاس حطمیہ زرہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، فرمایا: جتنا تم سے ہو سکتا ہے جمع کرلو اور میرے پاس لے آؤ تو انہوں نے چار سو اسی درہم میں زرہ کو فروخت کر دیا اور قیمت حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ پھر سیدہ فاطمہ اُن کے نکاح میں دے دی۔ پھر تین مٹھی بھر کر اُم ایمن کے سپرد کیں اور فرمایا: ان میں سے ایک مٹھی کی خوشبو خریدو اور باقی دراہم سے دلہن کا سامان تیار کرو، پس جب وہ دلہن کی تیاری سے فارغ ہوئیں اور انہیں گھر میں لائیں تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: اے علی! میرے آنے تک اپنی اہلیہ سے کوئی بات نہ کرنا۔ پھر جب آپ آئے تو سیدہ فاطمہ حیا سے۔۔۔ اور علی بیٹھے تھے اور ام ایمن موجود تھیں۔ آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! ایک بڑا

پیالہ پانی کا لاؤ، وہ لے آئیں تو آپ نے اس سے پیا پھر اس کو واپس پانی میں ڈالا اور پھر سیدہ فاطمہ کو پکڑایا تو انہوں نے پیا پھر اُن سے لے کر اُن کے ماتھے اور قدموں پر ڈالا اور اسی طرح حضرت علیؓ کے ساتھ کیا پھر کہا: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں پس تو ہر پلیدی کو اِن سے دور رکھ اور انہیں خوب پاک فرما دے۔

اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن ثابت ضعیف ہے۔ بلکہ اس پر موضوع ہونے کے آثار ظاہر ہیں، کیونکہ سیدہ فاطمہ کا نکاح بالاتفاق ۲ھ میں ہوا جبکہ حضرت حفصہ حضور ﷺ کے نکاح میں ۳ھ میں آئیں۔

موضوع حدیث درج کرنے کا مقصد؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر طویل موضوع (جعلی) حدیث کیوں درج کی؟ تو جواباً عرض ہے کہ یہ بات اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کہ اہل اسلام میں ہر بات تاریخی قیود اور سلسلۂ سند کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ پھر اہل اسلام کے محتاط مصنفین میں یہ بات قانونی حیثیت رکھتی ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو اس میں اُن کے سامنے جو غیر معتبر اور موضوع روایات آتی ہیں وہ پہلے انہیں مکمل درج کرتے ہیں پھر اُن کا حکم بیان کر دیتے ہیں کہ یہ کس قسم کی روایت ہے، تا کہ عام علماء اور عوام ایسی روایات سے آگاہ ہو جائیں اور انہیں پبلک میں بیان کرنے سے اجتناب کریں۔ یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی وثاقت (ثقاہت) اور اُن کے معتمد ہونے کی واضح دلیل ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ۔ لیکن افسوس کہ غیر محتاط طبقہ اس سلسلہ میں ساری حدیں پھلانگ گیا اور انہوں نے اسلام کے ہر موضوع میں نہ یہ کہ سہواً بلکہ عمداً بے تحاشا موضوع و مکذوب احادیث درج کر دیں۔ فإلی اللہ المشتکی وھو المستعان.

کسی روایت کی صحت وعدم صحت سے تاریخ کا تعلق

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت کو موضوع ثابت کرنے کے لیے اس روایت کے ایک مرکزی راوی کی تاریخ ملاقات سے استدلال کیا ہے اور وہ مرکزی راوی بلکہ راویہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ

عنہا ہیں، چونکہ اُن سے اپنے بابا کے حق میں یہ سفارش اس وقت قرین قیاس تھی جب وہ حرمِ نبوی میں شامل ہوتیں، اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو فرمایا: جب حضور ﷺ تمہاری طرف مائل اور تم پر خوش ہوں تو تم میری سفارش کرنا، سو جب حضور ﷺ سے اُن کا اپنا نکاح ہی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ہوا تو اُن سے اپنے والد کے حق میں سفارش کا تصور کیونکر ممکن ہے؟ لہٰذا مصنف کا اس روایت کو موضوع قرار دینا علمِ اصولِ حدیث کے مطابق درست ہے، کیونکہ علماء اصولِ حدیث کے نزدیک کسی روایت کے وضعی ہونے کی علامات میں سے اِس علامت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ کسی راوی کی پیدائش، وفات پھر اُس سے نچلے راوی کی پیدائش ووفات، کسی اہم واقعہ کی تاریخ، راویوں کی معاصرت، اُن کی باہمی ملاقات کا امکان وعدم امکان وغیرہ امور کا تجزیہ ایسے ہی تاریخی شواہد سے کرتے ہیں اور انہیں کی روشنی میں کسی حدیث کی صحت وعدم صحت کو پرکھتے اور جانچتے ہیں۔

سیدہ کے نکاح اور رخصتی کی تاریخ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا نکاح دو ہجری میں ہوا جبکہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تین ہجری میں حرمِ نبوی ﷺ میں شامل ہوئیں۔ یہ بات بجا ہے، چنانچہ امام ابن الجوزی سیدہ کی سوانح میں لکھتے ہیں:

> **تزوجها علي عليه السلام فی السنة الثانية من الهجرة في رمضان وبنى بها في ذی الحجة.**
>
> ”اُن کے ساتھ سیدنا علی علیہ السلام کا دو ہجری رمضان المبارک میں نکاح ہوا اور اسی سال ذی الحج میں رخصتی ہوئی“۔

(صفة الصفوة ج٢ ص ٥، تاريخ الخميس ج٢ ص ٧٥)

نکاح اور رخصتی کے ماہ وتاریخ میں اور اقوال بھی ہیں اور انہیں قولِ ضعیف کے طور پر نقل کیا گیا ہے مگر سال کے بارے میں اختلاف کو قبول نہیں کیا گیا، چنانچہ بعض نے غزوۂ احد کے بعد رخصتی کا قول کیا تو

علماء نے اس قول کو قبول نہیں کیا، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے "الاصابۃ" میں اس قول کو مسترد کر دیا ہے۔

(الإصابة ج٨ص٢٦٤، زرقاني على المواهب ج٤ص٣٣٣)

جبکہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تین ہجری شعبان المعظم میں ہوا تھا اور اسی سال پندرہ رمضان المبارک میں سیدنا امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

(تاريخ الخميس ج٢ص١٧٧،١٧٨)

یہاں ہمارا اصل مقصد تو تھا سیدۂ کائنات علیہا السلام کی شادی اور رخصتی کی تاریخ کا اندراج لیکن ہم نے اسے مصنف رحمہ اللہ کے استدلال کی تقویت کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ استدلال اور معلومات دونوں فائدے اکٹھے حاصل ہو جائیں۔

نکاحِ سیدہ میں امیدواروں کی کثرت

وعن ابن عباس كانت فاطمة تُذكَرلرسول اللهﷺ، فلايذكرُها أحدٌ إلاصدَّ عنه فيسئوا منها،فلقى سعد بن معاذ قال:إني والله ماأراه يَحْبِسُهاإلا عليك،فقال:ما أنابأحدالرجلين ،ما أنا بصاحب دنيايلتمسها مني وقدعلم: مالي صفراء ولا بيضاء، وما أنابالكافرالذي يترفق بها عن دينه.[يعني مبالغة بها]إني لأول من أسلم .

فقال:سعدعزمت عليها لتفرجها عني، فإن لي في ذلك فرجاً ماذا أقول؟اقال:تقول :جئت خاطباً إلى الله وإلى رسوله،فقال النبي ﷺ من كلمة ضعيفة ،ثم رجع إلى سعد، فقال له :لم يزد على أن رحب بي، من كلمة ضعيفة،قال: أنكحك.والذي بعثه بالحق إنه لاخلف ولا كذب

عنده، أعزم عليك، فلتأتينه غداً، فأتاه، فقال: يا نبي اللّٰه، متىٰ؟ قال الليلة: إن شاء اللّٰه، ثم دعا ثلاثاً، فقال: زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون سنة أمتي الطعام عند النكاح فخذ شاة، وأربعة أمداد، واجعل قصعةً اجمعُ عليها المهاجرين والأنصار، فإذا فرغت فآذني، ففعل، ثم أتاه بقصعة فوضعها بين يديه، فطعن في رأسها وقال: أدخل الناس رفة بعد رفة فجعلوا يردون كلما فرغت رفة، وردت أخرى حتى فرغوا، ثم عمد إلى ما فضل منها، فتفل فيها، فوضعها بين يديه، وبارك، وقال: احملها إلى أمهاتك، وقل لهن: كلن وأطعمن من غشيكن، ثم قام فدخل على النساء فقال: زوجت بنتي ابن عمي، وقد علمتن منزلها مني، وأنا دافعها إليه، فدونكن، فَقُمْنَ فطيبنها من طيبهن وألبَسْنَها من ثيابهن، وحُلِيِّهن، فدخل، فلم رأته النساء ذهبن، وتخلفت أسماء بنت عُمَيْس. فقال: على رِسْلِكِ من أنت؟.

قالت: أنا التي أحرس ابنتك.

إن الفتاة ليلة زفافها لابد لها من إمرأة قريبة منها إن عرضت لها حاجة، أو أرادت أمراً أفضت إليها به.

قال: فإني أسأل إلهي أن يحرسك من بين يديك ومن خلفك، وعن يمينك وشمالك من الشيطان الرجيم ثم خرج بفاطمة، فلما رأت علياً لاما له! فقال: ما يبكيك؟! ما ألومك في نفسي، وقد أصبت لك خير أهلي، والذي

نفسي بيده، لقد زوجتك سيداً في الدنيا وفي الآخرة لمن الصلحين.

فدنا منها.. قال آتيني بالمخضب فأمليه.

فأتت أسماء به فمج فيه، ثم دعا فاطمة فأخذ كفامن ماء فضرب على رأسها و بين قدميها، ثم التزمها فقال:

اللّٰهم، إنها مني، وإني منها، اللّٰهم كما أذهبت عني الرجس وطهرتني فطهرها.

ثم دعا بمخضب آخر فصنع بعلي كما صنع بها ثم قال: قُومَا، جمع الله شملكما، وأصلح بالكما. ثم قام وأغلق عليهما بابه.

[رواه الطبراني بإسناد ضعيف].

سیدنا ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے نکاح کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بہت کیا گیا لیکن جس نے بھی ذکر کیا اُس پر دروازے بند ہو گئے تو وہ مایوس ہوا۔ پھر سعد بن معاذ ﷺ حضرت علی ﷺ کو ملے اور کہا: خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ اُسے تمہاری خاطر روک رکھا ہے، انہوں نے کہا: میں اُن دو شخصوں کی طرح نہیں ہوں، میں صاحبِ دنیا نہیں ہوں کہ کوئی بات پوری کرسکوں اور حضور ﷺ جانتے ہیں کہ میرے پاس کوئی سونا چاندی نہیں ہے اور نہ ہی میں کافر ہوں کہ اس نکاح کے ذریعہ میرے دل کو نرم کیا جائے یہ مبالغۃً کہا، میں پہلا مسلمان ہوں۔ اس پر حضرت سعد نے کہا: میں یقین کرتا ہوں کہ تم اس میں کامیاب ہو گے، مجھے بڑی امید ہے، فرمایا: میں جا کر کیا کہوں؟ انہوں نے کہا: آپ جا کر عرض کریں: میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں درخواستِ نکاح لایا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے آہستگی سے فرمایا: مرحبا: پھر آپ حضرت سعد ﷺ کی طرف لوٹے اور بتایا: انہوں نے مجھے آہستگی سے مرحبا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا: حضور ﷺ نے تمہارا نکاح کر دیا۔ اُس ذات کی قسم اُن کے ہاں نہ

جھوٹ ہے اور نہ وعدہ خلافی ہے، تم اُنہیں پانے کا عزم کرلو اور کل پھر اُن کی بارگاہ میں حاضری دو۔ پس حضرت علی نے دوسرے روز آ کر عرض کی یارسول اللہ! کب؟ فرمایا: اِن شاء اللہ آج شب، پھر آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی، پھر فرمایا: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ کر دیا، اور میں پسند کرتا ہوں کہ نکاح کے وقت میری امت کے لیے طعام کا بندوبست ہو، لہٰذا تم ایک بکری اور چار مُد (تقریباً پانچ کلو گرام) آٹا لو اور ایک بڑے برتن پر مہاجرین وانصار کو جمع کرو، جب تیار ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرو، پس انہوں نے ایسا کیا پھر پیالہ کو لا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا حضور ﷺ نے اس پیالہ کے درمیان میں کچھ عمل کیا اور فرمایا: ٹولی ٹولی کر کے لوگوں کو بلاؤ، پس وہ آنا شروع ہو گئے جب ایک ٹولی فارغ ہوتی تو دوسری آ جاتی حتیٰ کہ سب فارغ ہو گئے تو حضور ﷺ نے بچے ہوئے کھانے کی طرف توجہ فرمائی اور اس پر تھتکار کر علی کے سامنے رکھا اور دعا فرمائی، پھر فرمایا: اس کو اپنی ماؤں (امہات المومنین) کے پاس لیجاؤ اور انہیں عرض کرو کہ کھاؤ اور کھلاؤ۔ پھر حضور ﷺ اٹھے اور ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ کر دیا ہے اور تم جانتی ہو کہ اُس (فاطمہ) کی میرے نزدیک کیا منزلت ہے؟ میں اسے علی کی طرف بھیجنے والا ہوں پس تم اس کا خیال کرو۔ تو وہ سب اٹھیں اور اپنی خوشبو سے انہیں خوشبو لگائی اپنے لباس سے انہیں ملبوس کیا اور اپنے زیورات سے انہیں مزین کیا۔ پھر حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے تو امہات المؤمنین آپ کو دیکھ کر باہر چلی گئیں اور حضرت اسماء بنت عمیس باقی رہ گئیں، حضور ﷺ نے فرمایا: تم ٹھہرو، تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میں وہ ہوں جو آپ کی بیٹی کی نگہداشت کرے گی، کیونکہ بچیوں کے لیے شب زفاف میں کسی خاتون کا قریب ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کو کوئی ضرورت پیش آئے یا کوئی معاملہ ہو تو وہ اسے پورا کرے۔ فرمایا: ہم دعا کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمہارے آگے پیچھے اور دائیں بائیں شیطان مردود سے حفاظت فرمائے، پھر آپ حضرت فاطمہ کو لے کر باہر آئے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو رو پڑیں، حضور ﷺ نے محسوس فرمایا: شاید یہ اس لیے رو رہی ہیں کہ علی کے پاس کوئی مال نہیں، تو فرمایا: بیٹا کیوں روتی ہو؟ میں نے تمہارے بارے میں اپنی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور میں نے اپنے اہلِ بیت سے تمہارے لیے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے، اس

ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے: میں نے تمہارا نکاح دنیا میں سردار کے ساتھ کیا ہے اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے: پھر حضور ﷺ اُن کے قریب تشریف لائے اور فرمایا: میرے پاس بڑا برتن لاؤ، حضرت اسماء لے آئیں تو حضور ﷺ نے اُس میں کلی کی، پھر سیدہ فاطمہ کو بلایا اور ایک چلّو پانی لے کر اُن کے سر اور سامنے چھڑکا پھر اُنہیں اپنے ساتھ چمٹا کر کہا: اے اللہ! یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، اے اللہ! جس طرح تو نے مجھ سے ہر عیب دار چیز کو دور کر دیا ہے اور مجھے پاک فرمایا ہے اسی طرح اس کو بھی پاک فرمادے۔ پھر ایک بڑا برتن منگوایا اور حضرت علی کے ساتھ وہی عمل کیا جو سیدہ کے ساتھ کیا تھا، پھر فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے ملاپ میں برکت فرمائے اور تمہارا معاملہ بہتر فرمائے۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اُور اُن کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(المعجم الکبیر ج۹ ص۳۶۸، ۳۶۹ رقم ۱۸۴۵۵، المصنف لعبدالرزاق ج۵ ص۳۳۷ رقم (۹۸۴۴) ۲۷۳۲)، مجمع الزوائد ج۹ ص۲۰۸ وطبعة أخریٰ ج ۹ ص ۳۳۳ رقم ۱۵۲۱۳، جامع الآثار فی السیر ومولد المختار ﷺ ج۳ ص۴۸۸)

یہ کافی طویل حدیث ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مخصوص جملے درج فرمائے ہیں اور اس کی سند بھی کمزور ہے، حافظ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اس کی سند میں یحییٰ بن علاء متروک ہے اور حافظ عسقلانی نے لکھا ہے: "رُمِیَ بالوضع" (اس پر حدیث گھڑنے کا الزام ہے)۔

(تقریب التهذیب ج۲ ص٦٦٤)

لیکن مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اِس سے اور اس سے پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان دونوں کے جملوں کی آئندہ حدیث کے ساتھ مطابقت کی کوشش فرمائی ہے۔ بادی النظر میں مصنف کا خیال درست ہے، کیونکہ ضروری تو نہیں کہ جھوٹے انسان کی ہر بات جھوٹی ہو، ہاں اگر اس کا کوئی جملہ دوسری احادیث سے ٹکراتا ہو تو پھر الگ بات ہے۔

نکاحِ زہراء ومرتضیٰ میں انصار رضی اللہ عنہم کا تعاون

وعن بُرَيدةَ قال: قال نفرمن الأنصار لعليٍّ: عندك فاطمة، فأتى رسول الله ﷺ فقال: ماحاجة ابن أبي طالب؟ فقال: يارسول الله، ذكرت فاطمة فقال: مرحباً وأهلاً! لم يزدعليها، فخرج علي بن أبى طالب إلى رهط من الأنصار ينتظرونه، فقالوا: ماوراءك؟ قال: ما أدري غير أنه قال: مرحباً وأهلاً قالوا: يكفيك من رسول الله ﷺ إحداهما: أعطاك الأهل والمرحب، فلما كان بعد مازوّجه قال: ياعلي، إنه لابد للعروس من وليمة.

قال سعد رضی اللہ عنہ: عندى كبش، وجمع له الأنصار أصوعامن ذرّة، فلما كان ليلة البناء، قال: لاتحدث شيئاً حتى تلقاني! فدعا رسول الله ﷺ بماءٍ فتوضأمنه ثم أفرغه عليٍّ فقال: "اللّٰهم بارك فيهما وبارك لهما في بنائهما.

[رواه الطبراني بإسناد صحيح].

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کے انصار رضی اللہ عنہم کے چند حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا: فاطمہ تمہارے قریب ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ابوطالب کے فرزند کیا کام ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میں فاطمہ کا ذکر کرتا ہوں۔ فرمایا: مرحباً و اھلاً، مزید کچھ نہ فرمایا: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ انصار کے اُن حضرات کی طرف لوٹ آئے جو اُن کی انتظار میں تھے تو انہوں نے پوچھا: کیا جواب لائے ہو؟ فرمایا: اور تو میں کچھ نہیں جانتا ماسوا اس کے کہ انہوں نے فرمایا: مرحباً و اھلاً: انصار نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے تمہیں اتنا ہی کافی ہے، تمہیں انہوں نے اہل اور کشادگی عطا فرمادی۔ پھر جب بعد میں نکاح ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا: علی! شادی کے لیے ولیمہ ضروری

ہے۔اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس ایک مینڈھا ہے،اور دوسرے انصار نے چند صاع گندم جمع فرمائی۔ پھر جب شب زفاف آئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے آنے تک کچھ نہ کرنا، پھر رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا پھر اس سے کلی فرمائی پھر مجھ پر چھڑکا، پھر دعا فرمائی: اے اللہ! ان دونوں میں برکت فرما اور ان کی صحبت میں برکت فرما۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج١ ص٢٩٦ رقم١١٣٨، مسند الصحابة للروياني ج١ ص٢٣ رقم٣٥، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٦ ص٧٢ رقم١٠٠٨٨، وطبعة أخرىٰ ج٩ ص١٠٦ رقم ١٠٠١٦، عمل اليوم الليلة ص٩٦ رقم٢٥٩، عمل اليوم الليلة لابن السني ص٢١٣ رقم ٢٠٥، ٢٠٧، مسند البزار ج١٠ ص٣٤٠ رقم٤٤٧١، جامع المسانيد لابن الجوزي ج١ ص٣٤٠ رقم٧٠٩، كشف الأستار عن زوائد البزار ج٢ ص١٥١ رقم١٤٠٧، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج٢ ص٣٤٦ رقم١٩٩٣، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٢٥٣، الذرية الطاهرة النبوية للدولابي ص ٦٥ رقم٩٤، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٨ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص ٣٣٥ رقم ١٥٢١٤، الثغور الباسمة ص١٩ رقم١٧)

سابقہ احادیث کی حدیثِ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مطابقت

اس حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ مصنف نے لکھا اور حافظ ھیثمی نے امام بزار اور امام طبرانی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ ان دونوں کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں ماسوا عبد الکریم بن سلیط کے، اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔اس پر حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: میں کہتا ہوں: اور ماسوا امام بزار کے شیخ کے، لیکن تمام راوی ثقہ ہیں اور سند حسن و متصل ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی صحت کے پیشِ نظر مصنف رحمہ اللہ نے اس کے اور سابقہ احادیث کے جملوں میں مطابقت دینے کی کوشش فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

ولا يعارضه ماسبق: أن الذي نبهه لذلك العمران.

وما في حديث ابن عباس: أن سعداً لما خرج له ثم لقيه سعد، فحثه عليه

من غير أن يعلم أحدهم بما فعله الآخر.

ولاحديث أسماء. إذ مرادها وليمة عليّ ماقام به بنفسه غيرما جاء

به الأنصار وسعداً،أوأن الوليمة تعددت فيما دفعه المصطفى لها للنساء.

وبقية حديثهايشهد له،وذاك للرجال.

ولا حديث أنس المصرح بإيقاعه عليهما،لتغاير الكيفية كما أفاده

المحب الطبري.

یہ حدیث اُس حدیث سے متصادم نہیں جس میں ہے کہ اس رشتہ کے لیے سیدنا علی کو شیخین کریمین ﷺ نے ابھارا تھا،اور نہ ہی وہ حدیث متصادم ہے جس میں ہے کہ حضرت علی ﷺ نکلے تو حضرت سعد ﷺ سے ملے تو انہوں نے انہیں اس بات کی رغبت دی، یہ جانے بغیر کہ انہیں دوسرے حضرات بھی رغبت دے چکے تھے۔

اور نہ ہی حدیثِ اسماء اس حدیث سے متصادم ہے، کیونکہ اُس میں اُس ولیمہ کا ذکر ہے جو سیدنا علی المرتضی ﷺ نے خود کیا تھا جس میں حضرت سعد اور دوسرے انصار ﷺ شامل نہیں تھے،یا یہ کہ ولیمہ کئی بار ہوا، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کو کھانا بھیجا اور اس کی تائید حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے،اور دوسری دفعہ مرد حضرات کے لیے ولیمہ کیا گیا۔

اور حدیث انس میں جو دونوں (مرتضی وزہراء رضی اللہ عنہما) پر پانی چھڑکنے کا ذکر ہے وہ بھی پانی چھڑکنے کی کیفیت میں تبدیلی کی وجہ سے اس سے متصادم نہیں،جیسا کہ محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

(ذخائر العقبیٰ للمحب الطبري ص٤٦)

مرتضیٰ وزہراء کی شادی کے موقعہ پر مخصوص عملِ نبوی، علیہم السلام

یہ اور اس سے سابقہ احادیث میں مذکور ہے کہ سید الانبیاء ﷺ نے سیدنا فاطمۃ الزہراء اور علی علیہما السلام کے حق میں خاص اہتمام فرمایا، چنانچہ پہلے تو اُن پر پانی چھڑکا اور فقط خالی پانی نہیں بلکہ دہن اقدس کی کلی کا پانی چھڑکا۔ ایک حدیث میں ہے:

فدعا رسول اللہ ﷺ بتور من ماء، فتفل فیه وعوّذ فیه، ثم دعا علیاً فرشّ من ذلک الماء علیٰ وجهه وصدره وذراعیه، ثم دعا فاطمة ...... ففعل بها مثل ذلک.

”رسول اللہ ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرما کر اس میں تھوک کی آمیزش کے ساتھ دم فرمایا اور تعوذ کیا، پھر حضرت علی کو بلا کر وہی پانی اُن کے چہرے، سینے اور بازوؤں پر چھڑکا، پھر سیدہ فاطمہ کو بلا کر ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا“۔

(السنن الکبریٰ للنسائي ج۷ ص۴۵۳ رقم۸۴۵۶ وطبعة أخریٰ ج۵ ص۱۴۴ رقم۵۸۱۰، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۸ ص۲۵۴)

مرتضیٰ وزہراء کی شادی کے موقعہ پر مخصوص دعاءِ نبوی، علیہم السلام

اس مخصوص عمل کے ساتھ ساتھ سید الانبیاء ﷺ نے اس جوڑے کے حق میں دعا بھی مخصوص فرمائی، جیسا کہ زیرِ تشریح حدیث میں الفاظ ہیں:

اللّٰھم بارک فیھما وبارک لھما في بنائھما.

”اے اللہ! ان دونوں میں برکت رکھ دے اور ان دونوں کی اولاد میں برکت رکھ دے“۔

بعض کتب حدیث میں یوں الفاظ آئے ہیں:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمَا، وَبَارِکْ عَلَیْھِمَا، وَبَارِکْ لَھُمَا فِيْ شِبْلِھِمَا

”اے اللہ! ان دونوں میں برکت رکھ، اور ان دونوں پر برکت نازل فرما اور ان دونوں

کی اولاد میں برکت فرما"۔

(السنن الكبرىٰ للنسائي ج٩ص١٠٦رقم١٠٠١٦وطبعة أخرىٰ ج٦ص٧٢،٧٣رقم ١٠٠٨٧،عمل اليوم والليلة للنسائي ص ٩٦،رقم ٢٥٩، عمل اليوم والليلة لابن السني ص ٢١٤رقم ٦٠٥،٦٠٦،٦٠٧،الذرية الطاهرة للدولابي ص٦٤رقم٩٤،مجمع الزوائدج٩ص ٢٠٩وطبعة أخرىٰ ج٩ص ٣٣٥رقم١٥٢١٤، طبراني كبيرج٢ص ٤رقم ١١٥٣)

بعض میں آخری الفاظ "شبلهما" یا"شبليهما" کی بجائے"في نَسْلِهِما" کے ہیں۔

(مسندالروياني ص٢٣،٢٤رقم٣٥،الطبقات الكبرى لابن سعدج٨ص٢٥٣،الاصابة ج ٨ ص٢٦٥،أسدالغابة ج٧ص٢٤٠)

"فِي نَسْلِهِما" کے الفاظ اپنے معنی میں واضح ہیں لیکن "شِبْلَيْهِمَا" کے الفاظ کچھ غور طلب ہیں، ان میں اولاد کا معنی تو پایا جاتا ہے مگر عام اولاد کا نہیں۔ چنانچہ امام مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الشِبلُ: بالكسر ولد الأسد" (شین کی زیر کے ساتھ "شِبل" کا معنی ہے شیر کی اولاد"۔

(القاموس المحيط ص١٣١٥)

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ الفاظِ حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

فهو كشف له فأطلق الشبلين على الحسن والحسين رضي الله عنهما.

"پس یہ حضور اکرم ﷺ کا کشف ہے، سو آپ نے شبلین (دو شیروں) کا اطلاق سیدنا امام حسن اور امام حسین رضي الله عنهما پر فرمایا ہے"۔

(مجمع بحار الأنوار ج٣ص٢٥٩)

امام محب الدین الطبری نے "في شملهما" سے یہ حدیث ذکر کر کے لکھا ہے کہ امام انسائی اور امام دولابیؒ نے "في شبليهما" کا لفظ ذکر کیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تصحیف (غلطی) ہے اس کے بعد حسب عادت الفاظ حدیث کی لغوی تشریح کی طرف جب آئے تو لکھا:

والشبل ولد الأسد فيكون ذلك إن صح كشف وإطلاع منه وأطلق على الحسن والحسين شبلين وهما كذلك.

''شبل'' شیر کے بچے کو کہا جاتا ہے، اگر یہ لفظ صحیح منقول ہو تو یہ حضور اکرم ﷺ کا کشف اور آپ کی طرف سے ایک پیش گوئی ہے اور آپ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پر شبلین کا اطلاق فرمایا ہے اور وہ دونوں ایسے ہی تھے''۔

(ذخائر العقبیٰ ص ٤٥،٤٦)

امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بات یعنی "شبلین" کو تصحیف قرار دینا درست نہیں ہے البتہ اُن کی دوسری بات صحیح ہے۔

علامہ وحید الزماں لفظ "شبل" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"بارک في شبليهما" ان دونوں کے شیر بچوں میں برکت رکھ دے۔ یہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح کے وقت دعا دی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہوگا (کہ) امام حسن اور امام حسین علیهما السلام (پیدا ہوں گے) اور شبل ان کو اس لیے کہا کہ یہ دونوں شہزادے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے جو شیر خدا تھے، شجاعت اور بہادری اور سپاہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے''۔

(لغات الحدیث للعلامة وحید الزمان ج ٢ ص ٤٢٨)

ایسی جامع دعا کرنے میں نبی کریم ﷺ اس قدر منہمک ہوئے کہ اس مقدس جوڑے کو ان کی آرام گاہ میں چھوڑنے کے بعد جب پشت پھیر کر جا رہے تھے تو مبارک لبوں پر دعا ہی کے الفاظ جاری تھے۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

ثم خرج فولّٰى، قالت: فمازال يدعو لهما حتى توارىٰ في حجره.

''پھر حضور ﷺ باہر نکلے تو پلٹتے ہوئے دونوں کے لیے مسلسل دعا فرما رہے تھے حتیٰ کہ دعا کرتے کرتے اپنے حجرہ میں داخل ہو گئے''۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص ١٩٨٤٥، فضائل الصحابة ج٢ ص ٧٠٢ رقم ٩٥٨، المُصَنَّف لعبد الرزاق ج٥ ص٣٣٧ رقم (٢٧٣٢) ٩٨٤٤، الرياض النضرة ج٤ ص١٢٣)

حافظ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے راویوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٩، ٢١٠ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٣٣٧ رقم ١٥٢١٦)

اس سے قبل متن میں اسماء بنت عمیس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک حدیث نقل فرما چکے ہیں، جسے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل نقل نہیں فرمایا، اُس کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فأخبرتني أسماء بنت عميس أنها رَمَقَتْ رسولَ الله ﷺ يدعو لهما خاصةً لايشركهما في دعائه أحداً حتى توارىٰ في حجرته ﷺ.

”مجھے اسماء بنت عمیس نے بتلایا کہ وہ بہ غور رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی رہیں، حضور ﷺ نے اُن دونوں کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی دعا میں کسی اور کو شریک نہ فرمایا یہاں تک کہ دعا کرتے کرتے اپنے حجرہ میں داخل ہو گئے“۔

(المعجم الكبير ج٩ ص٣٧٠ رقم ١٨٤٥٥، وج١٠ ص٢٢١ رقم ١٩٨٤٢)

ہم نے اس عمل اور دعا کو مخصوص اس لیے کہا ہے کہ ایسا عمل سید الانبیاء ﷺ سے اُن کی کسی دوسری بیٹی کے حق میں منقول نہیں ہے۔ ذرا اس اہتمامِ خداوندی اور انتظامِ نبوی کا تصور تو فرمایئے:

- داماد، ماں باپ دونوں کے لحاظ سے ھاشمی ہے،
- پھر شروع سے ہی تربیتِ نبوی ﷺ میں ہے،
- بیٹی تمام بیٹیوں سے افضل اور سب کی سیدہ ہے،
- دونوں کا نکاح وحی اور حکمِ الٰہی سے ہو رہا ہے،
- پھر خاص طور پر حکم ہو رہا ہے، علی! اپنی اہلیہ کے کمرے میں جاؤ مگر ہماری انتظار کرنا،
- پھر پانی طلب فرمایا جا رہا ہے اور اس پر استعاذہ کے الفاظ پڑھے جا رہے ہیں،
- پھر پانی پر اُس آبِ دہن کی آمیزش سے دم کیا جا رہا ہے جس سے اشیاء کی ماہیت بدل جاتی تھی،

- پھر زوجین کے اندر، اُن کے اوپر، اُن کی صحبت اور اُن کی نسل کے لیے دعا ہو رہی ہے،
- اور آخر میں محبوبِ خدا اور امام الانبیاء ﷺ خود ہی اُن کا دروازہ بند فرما کر دعائیں مانگتے ہوئے واپس جارہے ہیں۔

اللّٰہ اکبر! داماد خاندان کے لحاظ سے روئے زمین کے تمام خاندانوں سے افضل ہے، تربیت اُس گھر میں پائی ہے جس سے افضل روئے زمین پر اور کوئی گھر نہیں، دلہن ایسی جس سے افضل کائنات میں کوئی خاتون نہیں، نکاح خواں ایسا جس سے افضل خدا کی پوری مخلوق میں کوئی نکاح خواں نہیں، دعا مانگنے والا ایسا جس سے بڑھ کر کوئی مجاب الدعاء نہیں اور دعا ایسی جامع کہ اس سے زیادہ جامعیت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ لہٰذا خود بتلایئے! کیا اس جوڑے کی عظمت اور ان کی اولاد کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؟

شادی کے موقعہ پر زوجین کو مبارک دینے کے الفاظ

چونکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا مرتضٰی وزہراء رضی اللہ عنہما کو دعا دی اس لیے علماء اسلام نے ان الفاظ کو شادی کے موقعہ پر میاں بیوی کو دعا دینے کے الفاظ میں شامل کرلیا، جبکہ زمانہ جاہلیت میں میاں بیوی کو مبارک باد کے طور پر کہا جاتا تھا: "بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِیْنَ" (یعنی تم دونوں میں اتفاق رہے اور تمہارے ہاں بیٹے پیدا ہوں) اس میں بیٹیوں سے بے اعتنائی کا اشارہ پایا جاتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ کو مسترد فرمادیا، چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

> "سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بصرہ سے تشریف لائے اور وہاں انہوں نے بنو خزیم کی ایک عورت سے شادی کی تھی تو لوگ کہنے لگے: "بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِیْنَ" انہوں نے فرمایا: اس طرح کہو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمْ وَبَارَکَ لَکُمْ" (اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے لیے برکت فرمائے)"۔

(سنن النسائي ج٦ ص٤٣٨ رقم٣٣٧١، سنن ابن ماجه ج٢ ص٤٤٢ رقم١٩٠٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ وَبَارَکَ عَلَیْکَ وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ.

''اللہ تعالیٰ آپ میں اور آپ پر برکت فرمائے اور تمہارے ملاپ میں بہتری فرمائے''۔

(جامع الترمذي ص ٢٦٢ رقم ١٠٩١، سنن أبي داود ج ٢ ص ٣٣١ رقم ٢١٣٠، عمل اليوم والليلة لابن السني ص ٢١٣ رقم ٦٠٤)

والدین یا سربراہ کن الفاظ میں دعا دیں؟

محدثین کرام نے شادی کے موقعہ پر ماں باپ یا کسی بھی سربراہ کے لیے انہیں الفاظ سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے جن سے رسول اللہ ﷺ نے سیدتنا فاطمۃ الزہراء وعلی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو دعا دی تھی، یعنی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِي شَمْلِهِمَا.

''اے اللہ! ان دونوں میں برکت فرما، ان دونوں پر برکت فرما اور ان دونوں کے ملاپ میں برکت فرما''۔

(عمل اليوم والليلة لابن السني ص ٢١٤ رقم ٦٠٧)

سنتِ ولیمہ کی تاکید

زیر تشریح حدیث میں ایک ارشاد نبوی ﷺ یہ بھی ہے:

یاعلي إنه لابد للعرس من وليمة.

''علی! شادی کے لیے ولیمہ ضروری ہے''۔

اس لیے یہاں ہم ولیمہ کے متعلق چند ہدایات نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

❁ ولیمہ سنت ہے، اور یہ وہ طعام ہے جو شب زفاف کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس میں شرکت کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:

''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ قبول کرے''۔

(بخاري ص ٩٢٤ رقم ٥١٧٣)

ایک حدیث شریف میں ہے:

''جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے، پھر اگر وہ روزے دار ہو تو دعا کرے اور اگر روزے دار نہ ہو تو کھائے''۔

(صحیح مسلم ٦٠٥ رقم ٣٥١٨)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

''جو شخص دعوت پر نہ گیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی''۔

(بخاري ص ٩٢٥ رقم ٥١٧٧)

یہ انتہائی تاکید ہے لیکن اگر کوئی معقول عذر اور مجبوری ہو تو پھر شرکت نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ معقول عذر اور مجبوری کی صورتیں یہ بیان کی گئی ہیں: وہاں خلاف شرع باتیں ہوں، صاحب دعوت ریاکاری اور نمود ونمائش کا مظاہرہ کر رہا ہو تو پھر نا جانا بہتر ہے بلکہ علماء وصلحاء کو جانا جائز ہی نہیں۔

(ردالمحتار ج٩ ص ٤٢٢)

ایک معقول عذر یہ بھی ہے کہ بڑے شہروں میں دعوتِ ولیمہ اکثر رات میں کرتے ہیں اور عموماً دلہن یا دولہا کے پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی ہے اور شرکائے ولیمہ کو طویل انتظار کے بعد شب کے بارہ، ایک بجے کے بھی بعد کھانا دیا جاتا ہے جس کا برا اثر یہ ہوتا ہے کہ تہجد خواں لوگوں کی تہجد اور عام لوگوں کی فجر کی نماز رہ جانے کا قوی امکان پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسے ولیمہ وغیرہ میں اگر کوئی شخص نہ جائے تو یہ ایک معقول عذر ہے، بلکہ اگر کوئی معتبر شخص یہ عذر برملا بیان کر دے کہ چونکہ آج کل ولیمہ وغیرہ محافل میں بہت تاخیر ہوتی ہے اس لیے میں شرکت سے معذور ہوں تو وہ ثواب کا بھی حقدار ہوگا، کیونکہ یہ بات نہی عن المنکر میں شامل ہے اور نہی عن المنکر پر ثواب ملتا ہے، نیز اس سے تاخیر کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں وقت کی قدر و قیمت اور پابندی کا احساس پیدا ہوگا۔

ہم نے ولیمہ کے ساتھ ''وغیرہ'' کا لفظ اس لیے لگایا ہے کہ کوئی بھی ایسی محفل اور دعوت جس میں قیمتی وقت بلاوجہ خرچ ہو جائے، یا بظاہر بلاوجہ نہ ہو بلکہ ذکر واذکار ہوتا رہے جیسا کہ مروّجہ بے ڈھنگی محافل، لیکن پھر بھی ایسی محافل میں نہ جانا بہتر ہے، کیونکہ نامناسب طوالت کی وجہ سے نماز رہ جاتی ہے، اور دوسرے دن

معمول کا کام تاخر اور تعطّل کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء سے قبل سو جانے کو اور اس کے بعد گفتگو کو ناپسند سمجھتے تھے: "كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا" (بخاري ص ۹۹ رقم ۵۹۹) اور ظاہر ہے کہ ناجائز گفتگو تو ہر وقت ہی ناپسندیدہ ہے۔

ولیمہ ایسی دعوت ہے جس میں امیر و غریب سب کو مدعو کرنے کا حکم ہے، اگر اس میں فقط امراء کو ہی مدعو کیا جائے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ بات ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء.

"برا کھانا اُس ولیمے کا کھانا ہے جس کے لیے امیروں کو مدعو کیا جائے اور فقیروں کو چھوڑ دیا جائے"۔

(بخاري ص ۹۲۵ رقم ۵۱۷۷)

ہمارے ہاں الا ماشاء اللہ رواج ہی یہ ہو گیا ہے کہ اُمراء کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اگر کوئی غریب فقیر از خود آ جائے تو اُسے ناگوار سمجھا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے! ایسی حرکتوں سے ولیمے کا مکمل کھانا برا طعام ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمان خود سوچے کہ وہ فقراء کو شریک کر کے پورے طعام کو بابرکت اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول بنانا چاہتا ہے یا انہیں نظر انداز کر کے مکمل طعام کو "شر الطعام" (برا کھانا) بنانا چاہتا ہے!

افسوس کہ آج کا مسلمان اس قدر بے پرواہ اور شریعت سے بے خبر ہو چکا ہے کہ اب ولیمہ تو کیا عام خیرات حتیٰ کہ ایصالِ ثواب تک کے کھانے میں طبقۂ امراء کو آگے رکھا جاتا ہے اور فقراء کو نظر انداز کیا جاتا ہے، حالانکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ عام ایصالِ ثواب کا کھانا غنی لوگوں پر حرام ہے۔

شادی اور ولیمہ میں معاونت

زیرِ بحث حدیث میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی شادی اور ولیمہ وغیرہ میں اُس کی معاونت کی جائے، جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعاون کیا۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی کسی کی بھی شادی میں تعاون کرنا بہت ہی ثواب

ہے، کیونکہ شادی سے انسان زندگی کے ایسے دور میں داخل ہوتا ہے جس میں نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اُس کے اندر معاشرہ کی دوسری اقدار کو سمجھنے اور حسبِ استطاعت سلجھانے کی صلاحیت بھی آنے لگتی ہے۔ لہٰذا خود ہی غور فرمایئے کہ ایسے عمل میں تعاون کس قدر بابرکت اور اجروثواب کا حامل ہوگا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس معاونت سے انسان "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" (خدائی صفات اپناؤ) کا مصداق ہو جاتا ہے۔

ولیمہ میں سادگی

عموماً یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ولیمہ میں جانور ذبح کرنا یا گوشت کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ تصور درست نہیں، بلکہ حسبِ استطاعت جو چیز بھی میسر آئے وہی بہتر ہے۔ امام مالک بن انس ﷜ لکھتے ہیں:

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولیمہ کیا اُس میں نہ گوشت تھا اور نہ ہی روٹی"۔

(الموطأ للامام مالك ج٢ ص٩٥ رقم١١٨١)

تو پھر یہ کیسا ولیمہ تھا؟ حضرت انس بن مالک ﷜ بیان کرتے ہیں:

'رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقعہ پر ولیمہ کیا تو مسلمانوں کو مدعو کیا، اس میں گوشت روٹی نہیں تھی، بس ایک دستر خوان بچھایا گیا اور اُس پر کھجور، پنیر اور مکھن رکھا گیا"۔

(بخاري ص٧١٥ رقم٤٢١٣)

دوسری حدیث میں ہے کہ یہ چیزیں بھی باہمی تعاون سے جمع ہوئی تھیں اور ان کو ملا کر ایک قسم کا حلوہ تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ عبدالعزیز بن صہیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس ﷜ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده شيء فليجيءْ به، وبسط نطعا، فجعل الرجل يجيء بالتمر، وجعل الرجل يجيء بالسمن ،قال وأحسبه قدذكر السويق ، قال: فحاسوا احيساً فكانت وليمة رسول الله ﷺ.

''جس شخص کے پاس کوئی چیز ہو وہ لے آئے، اور دستر خوان بچھا دیا گیا، پس کوئی شخص کھجور لے کر آیا، اور کوئی شخص مکھن لے آیا، راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ انہوں نے ستو کا ذکر بھی کیا تھا، اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیس (حلوہ) تیار کیا، مسلم میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے ہے کہ اُس حیس کو لوگوں نے کھایا اور بارش کے جمع شدہ پانی کو پیا، پس یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولیمہ تھا''۔

(بخاري ص٦٦ رقم١٣٧١،صحيح مسلم ص٦٠٢ رقم١ ٣٥٠)

عظیم الشان ولیمۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چونکہ یہ شادی اور ولیمہ سفر میں تھا، لہٰذا حسب موقعہ جو میسر آیا اسی کے مطابق وقت نبھا لیا جبکہ ایک اور نکاح کے موقعہ پر سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاندار ولیمہ کیا تھا، آیئے اس کی کیفیت بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امہات المومنین میں سے کسی کا ولیمہ ایسا وسیع اور افضل نہیں کیا جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تھا۔ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا:

بم أولم؟قال أطعمهم خبزاً ولحماً.

''وہ ولیمہ کیسا تھا؟ فرمایا: پیٹ بھر گوشت روٹی کھلائی تھی''۔

(صحيح مسلم ص ٦٠٣ رقم ٣٥٠٤)

تمام مسلمان اِن دونوں ولیموں میں غور کریں کہ جو وسیع اور افضل ولیمۂ نبوی تھا وہ کیا تھا اور جو حسب طاقت تھا وہ کیسا تھا، خصوصاً امراء طبقہ غور کرے، کیونکہ کوئی امیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ غنی نہیں ہے، چنانچہ اِسی بخاری میں یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود ہے کہ:

''مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور میرے ہاتھوں میں تھما دی گئیں''۔

(بخاري ص ٧٤٢ رقم ٤٣٧٥)

جن لوگوں کے دعوتِ ولیمہ پر متعدد طعام، کئی اقسام کے پھل اور شیرینی وغیرہ کا پر تکلف اہتمام کیا

جاتا ہے وہ ضرور غور کریں کہ ان کے ایسے تکلفات سے کہیں سفید پوش طبقہ تو متاثر نہیں ہوتا؟ اور سفید پوش طبقہ کو بھی غور کرنا چاہیئے، انہیں اپنے اندر اسلامی جرأت پیدا کرنا چاہیئے، چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہیئے، اور اپنی ناک یا فرضی ساکھ کی خاطر قرض کے بوجھ تلے دبنے کی بجائے سیرت نبوی ﷺ پر کاربند ہونا چاہیئے۔ راقم الحروف نے یہ سطور لکھنا ضروری سمجھا ہے تاکہ ہم سب کے سامنے خود حضور ﷺ کی اپنی شادی کے ولیمے کا، حضور ﷺ کے بیٹوں کی مانند مولیٰ علی کے ولیمے کا یا حضور ﷺ کی سب سے پیاری بیٹی فاطمہ علیہم السلام کی شادی کے ولیمے کا نمونہ آجائے۔

اس میں ہر طرح کے لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ اگر شادی کرنے والے والدین یا سربراہ ہیں تو اُن کے لیے بھی نمونہ ہے، کیونکہ سیدنا علی وفاطمہ علیہما السلام کی شادی کے موقعہ پر بیٹی اور بیٹا والے حضور ﷺ خود ہی تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی شادی خود کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی اکثر شادیاں خود کی ہیں اور وہ نمونہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اگر کوئی بیٹی والا ہے تو اس کے لیے بھی ان احادیث میں نمونہ ہے، لہٰذا بیٹی والے کچھ ایسے لوگ جو معمولی سی کمی بیشی پر آگ بگولا ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں:

"کیا دعوتِ ولیمہ ایسی ہوتی ہے، بھری برادری میں ہماری ناک ہی کٹ گئی"۔

انہیں چاہیئے کہ وہ غور کریں کہ کونین کے والی کی لختِ جگر اور کائنات کی خاتونِ اول کی شادی کے موقعہ پر ولیمہ کیسا تھا اور اُس کی اشیاء کیسے جمع ہوئی تھیں؟

سیدہ کی شادی کی بے مثال رونق

محدثین وسیرت نگار حضرات نے سیدہ کی شادی میں شرکاء حضرات کے تأثرات بھی نقل فرمائے ہیں، انہوں نے کہا: اس شادی جیسی شادی ہم نے نہیں دیکھی۔ آیئے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کیسی شادی تھی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعن جابر: لما حضرنا عرس علي وفاطمة رضي الله عنهما فما رأينا عرسا كان أحسن منه. حشونا الفراشَ يعني الليفَ وأُتينا بتمر وزبيبٍ

فأكلنا، وكان فراشها ليلة عرسها إهاب كبش.

[رواه البزار، وفيه ضعف].

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سیدنا علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی میں شریک ہوئے تھے، ہم نے اُس شادی سے خوبصورت شادی نہیں دیکھی۔ ہم نے کھجور کی چھال کا فرش بچھایا تھا اور کھجور وکشمش لائے تھے اور اسے کھلایا تھا، اور شب زفاف میں سیدہ کا بچھونا دنبے کے چمڑے کا تھا۔

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں ضعف ہے۔

(المعجم الأوسط ج۷ص۲۲۶رقم ٦٤٣٧، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج۲ص۳٤۷ رقم۱۹۹٤، كشف الأستار ج۲ص۱٥۳رقم۱٤۰۸، مجمع الزوائد ج۹ص۲۰۹ وطبعة أخرىٰ ج۹ص۳۳٦رقم۱٥۲۱٥، جامع الآثار للدمشقي ج۳ص٤۸۳، ٤۸٤، الثغور الباسمة ص۲۲رقم۲٦)

مولیٰ علی کے سکوت پر از خود کرم نبوی ﷺ

وعن علي قال: خُطِبَت فاطمة إلى رسول الله ﷺ فقالت مولاة لي: هل عَلِمتَ أن فاطمة خُطِبَت إلى رسول الله ﷺ؟ قلت: لا، قالت: فقد خطبت، فمايمنعك أن تأتي رسول الله ﷺ فيزوجك؟! فقلت: أوَعِندي شيء أتزوج به؟ فقالت: إنك إن جئته زوَّجك، فوالله مازالت تُرَجِّيني حتى دخلت عليه و كانت له جلالة وهيبة فلماقعدت بين يديه أُفحمت، فما استطعت أن أتكلم جلالةً وهيبةً! فقال: ماجاء بك؟ ألك حاجة؟ فسكتُّ. فقال: لعلك جئت تخطب فاطمة؟! قلتُ: نعم. قال: وهل عندك من شيء

تستحلها به؟ فقلت: لا والله يارسول الله! فقال: ما فعلت درع سلَّحتُكها؟ فوالذي نفس علي بيده إنها الحَطمِيَّة، ماقيمتها أربع مائة دراهم، فقلت: عندي، فقال: قد زوَّجتُكها فابعث إليها بها فاستحلها بها، فإن كانت لصداق فاطمة بنت رسول الله ﷺ.

[رواه البيهقي في الدلائل].

حضرت علی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام دیا گیا تو مجھے میری باندی نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ فاطمہ کے نکاح کا پیغام بھیجا گیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگی: اُن کے نکاح کے پیغام آنے لگے ہیں، آپ کو کونسی رکاوٹ ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جائیں تو وہ آپ کا نکاح فرما دیں؟ میں نے کہا: کیا میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ میں نکاح کر لوں؟ کہنے لگی: اگر آپ جاؤ گے تو وہ آپ کا نکاح کر دیں گے، بخدا وہ مسلسل مجھے رغبت دلاتی رہی حتیٰ کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، اور حضور ﷺ چونکہ صاحبِ جلالت و ہیبت تھے اس لیے جب میں اُن کے سامنے بیٹھا تو مجھ پر سکوت طاری ہو گیا اور بوجہ جلالت و ہیبت میں کلام کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس پر حضور ﷺ نے خود فرمایا: کیسے آئے ہو؟ کیا تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ میں خاموش رہا۔ پھر فرمایا: شاید تم فاطمہ کے نکاح کا پیغام لائے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کی بدولت تم اس سے نکاح کر سکو؟ میں نے عرض کیا: واللہ یا رسول اللہ کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: تم نے اس زرہ کا کیا کیا جس کو ہتھیار کے طور پہنتے ہو؟ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے، وہ حطمیہ زرہ تھی، اس کی قیمت چار سو درہم بھی نہیں تھی۔ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا: ہم نے اُس کے بدلے میں فاطمہ کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا، اُسے تم اُس کے پاس بھیج دو وہ تم پر حلال ہو گئی۔ پس یہ فاطمہ بنت رسول ﷺ کی حق مہر تھی۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوة للبيهقي ج ٣ ص ١٦٠، السيرة النبوية لابن إسحاق ص ٢٧٣، السنن الكبرى للبيهقي ج٧ ص ٣٣٢ وطبعة أخرى ج٧ ص ٣٨٣ رقم ١٤٣٥١، الذرية الطاهرة النبوية للدولابي ص ٦٤، جامع المسانيد لابن الجوزي ج٦ ص ١٤٩ رقم ٥٤٩٣، البداية والنهاية ج ٤ ص ١٦٢، جامع الآثار في السير ومولد المختار ج ٣ ص ٤٧٨، إتحاف الخيرة ج ٤ ص ١٢١ رقم ٣٢٧١، الثغور الباسمة ص ١٨ رقم ١٦)

حق مہر میں زرہ دی گئی یا کچھ اور؟

انسان کی عادت ہے کہ وہ کبھی کسی واقعہ کو مکمل نقل کرتا ہے اور کبھی حسبِ ضرورت اُس کا مخصوص حصہ ذکر کرتا ہے، مثلاً اگر کسی شخص کی شادی کا خرچہ ایک بکری کو فروخت کر کے کیا گیا ہو تو وہ کبھی یوں کہتا ہے کہ میری شادی پر ایک بکری خرچ آئی اور کبھی یوں ذکر کرتا ہے کہ ایک بکری فروخت کی گئی اور ہماری شادی ہوگئی۔ کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے سیدہ فاطمۃ الزہراء اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شادی کے احوال کی۔ جس راوی کے پاس جو معلومات تھیں وہی اس نے آگے پہنچائیں، کسی نے تفصیل پیش کی اور کسی نے اختصار کو ملحوظ رکھا، اسی لیے علماء کرام ایسی احادیث کو جھٹلانے کی بجائے ان کے مابین مطابقت دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں:

قال :المحب الطبري :يشبه أن العقد وقع على الدرع وبعث بها علي ثم ردها إليه رسول الله ﷺ ليبيعها فباعها، وأتاه بثمنها.

امام محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یوں معلوم ہوتا ہے کہ نکاح زرہ پر منعقد ہوا اور اسے سیدنا علی المرتضیٰ نے سیدہ فاطمہ علیہما السلام کے ہاں بھیج دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے وہ زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوٹا دی تا کہ وہ اُسے فروخت کر دیں تو انہوں نے اُسے فروخت کر دیا اور اُس کی قیمت لے آئے۔

(ذخائر العقبىٰ للمحب الطبري ص ٤٠، ٤١)

حق مہر میں دی ہوئی زرہ سے ہی شادی کا خرچ

تمام احادیث کو مدنظر رکھا جائے تو یہ مطابقت درست ہی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس سے اندازہ فرمایئے کہ کس طرح پہلے حق مہر کے وجوب کو پورا کیا گیا اور پھر اُن ہی لحات میں اُسی کی قیمت سے شادی کے دوسرے اخراجات بھی اٹھائے گئے۔ سبحان اللہ! اس ساری تفصیل میں جہاں مشکل وقت کو نبھانے کی بہترین حکمت عملی ہے وہیں دوسرے فوائد بھی پوشیدہ ہیں، فقط غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ خود سپردگی پر کاربند تھے

دراصل سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تمام معاملات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد تھے، کیونکہ وہ بیت نبوت کے ہی ایک فرد تھے۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ثم هذه الأحاديث وقائع حال فعلية محتملة ، فعدم تصريح علي بالقبول فيها لا يدل على عدم اشتراطة لاحتمال أنه قيل ما شاء لمن شاء.

ولاتدل أيضاً على عدم وجوب تسمية المهر في العقد بدليل ما رواه أبو داود عن ابن عباس قال: لما تزوج عليٌّ فاطمة قال له المصطفى: أعطها شيئاً ـ قال: ما عندي شيء ـ

قال: أنىٰ درعك الحطمية ؟

فقوله: "لما تزوج "فيه تصريح بأنه إنما ذكر ذلك بعد وقوع العقد.

اِن تمام احادیث میں جو جو واقعات وحالات مذکور ہیں سب ممکن ہیں۔ پھر اس حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قبول کرنے کی جو تصریح نہیں ہے تو اُس کا عدمِ ذکر عدمِ قبولیت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے کہا ہو: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جو چاہیں وہی درست ہے۔

اور نہ ہی حق مہر کا ذکر نہ ہونا عدم وجوب پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کیا تو انہیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں کچھ دو، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا: وہ حطمیہ زرہ کہاں ہے؟ پس ابن عباس کے "لما تزوج علي" (جب علی نے نکاح کیا) فرمانے میں تصریح ہے کہ مہر کا ذکر نکاح کے بعد ہوا۔

حق مہر کا ضروری ہونا

سیدہ کی شادی کے متعلق اب تک جتنی احادیث گزر چکی ہے، اُن میں سے اکثر میں حق مہر کا ذکر آیا ہے، اور یہ ارشاد بھی آیا ہے کہ حق مہر ضروری ہے، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی کسی نہ کسی صورت میں مہر ادا کرایا حالانکہ وہ اسی گھر ہی کے بچے تھے۔ اس سے حق مہر کا ضروری ہونا عیاں ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ (دولہا یا دولہا والے) اسے اہمیت نہیں دیتے یا اُن کی ادائیگی کی نیت ہی نہیں ہوتی تو وہ سمجھ لیں کہ اُن کا نکاح ہی نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ دولہا والوں کے برعکس دلہن والے اپنی دولت مندی کے گھمنڈ میں کہہ دیتے ہیں: جی اس کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ نکاح جس آقا کی سنت ہے، حق مہر کی شرط بھی اسی کا حکم ہے، لہٰذا ایسی گفتگو سے پرہیز لازم ہے۔ ہم مسلمان حکم کے بندے ہیں، ہمیں کسی بات کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے، ہمیں عمل کرنا ہے۔

کیا مہر کی کوئی مقدار معین ہے؟

مہر کی مقدار کے بارے میں ایک عام جہالت جو بارہا میرے سامنے آئی وہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت جب پوچھا جائے کہ "حق مہر کتنی ہے؟" تو کچھ لوگ کہتے ہیں: وہی جو شرعی ہے، پوچھا جائے کہ شرعی کتنی ہے؟ تو کہا جاتا ہے: بتیس روپے۔ نہ معلوم یہ معیّن و فکس مقدار لوگوں نے کہاں سے مقرر کر لی ہے؟ چونکہ یہ بات غلط العام کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اس لیے یہ ناکارہ زیر تشریح احادیث کی مناسبت سے اس پر کچھ روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے گھر کے سامان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی''۔

(المعجم الأوسط رقم ٢٠٩٧، مجمع الزوائد ج٤ ص٢٨٢)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی گھر کا سامان تھا اور اُس کی مالیت دس درہم تھی۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص٤١ رقم ١٩٠١٠، مسند أبي يعلیٰ ج٣ ص٢٠٣ رقم ٣٣٧٢، وطبعة أخرى ج٦ ص١١٤ رقم ٣٣٨٥، مسند أبي داود الطيالسي ص٢٧٠ رقم ٢٠٢٢، وطبعة أخرى ج٢ ص٤٨٤ رقم ٢١٣٤، كشف الأستار عن زوائد البزار ج٢ ص١٦١ رقم ١٤٢٦، المطالب العالية ج٤ ص١٣٤ رقم ٤١٥٢)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت انس ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور اُن کی آزادی کو اُن کا مہر قرار دیا''۔

(بخاري ص٩٠٩ رقم ٥٠٨٦، صحيح مسلم ص٦٠٠ رقم ٣٤٩٧، ٣٤٩٨، جامع الترمذي ص٢٧٠ رقم ١١١٥)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ابو سلمہ بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کتنا مہر مقرر کرتے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا فرمایا: تم جانتے ہو ''نش'' کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: نصف اوقیہ (یعنی بیس درہم) تو یہ پانچ سو درہم ہوگئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر تھا''۔

(صحيح مسلم ص٥٩٩ رقم ٣٤٨٩)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت ام حبیبہ بیان کرتی ہیں کہ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہو گئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کر دیا اور ان کا چار ہزار درہم مہر مقرر کیا اور ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا''۔

دوسری روایت میں حضور ﷺ کے قبول فرمانے کا ذکر ہے، چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

''نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا چار ہزار درہم پر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا''۔

(سنن أبي داود ج ٢ ص ٣٢٣ رقم ٢١٠٧، ٢١٠٨)

کم یا زیادہ یہ امہات المومنین کا مہر ہے جبکہ سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کے مہر کی مقدار کا ذکر ہو چکا ہے، اور ان تمام احادیث کو سامنے رکھا جائے تو اس سے یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ کم یا زیادہ مہر کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، لہٰذا بتیس روپے ہوں یا بتیس کروڑ ہوں جس مقدار پر فریقین راضی ہوں وہی شرعی حق مہر ہے۔

ظاہر ہے کہ کم مقدار پر کوئی پابندی نہیں لگاتا، پابندی ہمیشہ کثرت پر ہی لگا کرتی ہے، اور حضور ﷺ کی شریعت میں اس کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک خاص مقدار مقرر کرنا چاہی تو ایک عورت نے ان کے قول سے اختلاف کیا اور بطور دلیل قرآن کریم کی آیت پیش کی تو فاروق حق و باطل نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا: تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں، بعض روایات میں ہے کہ فرمایا: خاتون نے درست کہا اور مرد نے خطا کی، اور واپس منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا: ابھی ابھی ہم نے تمہیں چار سو سے زیادہ مہر باندھنے سے منع کیا تھا لیکن جس کا جو جی چاہے حق مہر باندھے۔

(إتحاف الخيرة المهرة ج ٤ ص ١٢٤، ١٢٥ رقم ٣٢٧٦، مجمع الزوائد ج ٤ ص ٢٨٤ وطبعة أخرى ج ٤ ص ٥٢١ رقم ٧٥٠٢، أحكام القرآن لابن عربي ج ١ ص ٤٦٩، الجامع لأحكام القرآن ج ٥ ص ٩٥ الأوسط لابن المنذر ج ٨ ص ٣٢٨)

سبحان اللہ! ایسے ہی حق پرستوں کی بدولت اسلام پھیلتا چلا گیا، بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔

شادی پر خوشبو کا اہتمام

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وروى إسحق بسند ضعيف عن علي أنه لما تزوج فاطمة قال له رسول الله ﷺ اجعل عامَّة الصَّدَاقِ في الطِّيب .

اور اسحاق ضعیف سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: حق مہر کا اکثر حصہ خوشبو میں خرچ کرو۔

(إتحاف الخيرة المهرة ج٤ ص١٢٢ رقم٢٣٧٢، المطالب العالية ج٢ ص٢٨ رقم١٥٦٣)

وعن أبي يَعلى بسند ضعيف عن عليّ قال: خطِبت إلى رسول الله ﷺ ابنته فاطمة، قال: فباع علي درعاً وبعض ماباع من متاعه، فبلغ أربعمائة وثمانين درهماً ، وأمر رسول الله ﷺ أن يجعل ثلثين في الطيب وثلثاً في الثياب ، ومجَّ في جرة من ماء وأمرهم أن تستغسلوا به وأمرها أن لا تستبقه برضاع ولدها فسبقته برضاع الحسين ، وأما الحسن فإنه عليه الصلاة والسلام صنع في فيه شيئاً لاندري ماهو فكان أعلم الرجلين .

اور امام ابو یعلیٰ ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اُن کی بیٹی فاطمہ کے نکاح کی درخواست کی، حضرت علی فرماتے ہیں: پھر میں نے زرہ اور کچھ دوسرا سامان فروخت کیا تو اُس کی قیمت چار سو اسی [۴۸۰] درہم کو پہنچی، اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اُس کی دو تہائی خوشبو میں اور ایک تہائی کپڑوں میں خرچ کی جائے، اور آپ نے ایک

مشک میں کلی فرمائی اور حکم دیا کہ اس کے ساتھ غسل کرواور سیدہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کودودھ پلانے میں سبقت نہ کرے لیکن انہوں نے حسین کودودھ پلانے میں سبقت کردی البتہ حسن کے منہ میں حضور ﷺ نے کوئی چیز ڈالی ہم نہیں سمجھ سکے کہ وہ کیا چیز تھی، تووہ دونوں میں سے بڑے عالم تھے۔

(مسند أبي يعلیٰ ج۱ ص ۱۸۳ رقم۳۴۸ ،وطبعة أخریٰ ج۱ ص ۲۹۰، ۲۹۱ رقم ۳۵۳، مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۷۵ وطبعة أخریٰ ج۹ ص ۲۷۸ رقم ۱۵۰۳۰، إتحاف الخيرة المهرة ج ٤ ص ۱۲۲ رقم ۳۲۷۲ ، المطالب العالية ج۳ ص ۷۰ رقم ۳۹۸۹)

نوٹ

مجھے اس حدیث کے متن میں کچھ اضطراب سامعلوم ہوتا ہے، اوروہ یہ کہ اس میں سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی طرف حکم عدولی کی نسبت ہے، اور یہ بات قابلِ قبول نہیں۔ خیال رہے کہ ہم اہل سنت اہل بیت کرام علیہم السلام کی عصمت کے قائل نہیں لیکن ہماری عقل اس بات کو بھی تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک واضح حکم فرمائیں اور سیدہ فاطمہ اس حکم کو اس قدر جلد بھول جائیں یا یاد ہونے کے باوجود اس کی تعمیل نہ فرمائیں۔ کچھ بعید نہیں کہ کسی شخص نے یہ جملہ اس لیے درج کیا ہو کہ اُسے اگلے جملہ میں امام حسین علیہ السلام کی تنقیص کا موقعہ ہاتھ آجائے۔ واللہ اعلم

وعن علي بن أحمد اليشكري أن علياً تزوج فاطمة فباع بعيراً له بثمانين وأربعمائة درهم فقال المصطفى [ﷺ] :اجعلوا ثلثين في الطيب، وثلثاً في الثياب.

[رواه ابن سعد في الطبقات]

علی بن احمد یشکری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کیا تو چارسواسی [۴۸۰] درہم میں اپنا ایک اونٹ فروخت کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کی دوتہائی خوشبو میں اور ایک تہائی کپڑوں میں خرچ کی جائے۔

اس کو امام ابن سعد نے " الطبقات " میں روایت کیا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۸ ص۲۵۲،۲۵۳،الثغور الباسمة ص۲۰ رقم۱۹)

وهذا لا ينافيه مامرّ أنه أصدقها ذلك الدرع ؛لأن الدرع هو الصداق، وثمن البعير قام بمالها ماعليه من حقوق الوليمة واللوازم العرفية والعادية ونحو ذلك .

اور یہ اُس کے خلاف نہیں جو گذشتہ روایت میں بیان ہوا کہ حضرت علی نے زرہ کو حق مہر میں پیش کیا تھا،اس لیے کہ زرہ حق مہر میں دی ہو اور اونٹ کی قیمت سے ولیمہ اور عرفی دستور کے مطابق شادی کے دوسرے خرچے اٹھائے ہوں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے: اور یہ بھی درست ہے کہ زرہ کی رقم سے خوشبو وغیرہ کے علاوہ امہات المومنین اور دوسری خواتین کے لیے ولیمہ کیا گیا ہو،جیسا کہ اس سے قبل مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اشارہ فرما چکے ہیں۔

مولیٰ علی ﷺ کے ساتھ پہلے ہی وعدہ ہو چکا تھا

وعن حجر بن عنبس وكان قد أدرك الجاهلية لكنه لم ير المصطفىٰ ﷺ قال:خطب أبو بكر وعمر إلى رسول الله فاطمة ،فقال رسول الله ﷺ: هى لك يا علي.

[رواه الطبراني بإسناد صحيح]

حضرت حجر بن عنبس جنہوں نے زمانۂ جاہلیت کو بھی پایا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مستفیض نہیں ہو سکے تھے،وہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی درخواست کی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

تھا: اے علی! یہ تمہارے لیے ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ص٢٥٢، مجمع الزوائد ج٩ص٢٠٤ وطبعة أخرىٰ ج٩ص ٣٢٩ رقم١٥٢٠٧، الثغور الباسمة ص٢١ رقم٢٠)

وعن حجر المذكور قال: خطب عليٌّ إلى رسول الله فاطمة، فقال: هي لك يا علي لست بدجال.

أي لأنه كان قد وعده فقال: إني لا أخلف الوعد.

[رواه البزار ورجاله ثقات].

اور یہی حضرت حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سیدہ فاطمہ کے نکاح کے بارے میں درخواست کی تو آپ نے فرمایا: اے علی! وہ تمہارے لیے ہی ہے اور میں جھوٹا نہیں ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اُن کے ساتھ وعدہ کیا ہوگا تو فرمایا: میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اس کو امام بزار نے روایت کیا اور اُن کے راوی ثقہ ہیں۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ص٢٥٢، كشف الأستار ج٢ص١٥١ رقم١٤٠٦، مجمع الزوائد ج٩ص٢٠٤ وطبعة أخرىٰ ج٩ص ٣٢٩ رقم١٥٢٠٦)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی انداز سے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر ظاہر کر دیا گیا تھا کہ سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا اُن ہی کا مقدر ہے یا پھر اُن کے ساتھ وعدہ ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وظاهر حديث حجر الأول أن المصطفى ﷺ لما خطبها الشيخان ابتدأ علياً فزوجه إياها بغير طلب.

وظاهر الباقي أنه لما خطباها علم عليّ فجاء فخطبها، فأجابه، ويدل

عليه كثير من الأخبار المارّة.

والظاهر أن الواقعة تعددت فخطباها فلم يجب، ولم يرد، فجاء عليّ فوعده وسكت، فلما يعلما بوعده، فأعاد الخطبة، فابتدأ وزوّجها من علي لسبق إجابته له.

حضرت حجر کی پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جب شیخین نے درخواست کی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے ابتدا فرمائی اور بلا طلب سیدہ کو اُن کے نکاح میں دے دیا، اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شیخین رضی اللہ عنہما نے پیغام نکاح دیا تو اس کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوا، انہوں نے حاضر ہو کر درخواست کی جس پر انہیں مذکور الصدر جواب سے نوازا گیا، اور اس مفہوم پر گذشتہ متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ پیغام اور درخواست گذاری متعدد بار ہوئی، پس شیخین رضی اللہ عنہما نے عرض کی تو حضور ﷺ نے نہ جواب دیا اور نہ مسترد کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو ان کے ساتھ وعدہ فرما کر سکوت فرمالیا، پھر جب شیخین کو حضور ﷺ کے وعدہ کا علم ہوا تو انہوں نے درخواست کا اعادہ فرمایا، پس رسول اللہ ﷺ نے سابقہ وعدہ کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آغاز فرمایا اور انہیں کے ساتھ سیدہ کا نکاح فرمادیا۔

کنواری لڑکی سے اجازت مانگی جائے

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفي حديث عكرمة: أنه استأذنها قبل تزويجها منه، فقد روى ابن سعد عن عطاء قال: خطب علي فاطمة فقال لها رسول الله ﷺ: إن عليًا يريد يتزوجك، فسكتت، فزوجها.

اور عکرمہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح سے قبل سیدہ سے اجازت لی تھی۔ چنانچہ ابن سعد نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کے نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں فرمایا: علی تمہارے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہے، اس پر سیدہ خاموش ہو گئیں تو حضور ﷺ نے اُن کا نکاح فرما دیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۸ ص ۲۵۲، الثغور الباسمۃ ص ۲۱ رقم ۲۱)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں:

ففيه أنه يستحب استئذان البكر، وأن إذنها سكوتها، وعليه الشافعي.

اس حدیث میں ہے کہ کنواری لڑکی سے اجازت مانگنا مستحب ہے، اور اُس کا سکوت ہی اُس کی اجازت ہے، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فقط شافعیہ کا ہی نہیں بلکہ یہ سب کا مذہب ہے، نیز یہ بات فقط اس حدیث سے مستنبط (حاصل) ہی نہیں ہوتی بلکہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صمتها.

"بیوہ اپنے معاملہ میں اپنے سربراہ سے زیادہ حق دار ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے اور اُس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے"۔

(صحیح مسلم ص ۵۹۶ رقم ۳۴۷۶، الأوسط لابن المنذر ج۸ ص ۲۷۱/ ۲۷۶)

اس سے وہ اجازت مراد نہیں جو نکاح کے وقت لی جاتی ہے بلکہ اس سے وہ رضامندی مراد ہے جو کسی قسم کے اہتمام سے قبل معلوم کی جائے، جب لڑکے والوں سے بات طے ہو جائے، اِدھر اُدھر سے لوگ جمع ہو جائیں حتیٰ کہ قاضی بھی بلا لیا جائے تو پھر لڑکی بیچاری "ہاں" نہ کرے گی تو اور کیا کرے گی؟ اپنے گھر کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو خبر ہی نہ ہو اور ماں باپ لڑکی کے سامنے لڑکے کا نام لے کر اُس سے دریافت کریں کہ بیٹی فلاں لڑکے نے یا اُس لڑکے کے والدین اور سربراہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، اس میں

آپ کا کیا ارادہ ہے؟ اوپر متن میں جو حضور ﷺ کے الفاظ آ چکے ہیں ایک مرتبہ پھر اُن میں غور فرمائیے! آپ نے اپنی لختِ جگر کو فرمایا:

إن علیا یریدیتزوجک .

''علی آپ کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہے''۔

فسکتَتْ ،فزَوَّجها.

اس پر سیدہ خاموش رہیں تو حضور ﷺ نے اُن کا نکاح کر دیا''۔

ایک حدیث میں صراحتاً حکم آیا ہے کہ ماں باپ خود لڑکی سے معلوم کریں۔

والبکر یستأذنها أبوها في نفسها وإذنها صُماتُها.

''کنواری لڑکی سے اُس کا (ماں) باپ اُس کے معاملہ میں اجازت لے، اور اس کی خاموشی ہی اُس کی اجازت ہے''۔

(صحیح مسلم ص٥٩٦رقم٣٤٧٨،سنن النسائي ج٦ص٣٩٣رقم٣٢٦٤)

ہمارے ہاں جب کہا جائے کہ میاں! لڑکی سے تو اُس کی مرضی معلوم کرلو تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لو! اب لڑکیوں سے معلوم کرتے پھریں؟ مذکورہ بالا احادیث ایسی ذہانت کی نفی کرتی ہیں۔

وروی ابن أبي حاتم عن أنس وأحمدعنه بنحوه ،قال: جاء أبو بكر و عمر يخطبان فاطمة إلى المصطفىٰ ﷺ فسكتَ ولم يرجع إليهما شيئاً، فانطلقا إلى عليّ يأمرانه بطلب ذلك ،قال عليٌّ : فنبهاني لأمرفقمت أجرُّ ردائي حتى أتيته فقلت: تُزَوِّجُني فاطمة؟ قال: وعندك شيء؟قلتُ:فرسي ، وبدني .قال:أما فرسك ،فلا بد لك منه ، وأما بدنك -أي درعك- فبعها فبعتها بأربعمائةوثمانين فجئته بها، فوضعهافي حجره ،فقبض منها قبضة ، فقال:أي بلال ،ابتَع بها طِيباً، وأمرهم أن يجهزوها ، فعجل لها سريراً

مشروطاً، ووسادةً من أُدم حَشوَها ليفٌ ، وقال لي: إذا أتيت فلا تحدثن شيئا حتى آتيك، فجاءت مع أم أيمن ، فقعدت في جانب البيت ، وأنا في جانب، فجاء رسول الله ﷺ فقال: ها هنا أخي؟ قالت أم أيمن : أخوك و تزوّجته ابنتك؟ قال نعم، فقال لفاطمة : آتيني بماء، فقامت فأتت بقَعب - أي قدح - في البيت فيه ماء ، فأخذه و مجّ فيه، ثم قال لها: تقدمي: فتقدمت، فنضح بين يديها، وعلى رأسها، وقال: اللّٰهُمَّ إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، ثم قال: ادبري فأدبرت وصبّ بين كتفيها، ثم فعل مثل ذلك مع علي، ثم قال له: ادخل بأهلك باسم اللّٰه تعالىٰ .

امام ابن ابی حاتم حضرت انس سے اور اسی طرح امام احمد ﷫ بھی انہیں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت ابوبکر اور عمر ﷠ مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں سیدہ فاطمہ کے نکاح کی درخواست لے کر آئے تو حضور ﷺ خاموش رہے اور انہیں کچھ جواب نہ دیا، تب وہ دونوں حضرت علی ﷛ کی طرف چلے تا کہ انہیں اسی بارے میں مشورہ دیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں: انہوں نے مجھے ایک امر کے لیے چونکا دیا تو میں اپنی چادر گھسیٹتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا حتیٰ کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا: فاطمہ کے بارے میں حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ عرض کیا: میرے پاس میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے، فرمایا: گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے، البتہ تم زرہ کو فروخت کردو، تو میں نے زرہ کو چار سو اسی درھم میں فروخت کر دیا اور قیمت حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے آیا، آپ نے اسے اپنی گود میں رکھا پھر اُس سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا: اے بلال! اس سے خوشبو خریدو اور گھر والوں کو کہو کہ سیدہ کو تیار کریں۔ پس اُن کے لیے ایک چارپائی اور چمڑے کا ایک تکیہ تیار کیا گیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: جب اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ تو میرے آنے تک کچھ نہ کرنا۔ پس سیدہ حضرت اُم ایمن کے ساتھ

آئیں اور گھر کے ایک کونہ میں بیٹھ گئیں اور میں دوسرے کونے میں بیٹھ گیا، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: یہاں میرا بھائی ہے؟ ام ایمن نے عرض کیا: وہ آپ کے بھائی کیونکر ہوئے، آپ نے تو اپنی بیٹی اُن کے نکاح میں دی ہے؟ فرمایا: ہاں وہ میرے بھائی ہیں۔ پھر آپ نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا: پانی لاؤ! تو وہ اٹھ کر ایک بڑے پیالے میں پانی لائیں، حضور ﷺ نے اُسے لے کر اُس میں کلی فرمائی پھر سیدہ کو فرمایا: آگے آؤ، وہ آگے بڑھیں تو اُن کے سینے اور سر پر پانی چھڑکا اور فرمایا: اے اللہ! میں اِس کو اور اس کی ذریت کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں، پھر فرمایا: پشت کرو، انہوں نے پشت کی تو اُن کے کندھوں پر پانی ڈالا، پھر ایسے ہی حضرت علی ؓ کے ساتھ کیا اور اُنہیں فرمایا: اللہ کے نام اور اُس کی برکت سے اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ۔

(الصواعق المحرقة ص ١٤١،١٤٢)

یہ حدیث الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت انس ؓ سے پہلے بھی آچکی ہے، لہٰذا اس کی مزید تخریج وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

صدق وکذب کا مجموعہ روایت

وأخرج الخطيب البغدادي في كتاب التلخيص عن أنس قال: بينما أنا عند المصطفىٰ إذ اغشيه الوحي، فلما سري عنه قال لي: تدري ما جاء به جبريل من عند صاحب العرش؟ إن الله أمرني أن أزوج فاطمة من علي، انطلق فادع لي أبابكر وعمر وعثمان وعبدالرحمان بن عوف، و عدة من الأنصار، فلما اجتمعوا، وأخذوا مجالسهم۔ وكان علي غائباً۔ قال رسول الله ﷺ: الحمدلله المحمود بنعمته، المعبود بقدرته، المطاع سلطانه، النافذ أمره في سمائه و أرضه، الذي خلق الخلق بقدرته و ميزهم بأحكامه، وأعزهم

بدينه، وأكرمهم بنبيهم محمداً، إن الله - تبارك اسمه وتعالت عظمته - قال عز من قائل ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا﴾ فأمر الله مجرى إلى قضائه، وقضاؤه مجرى إلىٰ قدره، ولكل قدر أجل، ولكل أجل كتاب، يمحوا ما يشاء ويثبت وعنده أم الكتاب.

ثم إن الله أمرني أن أزوج فاطمة من علي، فاشهدوا على أني قد زوجته علىٰ أربعمائة مثقال فضة إن رضي علي بذلك، ثم دعا بطبق من بسر، ثم قال انتبهوا فانتبهنا، ودخل عليّ فتبسم النبي في وجهه ثم قال: إن الله أمرني أن أزوجك فاطمة علىٰ أربعمائة مثقال فضة، أرضيت؟ فقال رضيتُ.

زاد ابن شاذان في رواية: ثم خرّ ساجداً شكراً لله تعالىٰ، فقال المصطفىٰ: جمع الله شملكما وبارك عليكما، وأخرج منكما صالحاً طيباً

زاد في رواية ابن شاذان: وجعل نسلكما مفاتيح الرحمة ومعدن الحكمة.

خطیب بغدادی نے " کتاب التلخیص " میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپ کو وحی نے ڈھانپ لیا، پھر جب آپ اُس کیفیت سے باہر آئے تو فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جبریل علیہ السلام صاحب عرش سے کیا لائے؟ اللہ تعالی نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کروں، تم جا کر ابوبکر، عمر، عثمان، عبد الرحمان بن عوف اور انصار رضی اللہ عنہم کے کچھ حضرات کو بلالاؤ، وہ سب حضرات آئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے [اور حضرت علی غیر حاضر تھے] رسول اللہ ﷺ نے یہ خطبہ دیا: "تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جو اپنی نعمتوں کی بدولت محمود ہے، اپنی قدرت

کے باعث معبود ہے، اپنی حکومت کی وجہ سے مطاع (فرمانبرداری کیا ہوا) ہے، زمین و آسمان میں اسی کا حکم نافذ ہے، اُس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احکام کے ساتھ انہیں ممتاز بنایا، اپنے دین کے ساتھ انہیں غالب کیا اور اپنے نبی محمد ﷺ کی بدولت انہیں عزت بخشی۔ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بابرکت ہے اور اس کی عظمت بلند ہے، وہ اپنی شانِ قدرت کے ساتھ فرماتا ہے: ﴿اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی کی بوند سے اور بنا دیا اُسے خاندان والا اور سسرال والا اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے﴾ پس حکم الٰہی اُس کے فیصلہ کی طرف جاری ہے اور اُس کا فیصلہ اُس کی تقدیر کی طرف جاری اور ہر تقدیر کی ایک مقرر گھڑی ہے اور ہر گھڑی کے لیے ایک نوشتہ ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل دفتر اسی کے پاس ہے۔ سو اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کروں، لہٰذا تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کا نکاح چار سو مثقال چاندی کے عوض کر دیا ہے، بشرطیکہ علی اس پر راضی ہو۔ پھر کھجور کا ایک تھال منگوا کر فرمایا: سہولت کے ساتھ بیٹھو، اتنے میں علی آئے تو حضور ﷺ نے اُن کے سامنے مسکراتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارا نکاح فاطمہ کے ساتھ کروں چار سو مثقال چاندی بطور حق مہر کے عوض، کیا آپ اس پر راضی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: میں راضی ہوں۔

ابن شاذان نے ایک روایت میں اضافہ کیا ہے: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر میں جھک گئے، پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے ملاپ کو بار آور فرمائے، تم پر برکت فرمائے اور تم سے صالح اولاد پیدا فرمائے۔

ایک اور روایت میں ابن شاذان نے اضافہ کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہاری نسل کو رحمت کی کنجی اور حکمت کا سرچشمہ بنائے۔

مصنف رحمہ اللہ کا اس روایت پر تجزیہ

ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور امام سیوطی نے اُن کی تائید کی ہے اور بعض جملوں کے استثناء کے ساتھ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تحقیق سے متفق ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وهذه واقعة محتملة كما مرّ لأن يكون علي قبل لما حضر وعلم، وقوله:

إن "رضي" صورة تعليق، لا حقيقته، لأن الأمر منوط برضى الزوج، علىٰ أن هذا الحديث قد حكم ابن الجوزي بوضعه وتبعه الذهبي، وقال: هو من وضع محمد بن دينار، ورواه ابن عساكر بنحوه وقال: غريبٌ لا أعلمه، وقال ابن طاهر المهدسي: محمد بن دينار روى عن هيثم عن يونس عن الحسن عن أنس: تزويج فاطمة، والراوي عنه فيه جهالة، ورواه ابن قانع وغيره من طريق محمد بن دينار عن جابر.

قال ابن الجوزي: وضع ابن دينار هذا الحديث فوضع الطريق الأول إلىٰ أنس، ووضع طريق الثاني إلىٰ جابر، وأقره على الجزم بوضعه الجلال السيوطي فيما تعقبه عليه مع تحرّيه لاجتهاد في أحكامهما وجد بذلك سبيلاً.

یہ واقعہ ممکن ہے، جیسا کہ کچھ تفصیل پہلے بھی آ چکی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے حاضر نہ ہوں لیکن معاملہ اُن پر عیاں ہو، لہٰذا ارشادِ نبوی "بشرطیکہ علی اس پر راضی ہو" بظاہر معلق صورت کے معنی میں ہے حقیقی معنی میں نہیں، کیونکہ شوہر کی رضامندی ذہنی طور پر معلوم تھی۔

اس روایت پر امام ابن جوزی نے جعلی ہونے کا حکم لگایا ہے اور امام ذہبی نے اُن کی پیروی کی ہے، اور کہا ہے کہ اس کو محمد بن دینار نے وضع کیا ہے، اور اس کو امام ابن عساکر نے بھی اسی طرح روایت کر کے کہا ہے کہ یہ غریب ہے، میں اس کو نہیں جانتا۔ ابن طاہر مہدسی نے کہا ہے: اس کو تزویج فاطمہ کے ذکر میں محمد بن دینار نے از ہیثم، از یونس، از حسن از انس روایت کیا ہے اور ابن دینار سے جو راوی ہے وہ مجہول ہے، اور اس کو ابن قانع وغیرہ نے محمد بن دینار کی سند سے حضرت جابر سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن دینار نے گھڑا ہے، پہلی سند کو حضرت انس تک لے گیا ہے اور دوسری کو حضرت جابر

تک۔امام سیوطی نے جو ابن جوزی کے تعاقب میں کتاب میں لکھی ہے، اس میں انہوں نے اس حدیث کے موضوع ہونے کو مقرر رکھا ہے، حالانکہ انہیں کوئی گنجائش ملے تو ضرور اختلاف کرتے ہیں۔

اس روایت میں کذب کیا ہے؟

جھوٹے کی ہر بات جھوٹ نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے جھوٹ میں کچھ سچ بھی ملاتا ہے۔اس روایت میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟ اس کی توضیح میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والحاصل أن هذه الكيفية من الخطبة عند العقد، والاجتماع، كذلك لاأصل له بالكلية.

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت ان الفاظ میں خطبہ اور اجتماع کی اس کیفیت کی کوئی اصل نہیں۔

اس روایت میں صدق کیا ہے؟

وأما وقوع التزويج بالأمر الالهي لعلي، وخطبة الشيخين لها قبل ذلك، جعل الدرع صداقاً، فلاشك فيك لوروده من طرق بأسانيد صحيحة.

البتہ مولیٰ علی کے ساتھ نکاح کا حکمِ الٰہی پر ہونا، اس سے قبل شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا درخواست کرنا اور زرہ کے حق مہر ہونے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ یہ تفصیلات صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہیں۔

ابن حجر مکی سے مصنف رحمہما اللہ کا اختلاف

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس حدیث کی اصلیت کی طرف ہے، انہوں نے اس پر اظہار خیال بھی فرمایا ہے۔

(الصواعق المحرقة ص ۱۵۳)

لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اُن سے اختلاف ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وأما ما زعمه الشيخ شهاب الدين بن حجر الهيتمي من أن لذلك

أصلاً فممنوع، وما تمسك به من كلام الحافظ بن حجر في اللسان فمدفوع، فإن الحافظ لم يقل فيه إنه غير موضوع بل حكىٰ عن ابن عساكر أن الراوي عن محمد بن دينار دمشقي فيه جهالة، علىٰ أن محمد بن دينار وضاع ،فمراده زيادة توهين الحديث،وأنه مع كونه من رواية ابن دينار فالراوي عنه أيضاً فيه جهالة، فهي ظلمات بعضها فوق بعض.

اور وہ جو شیخ ابن حجر ہیتمی نے خیال کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے تو یہ درست نہیں، اور انہوں نے جو حافظ ابن حجر کی "لسان المیزان" سے دلیل لی ہے وہ بھی مسترد ہے، کیونکہ حافظ نے یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث غیر موضوع ہے بلکہ انہوں نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ جس راوی نے محمد بن دینار دمشقی سے روایت کیا ہے وہ مجہول ہے۔ سو جب محمد بن دینار وضاع ہے تو اس سے حافظ کی مراد اس حدیث کا زیادہ کمزور ہونا ہے، یعنی محمد بن دینار سے روایت ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے جس نے روایت کیا ہے وہ بھی مجہول ہے تو پھر تو اندھیر پر اندھیر ہے۔

سیدہ کے جہیز کے متعلق احادیث

اس سے قبل بھی بعض مفصل احادیث میں سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کا ذکر آیا ہے لیکن یہاں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں مختصراً کچھ احادیث یکجا جمع فرمائی ہیں تاکہ یہ مضمون مستقل طور بھی آجائے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان احادیث پر کوئی عنوان قائم نہیں کیا، بلکہ عنوان کے الفاظ اس احقر کی طرف سے ہیں، لیکن ہم حسب ضرورت اس عنوان کے تحت آنے والی احادیث کے دوسرے جملوں کی توضیح میں بھی عنوان قائم کریں گے۔

وأخرج ابن سعد في طبقاته عن عكرمة قال: لما زوج المصطفى ﷺ علياً فاطمة كان فيما جهزت به سرير مشروط، ووسادة من أدم حشوها ليف،

وقربة، وقال لعلي: إذا أتيت بها فلا تقربها حتىٰ آتيك، وكانت اليهود يأخذون الرجل عن امرأته، فلما أتىٰ بها قعد جنبا في ناحية البيت، ثم جاء رسول الله ﷺ فدعا بماء فأتي به فمج فيه ومسه بيده، ثم دعا عليًا فنضح من ذلك علىٰ كتفيه وصدره وذراعيه، ثم دعا فاطمة فأقبلت تتعثر في ثوبها حياء من رسول الله ﷺ ففعل بها مثل ذلك، ثم قال لها: يا فاطمة! أما إني ما أليت أن انكحك خير أهلي. [عن أم أيمن]

امام ابن سعد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مصطفیٰ ﷺ نے سیدنا علی کے ساتھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو جو چیزیں سیدہ کو جہیز میں دیں ان میں ایک بنی ہوئی چارپائی، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور پانی کا ایک مشکیزہ تھا، اور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جب تم اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ تو میرے آنے تک اُن کے قریب نہ ہونا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور یہودی لوگ شوہر کو اس کی بیوی سے دور رکھتے تھے۔ پھر جب علی آئے تو وہ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے، پھر رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ نے پانی منگوایا، پانی لایا گیا تو آپ نے اُس میں کلی فرمائی اور اپنا دست اقدس اس میں ڈالا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اُس پانی سے ان کے چہرے، سینے اور بازوؤں پر چھینٹے مارے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے حیا کے باعث اپنے کپڑوں میں لڑکھڑاتے ہوئے آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا، پھر فرمایا: فاطمہ! میں نے اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ میں آپ کا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین شخص سے کروں۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص ٢٥٤، السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٥٣ رقم ٨٤٥٦ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ١٤٤ رقم ٨٥١٠، مصنف عبدالرزاق ج٥ ص ٣٣٧ رقم (٢٧٣٢) ٩٨٤٤، فضائل الصحابة ج٢ ص ٧٠٢ رقم ٩٥٨، الثغور الباسمة ص ٢١ رقم ٢٢)

زوجین کے تحفظ کی خاطر عملِ نبوی ﷺ

اس حدیث میں ایک جملہ یہ بھی آیا ہے "وکانت الیھود یأخذون الرجل عن امرأتہ" (اور یہودی لوگ شوہر کو اس کی بیوی سے دور رکھتے تھے) یہ جملہ اس ارشادِ نبوی ﷺ کے بعد آیا ہے:

"اے علی! جب تم اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ تو میرے آنے تک اُن کے قریب نہ ہونا"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد یہود کے اِس طرزِ عمل کا ذکر کیوں کیا گیا کہ وہ شوہر کو اُس کی بیوی سے دور رکھتے تھے؟

یہ سوال اس احقر نے اپنی کتاب "شرح خصائص علي ؓ" میں بھی قائم کیا تھا مگر وہاں اس کی توجیہ تک میری رسائی نہیں ہو سکی تھی، اب مجھے یہ حکمت سمجھ آئی ہے کہ یہودی لوگ میاں بیوی کے ملاپ سے قبل اُن کی حفاظت کے لیے کوئی عمل کرتے تھے۔ وہ کیا عمل کرتے تھے؟ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں تاہم ہمارے لیے ہمارے نبی کریم ﷺ کے عمل میں نمونہ ہے، سو اس حدیث سے تو فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے پانی میں کلی فرمائی، اپنے دستِ اقدس اُس میں بھگوئے پھر وہی پانی زوجین کریمین پر چھڑکا، لیکن دوسری احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس موقعہ پر "اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" اور بعض دوسری دعائیں بھی پڑھیں جنہیں ہم اس سے قبل نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے جگر کے ٹکڑوں کو شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعائیں اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس وغیرہا پڑھ کر دم بھی کریں اور پانی بھی چھڑکیں۔

زوجین کے تحفظ کی خاطر ہمارا عمل

لیکن افسوس! کہ اب مسلمان (اِلاماشاءاللہ) اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کو بھلا کر یہود و ہنود کے شیطانی طریقوں پر کاربند ہو گئے، اب لوگ اپنے بچوں کی ایک نئی زندگی کا آغاز قرآن اور دعاؤں کے سایہ میں نہیں بلکہ انڈین گانوں کی دھن میں کرتے ہیں، اور زندگی کے اس نئے مگر اہم موڑ پر انہیں مکمل شیطانیت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ خود غور فرمائیے! جس جوڑے کی نئی زندگی کا آغاز اس نہج پر ہو اُس سے پیدا ہونے

والی اولاد سے کیونکر خیر کی توقع کی جاسکتی ہے؟ کیا دھتورے کے پودے پر انار لگا کرتے ہیں، اور کیا بانس کی لکڑی سے شکر حاصل ہوا کرتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر رونا دھونا کس بات کا کہ اولاد نافرمان ہے وغیرہ، وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ اگر جوڑے کو قرآن وسنت کی روشنی میں دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا جائے اور انہیں اچھی تلقین بھی کی جائے تو آگے بھی انہیں ہر موڑ پر یہی بات یاد رہے گی۔ آخر کیوں حضور ﷺ نے زوجین کریمین کو دعاؤں کے سایہ میں روانہ کیا تھا اور پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو مزید یہ تلقین بھی فرمائی تھی: "اُدْخُلْ أَهْلَكَ بِسْمِ اللّٰهِ" (اللہ کے نام سے اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ)۔

ذرا سوچ کر بتلایئے! کیا ہماری خوشیوں کا کوئی بھی ایسا اہم دن ہے جو شیطانی طرز کے خلاف اور اسلامی طرز کے مطابق منایا جاتا ہو؟ یاد رکھئے! "وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" (رب کریم بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں) بلکہ تمام تر ظلم بندے اپنے آپ پر خود ہی ڈھاتے ہیں، اور ہماری اکثر ہلاکتوں اور مصیبتوں کی بنیادی وجوہ ہی یہی ہیں کہ ہم اسلامی احکام سے بیزار اور یہود و ہنود کی طرز کے یار ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کیوں فرمایا تھا۔

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود ‏ ‏ ‏ ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود ‏ ‏ ‏ یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

(کلیاتِ اقبال ص ۲۰۳)

سیدہ کے شوہر سب سے بہتر

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا "یافاطمة! أما إني ما ألیت أن أنکحک خیر أهلي" (فاطمہ! میں نے اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ میں آپ کا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین شخص سے کروں) اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی شخص نہیں تھا، کیونکہ اسلام میں فضیلت کا معیار علم، حلم اور دین میں سبقت ہے، اور ایک حدیث میں نبی کریم

ﷺ نے ان ساری باتوں میں مولیٰ علی کو فقط اہل بیت سے ہی نہیں بلکہ پوری امت سے افضل فرمایا ہے۔

چنانچہ اسی نکاح ہی کے موقعہ پر سیدہ نے خاموشی سے رضامندی تو ظاہر کردی تھی لیکن اس کے بعد بوجوہ وہ اپنے ابا حضور ﷺ کے سامنے کچھ شکوہ کناں ہوئیں تو رسول ﷺ نے انہیں فرمایا:

أما ترضين أني زوجتک أقدم أمتي سِلماً وأكثرهم علماً وأعظمهم حلماً!

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو اسلام کے لحاظ سے میری اُمت میں مقدم، علم کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر اور بُردباری کے لحاظ سے سب سے اعظم ہے؟"۔

(مسند أحمد ج٥ ص٢٦ وج٦ ص٧٩٤ رقم٢٠٥٧٣، المعجم الكبير ج٢٠ ص٢٢٩، مصنف ابن أبي شيبة ج٦ ص٣٧٦ رقم٣٢١٢٢، وطبعة محققة ج١٧ ص١٣٦ رقم٣٢٧٩٤، الأحاد والمثاني لابن أبي عاصم ج١ ص١٤٢ رقم ١٦٩، المعجم الكبير للطبراني ج١ ص٥١ رقم ١٥٦ وطبعة جديدة ج١ ص٥٧ رقم١٥٤، عن أبي إسحاق، سير أعلام النبلاء للذهبي ج٢ ص ٦٢، تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر ج٤٢ ص ١٢٦، مختصر تاريخ دمشق ج١٧ ص ٣٣٧، ٣٤١، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٠، ٥١، نساء أهل البيت ص ٥٤٥، نزل الأبرار بما صح من مناقب أهل البيت الأطهار للبدخشاني ص٤١، موسوعة العشرة المبشرون بالجنة ج ١١ ص٧٨، در السحابة للشوكاني ص ٢٠٥)

اس حدیث میں "**أقدم أهل بيتي**" کے الفاظ نہیں بلکہ "**أقدم أمتي**" کے الفاظ ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے شوہر فقط اہل بیت کرام کے افراد سے ہی نہیں بلکہ پوری امت کے ہر ہر فرد سے افضل ہیں۔

مرتضیٰ و زہراء کے گھر کا کل سامان

جو خواتین و حضرات سید العرب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر موجود تھے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے بھی اور خود مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہاں ایسی چند احادیث درج فرمائی ہیں جن میں جہیز کے سامان کی بھی تفصیل ہے اور جو سامان پہلے سے کاشانہ مرتضوی پر موجود تھا اُس کا بھی ذکر ہے۔ مشاہدہ کرنے والی جس آنکھ نے جو دیکھا وہی بیان کیا۔ اب ہم قارئین کرام سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ان تمام احادیث کو غور سے پڑھیں اور پھر جہیز کی اشیاء اور پہلے سے موجود اشیاء کی ایک لسٹ بنائیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ کل سامان کیا تھا اور کتنا تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وأخرج ابن ماجة عن علي قال: لقد أهديت ابنة الرسول ﷺ فما كان فراشنا ليلة أهديت إلا إهاب كبش.

امام ابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: بنت رسول ﷺ انہیں ہدیہ کی گئیں تو ہمارے پاس اُس شب میں دنبے کی کھال کے علاوہ کوئی بچھونا نہیں تھا۔

(سنن ابن ماجه ج٤ ص٤٤٨ رقم٤١٥٤، وطبعة أخرىٰ ج٥ ص٢٦٠ رقم٤١٥٤، مسند البزار ج٣ ص٦٨ رقم٨٣٢، مسند أبي يعلىٰ ج١ ص٣٦٣ رقم٤٧١، الثغور الباسمة للسيوطي ص٢٢ رقم٢٤)

وروى الطبراني: لمّا أُهدِيَتْ فاطمة إلى علي لم نجد في بيته إلّا رملاً مبسوطاً، ووسادة حشوها ليف وجرّة وكوزاً.

اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا تو ہم نے اُن کے گھر میں بچھائی ہوئی ریت، ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک گھڑے اور ایک لوٹے کے علاوہ کچھ نہ پایا۔

(المعجم الكبيرج١٠ ص٢٢٢رقم١٩٨٤٥،مجمع الزوائد ج٩ ص٢١٠ وطبعة أخرى ج٩ ص٣٣٦رقم١٥٢١٦،)

وروي عن رجل قال:أخبرتني جدتي:أنها كانت مع النسوة اللاتي أهدين فاطمة إلى علي،قالت:أهديت في بردين عليها،ودُمْلَجَان من فضة مصفران،فدخلت بيت علي،فإذا إهاب شاة ووسادة فيها ليف،وقربة،ومُنْخُل، وقدح.

ایک اور شخص اپنی نانی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اُن خواتین میں شامل تھیں جنہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا علی ﷺ کے ہاں پہنچایا، وہ فرماتی ہیں: جب ہم سیدہ کو لے گئیں تو اُن پر دو چادریں تھیں، چاندی کے دو کنگن تھے جن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا، پھر وہ کاشانہ مرتضوی میں داخل ہوئیں تو وہاں بکری کی کھال بچھی ہوئی تھی، ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک مشکیزہ، ایک چھلنی اور ایک پیالہ تھا۔

مصنف رحمہ اللہ کی طرف سے مشکل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث "عن رجل " (کسی شخص) سے روایت کی ہے اور یہ بتلانے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ اُس شخص سے کس نے سنی تھی، کیونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو نہیں سنی، پھر انہوں نے یہ حدیث جس کتاب سے نقل کی ہے اُس کا حوالہ بھی نہیں دیا۔ خود اندازہ لگائیے کہ یہ کتنا مشکل طریقہ ہے؟ خیر ہمیں کافی تلاش کے بعد یہ حدیث امام ابن سعد کی "الطبقات الکبری" میں ملی، اُس میں ہے کہ اس حدیث کو موسیٰ بن اسماعیل نے دارم بن عبد الرحمان بن ثعلبہ حنفی سے روایت کیا ہے، اور انہوں نے ایک ایسے شخص سے نقل کی ہے جس کے نانکے خاندان کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا، اسی لیے تو اُس شخص نے کہا کہ اُس نے اپنی نانی سے سنا اور وہ اُن خواتین میں تھیں جنہوں نے سیدہ کائنات کو رخصت کیا تھا۔ طبقات کی اس حدیث میں ایک لفظ کا اضافہ ہے "مِنْشَفَةٌ" (تولیہ، رومال) یعنی سیدہ کے جہیز میں یہ چھوٹا سا کپڑا

بھی شامل تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۸ ص۲۵۵)

اب نظرِ ثانی کے وقت یہ حدیث ہمیں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مستطاب "الثغور الباسمة في مناقب فاطمة" سے بھی مل گئی ہے۔

(الثغور الباسمة ص۲۳ رقم۲۸)

وروى أحمد في الزهد عن علي قال: جهز رسول الله فاطمة [رضوان الله عليها] في خميلة وقربة، ووسادة من أدم حشوها ليف.

امام احمد بن حنبل "کتاب الزہد" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو جہیز میں ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ دیا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(كتاب الزهد ص۲۹ رقم۷۰، مسند أحمد ج۱ ص۸۴، ۹۳، ۱۰۸ وطبعة أخرىٰ ج۱ ص۲۶۳، ۲۸۳، ۳۱۸ رقم ۶۴۳، ۷۱۵، ۸۵۳، سنن النسائي ج۶ ص۱۳۵ رقم ۳۳۸۴، الثغور الباسمة ص۲۳ رقم۲۹)

وروي عن علي قال: ما كان لنا إلا إهاب كبش ننام على ناحيته، وتعجن فاطمة على ناحية.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمارے ہاں دنبے کی کھال کے علاوہ کوئی بچھونا نہیں تھا، اس کے ایک کونہ پر ہم سوتے تھے اور دوسرے کونے پر بیٹھ کر سیدہ فاطمہ آٹا گوندھتی تھیں۔

(كتاب الزهد للإمام أحمد ص۵۱ رقم۱۴۹، الثغور الباسمة ص۲۳ رقم۳۰)

امورِ خانہ داری میں میاں بیوی کے مابین نبوی تقسیم

وروي أبو بكر بن فارس وابن مشدد عن ضمرة بن حبيب: قضى رسول

الله ﷺ على ابنته فاطمة بخدمة البيت، وقضى علىٰ عليٍّ بما كان خارج البيت.

ابوبکر بن فارس اور ابن مشدد ضمرہ بن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں گھر کے اندرونی کاموں کا اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں گھر کے بیرونی کاموں کا حکم فرمایا۔

(حلية الأولياء ج٦ ص ١١١، إتحاف الخيرة المهرة ج٤ ص ١٢٣ رقم ٣٢٧٤، المطالب العالية ج٢ ص ٣٩ رقم ١٥٩٤، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ١٠٠ رقم ٢٧٠)

کیا اعلیٰ گھرانے کی عورت گھریلو کام سے مستثنیٰ ہے؟

ہمیشہ یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا بیوی پر گھریلو کام کاج کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، بعض لوگوں کا عمل یہ ہے کہ وہ عورت سے گھریلو ہی نہیں بلکہ باہر کا کام بھی لیتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت پر گھریلو کام کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں، لہٰذا ہم شرعی طور پر اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ پہلو تو بالکل واضح ہے کہ عورت پر گھر سے باہر کے کام ضروری نہیں لیکن کیا وہ گھر کے اندرونی کام سے بھی مستثنیٰ ہے؟ اسی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔
چند برس قبل ہمارے سامنے "روحانی زیور" کے نام سے ایک رسالہ آیا جو خالصۃً خواتین کے لیے ترتیب دیا گیا، چنانچہ اس کے ٹائٹل پر لکھا ہے:

"مسلم خواتین وطالبات کے لیے دینی مسائل کا حسین گلدستہ"

یہ اچھا رسالہ ہے، اس میں طہارت، نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل کو انتہائی مختصر اور آسان طرز سے جمع کیا گیا ہے، لیکن گھریلو کام کاج کے بارے میں مصنف کا قلم عورت کی وکالت میں ضرورت سے زیادہ نرم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کے مؤلف لکھتے ہیں:

"گھر کا جھاڑو دینا، اور کپڑے دھونا اور سالن و روٹی پکانا عورت پہ واجب نہیں، لہٰذا

مرد بیوی کو ان کاموں پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اگر عورت از خود کرے تو اس کا احسان ہے
(مبسوط ج ۵ ص ۲۰۹، ردالمحتار ج ۲ ص ۷۰۴)

امام احمد کے نزدیک بھی عورت پہ لازم نہیں کہ وہ آٹا پیسے، آٹا گوندے روٹی پکائے، مطبخ وغیرہ کا کام کرے اور مرد کے جانوروں کو پانی پلائے اور کھیت کاٹے۔ (المغنی لابن قدامۃ ج ۷ ص ۲۱)"۔

(روحاني زيور، لأبي المحسن فيضي ص ٦٠)

اس سے آگے صاحب "روحانی زیور" رحمۃ اللہ علیہ نے "المبسوط" اور "ردالمحتار" سے عبارت نقل کی ہے اور اُس کے بعد لکھا ہے:

"عورت اگر اعلیٰ گھرانے کی ہو جہاں روٹی خود نہ پکاتی ہو یا مریضہ ہو تو پکی پکائی روٹی وطعام مہیا کرنا مرد پہ واجب ہے۔ (عالمگیری، درمختار)"

(روحاني زيور ص ٦٠)

اس سے قبل کہ اس مسئلہ کا معتدل پہلو سامنے لایا جائے یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض مرتبہ زمانی یا مکانی حالات کے پیش نظر بعض احکام میں سختی یا نرمی کرنا پڑتی ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب انسان گردو پیش کے سخت حالات سے متاثر ہو کر اُن کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو فطرتاً اُس کی زبان میں سختی آجاتی ہے، اور "اَلْقَلَمُ أَحَدُ اللِّسَانَيْنِ" (قلم بھی ایک زبان ہے) لہٰذا یہ سختی قلم میں بھی اتر آتی ہے۔ ہر چند کہ صاحب "روحانی زیور" معتبر عالم دین تھے مگر جنوبی پنجاب کے جس علاقہ سے اُن کا تعلق تھا وہ علاقہ ہر لحاظ سے سطحیت کا شکار ہے، اور وہاں نہ صرف یہ کہ عورتوں کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے بلکہ اُن سے معمول کے گھریلو کام کاج کے علاوہ، کھیتی باڑی، جانوروں کی دیکھ بھال، ٹوکہ مشین چلانے حتیٰ کہ بعض لوگ مزدوری تک بھی کراتے ہیں اور الٹا مظالم بھی ڈھاتے ہیں۔ سو ایسے حالات کے پیش نظر صاحب "روحانی زیور" کا قلم عورت کے حال پر رحم کرتے ہوئے مردوں پر کچھ سخت ہو گیا، اور کبھی کبھی معاشرتی ناہمواریوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے ایسا کرنا وقتی ضرورت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے زیادہ سخت حقوق

دکھلا کر اُن سے زم حقوق پر راضی کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔

دِیَانَۃً اور تدَیُّناً عورت پر گھریلو کام کا وجوب

اس مسئلہ میں معتدل رائے یہ ہے کہ عورت بیرونی کاموں سے تو مستثنیٰ ہے مگر گھریلو کاموں سے مستثنیٰ نہیں، خواہ وہ اعلیٰ گھرانے کی ہو یا غیر اعلیٰ کی، لیکن اگر وہ بیمار نہ ہو تو شرعی طور پر اُس پر گھریلو کام واجب ہے۔ چنانچہ علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اگر عورت آٹا پیسنے اور روٹی پکانے سے انکار کرے اور وہ ایسی عورت ہو جو خود اپنا کام نہیں کرتی تھی، یا اسے کوئی بیماری ہو تو مرد پر لازم ہے کہ وہ اسے تیار شدہ طعام مہیا کرے اور اگر وہ اُن خواتین سے ہو جو اپنا کام خود کرتی ہیں اور اس پر قدرت رکھتی ہیں تو پھر مرد پر تیار شدہ طعام مہیا کرنا واجب نہیں، اور بیوی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کام پر اُجرت لے۔ (اگلے الفاظ کی عبارت ملاحظہ ہو):

لِوجوبه عليها ديانةً ولو شريفةً، لأنه عليه الصلاة والسلام قسّم الأعمال بين علي وفاطمة، فجعل أعمال الخارج علىٰ علي ﷺ والداخل علىٰ فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها مع أنها سيدة نساء العالمين.

''اس لیے کہ یہ اُس پر دیانۃً واجب ہے، اگر چہ وہ اعلیٰ گھرانے کی ہو، کیونکہ حضور ﷺ نے سیدنا علی و فاطمہ علیہما السلام کے درمیان کام تقسیم فرمائے تھے، پس خارجی کام سیدنا علی ﷺ کے ذمہ لگائے تھے اور داخلی کام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ لگائے تھے، اس کے باوجود کہ وہ تمام جہانوں کی خواتین کی سردارہ ہیں''۔

(درمختار ج ۵ ص ۲۳۰، ۲۳۱)

امام کاسانی اور ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اسی طرح لکھا ہے بلکہ مؤخر الذکر نے اس حکم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے:

مع أنها سيدة نساء العالمين رضي الله تعالىٰ عنها وأبوها ﷺ أفضل الخلق

أجمعين.

”اس کے باوجود کہ وہ جہانوں کی سردارہ ہیں اور اُن کے بابا ﷺ پوری مخلوق سے افضل ہیں“۔

(بدائع الصنائع ج٥ ص ١٥٠، البحر الرائق ج٤ ص ٣١١)

یہی اعتدال ہے، ورنہ کتب فقہ میں تو یہ بھی مرقوم ہے کہ اگر عورت باوجود قدرت کے روٹی وغیرہ نہ پکائے تو ”لایعطیھا الإدام“ (اسے سالن نہ مہیا کیا جائے) یہ بات اُس فتاوی شامی میں بھی موجود ہے جس کا صاحب ”روحانی زیور“ نے حوالہ دیا ہے۔

(ردالمحتار ج٥ ص ٢٣١)

خلاصہ یہ ہے کہ دینی اور شرعی لحاظ سے عورت پر مناسب طریقہ سے گھریلو کام واجب ہے، خود صاحبِ ”روحانی زیور“ نے "المبسوط" کی جو عبارت نقل کی ہے اُس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اُس میں ایک لفظ ہے ”تؤمر به تدئینا ولا تجبر علیه“ (اسے دینی لحاظ سے حکم کیا جائے گا اور اُس پر جبر نہیں کیا جائے گا) اور پر امام حصکفی نے اسی کو "دیانة" واجب لکھا ہے، اور اِن الفاظ کے معانی میں امام ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

تدیینا: إذا وكلته إلیٰ دینه، الدين: الإسلام، العادة والشأن.

”تدیین کا معنیٰ ہے بندے کو دین کی طرف پھیرنا، اور دین کا معنیٰ اسلام، عادت اور مناسب حالت ہے“۔

(لسان العرب ج٤ ص ٤٦٠)

”دَیَّنَهُ“ کا معنیٰ ہے ”اپنے دین کے تابع بنانا“

(مصباح اللغات ص ٢٥٨)

لہٰذا اگر عورت بیمار نہ ہو تو اُسے دین کے تابع بنایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگرچہ آپ اعلیٰ گھرانے کی خاتون ہیں لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کی لختِ جگر کائنات کی تمام خواتین سے اعلیٰ خاتون تھیں اور وہ

گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں، لہٰذا تم بھی اپنا کام خود کیا کرو۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کتنا کام کرتی تھیں؟ اس کی تفصیل آئندہ عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

گھریلو کام میں سیدہ کائنات علیہا السلام کی مشقت

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وروى البخاري في الخمس، ومسلم في الدعوات، وغيرهما، عن علي: أن رسول الله ﷺ لما زوجه فاطمة بعث معها خميلة ووسادة من أدم وحشوها ليف ورحيين، وسقاء وجرّتين، فقال عليٌّ لفاطمة ذات يوم: والله لقد مرت سنون حتى اشتكيت صدري، وقد جاء الله أباك بسبي، فاذهبي فاستخدميه، فقالت: والله أنا طحنت حتى مجلت يداي! فأتت النبي ﷺ فقال: ما جاء بك أي بنية؟! قالت: جئتُ لأسلم عليك، استحيَتْ أن تسأله ورجعت! فقال: مافعلت؟ قالت: استحيتُ أن أسأله، فأتياه جميعاً، فقال علي: يارسول الله! منّ الله عليك بِسَبْيٍ وسعة، فأخدِمْنا، فقال: والله، لا أعطيكما وأدعُ أهل الصفةِ تطوى بطونهم، لاأجد ماأنفق عليهم، ولكني أبيعهم، وأنفق عليهم وأحفظ عليهم إيمانهم، فرجعنا فأتاهما وقد دخلا إلى قطيفتهما إذا غطت رءوسهما تكشفت أقدامهما، وإذا غطت أقدامهما تكشفت رءوسهما، قال: ألا أُخبِرُكما بخير ماسألتماني؟ قالا: بلى، قال: كلمات علمنيهن جبريل: تسبحان الله في دبر كل صلاة عشراً، وتحمدان

اللّٰه عشراً، وتكبران عشراً، وإذا أويتما إلى فراشكما فسبحا اللّٰه ثلاثاً وثلاثين وأحمِدا ثلاثاً وثلاثين، وكبّرا أربعاً وثلاثين، قال: فواللّٰه ما تركتهن منذ علمنيهن رسول اللّٰه ﷺ، فقال له ابن الكواء: ولا ليلة صفّين؟ قال: نعم.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الخمس" میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الدعوات" میں اور دوسرے محدثین کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کی شادی فرمائی تو اُن کے ساتھ بطور جہیز ایک چادر، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے بھیجے تھے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: بخدا کنویں سے پانی لاتے لاتے میرا سینہ درد کرنے لگا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ابا حضور کے پاس کچھ قیدی غلام بھیجے ہیں لہٰذا اُن سے خادم کی درخواست کیجئے۔ اس پر سیدہ نے کہا: خدا کی قسم میں نے اتنا چکی چلائی کہ میرے ہاتھوں میں (چھالوں کے بعد) کالے گٹے پڑ گئے، پھر وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ہماری بیٹی کیسے آئیں؟ عرض کیا: آپ کو سلام عرض کرنے آئی ہوں، اور سوال کرنے سے شرما گئیں اور لوٹ گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہوا؟ عرض کیا: مجھے سوال کرنے سے حیا آتا ہے۔ پھر وہ دونوں اکٹھے آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر قیدی غلاموں سے اور فراخی سے احسان فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں بھی کوئی خادم عنایت فرمایئے۔ فرمایا: اللہ کی قسم میں تمہیں نہیں دے سکتا، میں اہل بیعت (نو مسلم) لوگوں کو چھوڑ دوں، جن پر خرچ کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں ان قیدیوں کو فروخت کر کے اُن پر خرچ کروں گا اور ان کے ایمانوں کی حفاظت کروں گا۔ پس یہ دونوں ہستیاں لوٹ گئیں تو بعد میں حضور ﷺ اُن کے پاس تشریف لائے اور ان کے ساتھ اُس لحاف میں داخل ہو گئے جس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ پھر فرمایا: جو تم نے سوال کیا ہے، کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! فرمایا: کچھ کلمات ہیں جو جبریل علیہ السلام نے مجھے بتلائے ہیں: تم ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور دس مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا کرو، اور جب اپنے

بستر میں آیا کرو تو تینتیس (۳۳) مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، (۳۳) مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا کرو۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! جب سے رسول اللہ ﷺ سے میں نے یہ کلمات سیکھے ہیں کبھی ترک نہیں کیے۔ اس پر ابن الکواء نے عرض کیا: جنگِ صفین کی رات کو بھی ترک نہیں کیے؟ فرمایا: ہاں۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۱۰۷ وطبعة أخرىٰ ج ۱ ص ۳۱٤ رقم ۸۳۸، مسند البزار ج ۳ ص ۱۰۹ رقم ۷۵۷، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۸ ص ۲۵۵، مناقب علي والحسنين، للقلعجي ص ۲۵۹، ۲٦۰)

غور فرمایئے کہ سیدہ نے کس قدر مشقت بھرے کام کیے! ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی ؓ نے اپنے ایک شاگرد ابن اعبد کو فرمایا:

کیا میں تمہیں اپنا اور رسول اللہ ﷺ کی اُس بیٹی کا قصہ نہ سناؤں جو آپ کی سب سے زیادہ لاڈلی تھیں؟ اُس نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا:

فجرت بالرحیٰ حتی أثرت بیدها، واستقت بالقربة حتیٰ أثرت في نحرها، وقمّت البیت حتی اغبرّت ثیابها، وأوقدت القدر حتی دکنت ثیابها، وأصابها من ذلک ضر.

"انہوں نے چکی چلائی حتیٰ کہ اُن کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے، انہوں نے مشکیزہ سے پانی بھرا حتیٰ کہ اُن کے سینے میں نشان پڑ گئے، انہوں نے گھر میں جھاڑو دیا حتیٰ کہ اُن کے کپڑے گرد آلود ہوئے، انہوں نے ہانڈی پکائی حتیٰ کہ اُن کے کپڑے سیاہ ہو گئے اور ان تمام امور میں انہیں بہت تکلیف پہنچی"۔

(سنن أبي داود ج ٤ ص ٤۰۹ رقم ۵۰٦۳، مختصر سنن أبي داود للمنذري ج ۳ ص ۳۹۳ رقم ٤۸۹۸)

مصنف رحمہ اللہ کا تساہل

مصنف امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے حوالے سے لکھا ہے حالانکہ بعینہ ان الفاظ سے یہ حدیث ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے، کیونکہ شروع میں جہیز کی جن اشیاء کا ذکر ہے وہ ان میں نہیں ہے، البتہ سیدہ کے خادم مانگنے اور انہیں تسبیحات بتلانے کا ذکر موجود ہے، مصنف رحمہ اللہ کو چاہیئے تھا کہ جس کتاب سے انہوں نے الفاظ نقل کیے ہیں حوالہ میں اُسی کو مقدم رکھتے۔

خیال رہے کہ یہ مصنف رحمہ اللہ پر طعن نہیں بلکہ اس قسم کی معروضات اہل مطالعہ کی توجہ کے لیے ہوتی ہیں تا کہ طلبہ کرام میں باریک بینی کی عادت پیدا ہو جائے، اور ایسی باریک بینی کی تعلیم ہمیں خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے بھی حاصل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب ''**فیض القدیر**'' میں جابجا امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے تساہل کی نشاندہی کی ہے۔

خادم مانگنے پر وظیفہ کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خادم مانگنے پر وظیفہ کیوں بتایا گیا؟ یہ بے تکا پن ہم ایسے لوگوں سے سرزد ہوتا ہے کہ ''سوال گندم جواب چنا'' نبی کی ذات ہر سائل اور اُس کے سوال کی گہرائی کو بھی سمجھتی ہے اور اس کی غرض کو بھی، اور حضور ﷺ کو تو بالخصوص حکم ہے کہ ''**وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ**'' (سائل کو خالی نہ لوٹائیں) تو پھر کیا وجہ ہے کہ مانگا تو گیا خادم اور بتایا گیا وظیفہ؟ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس وظیفہ میں دینی اور دنیوی دونوں فائدے موجود ہیں۔ دینی تو ظاہر ہے مگر دنیوی کیسے؟ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیم الجوزیہ نے پہلے یہ عنوان قائم کیا ہے ''**أن الذكر يعطي الذاكر قوة، حتىٰ أنه ليفعل مع الذكر ما لا يطيق فعله بدونه**'' (ذکر ذاکر کو ایسی قوت فراہم کرتا ہے کہ وہ اس کی بدولت اتنا کام کرسکتا ہے، جس کی وہ ذکر کے بغیر طاقت ہی نہیں رکھتا) پھر لکھا ہے:

''نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی کہ وہ ہر شب جب آرام گاہ میں پہنچیں تو تینتیس (۳۳) مرتبہ **سُبْحَانَ اللّٰهِ**، (۳۳) مرتبہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**

اور چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھا کریں، یہ ارشاد اُس وقت ہوا جب سیدہ نے اُن سے خادم مانگا اور شکایت کی کہ وہ چکی چلانے اور گھر کے دوسرے کاموں کی وجہ سے تھک جاتی ہیں تو انہیں یہ کلمات سکھائے اور فرمایا: یہ اُن کے لیے خادم سے بہتر ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو شخص ان کلمات پر ہمیشگی کرے وہ اپنے بدن میں ایسی قوت پائے گا جو اسے خادم سے بے نیاز کردے گی"۔

(الوابل الصيب ص ١٦٤)

اسی لیے اوراد و وظائف کی کتب میں ان کلمات کو اس مقصد کے لیے بھی پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ امام شمس الدین جزری المقری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جب کسی شخص کو مشاغل کی وجہ سے تھکاوٹ ہو جائے یا کوئی کام اُس کی قوت سے زائد ہو اور وہ اپنے جسم میں مزید قوت کا طلب گار ہو تو ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ یا سوتے وقت ۳۳، ۳۳ مرتبہ یہی کلمات پڑھا کرے"۔

(عدة الحصن الحصين مع تحفة الذاكرين ص ٣٢٩)

تسبیحِ فاطمہ سے افضل کوئی وظیفہ نہیں

حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کریم سے افضل کوئی کلام نہیں ہے اور قرآن کی فضیلت دوسرے کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی فضیلت اُس کی مخلوق پر ہے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ تسبیح فاطمہ کے الفاظ سے بہتر کوئی الفاظ نہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

أفضل الكلام بعد القرآن أربع، وهي من القرآن، لايضرك بايهن بدأت، سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله والله أكبر.

"قرآن کے بعد سب سے افضل کلام چار الفاظ ہیں اور وہ بھی قرآن سے ہیں، تم اُن میں سے جس سے بھی شروع کرو کوئی حرج نہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ"۔

(مسند أحمد ج ٥ ص ٢٠ وطبعة أخرىٰ ج ٦ ص ٧٧٦ رقم ٢٠٤٨٦، صحيح مسلم رقم ٢١٣٧، سنن ابن ماجه ج ٤ ص ٢٥٤ رقم ٣٨١١، صحيح ابن حبان ج ٣ ص ١١٦، ١١٧ رقم ٨٣٥، ٨٣٦، العلم الهيب للعيني ص ١٠٤)

ایک حدیث میں ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں یہ کلمات پڑھوں تو ان کا پڑھنا مجھے اُن تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم رقم ٢٦٩٥، العلم الهيب للعيني ص ١٠٢)

چونکہ اس حدیث میں مذکورہ تین جملوں کے علاوہ ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ'' کے الفاظ زائد ہیں اس لیے جب تسبیح فاطمہ پڑھی جائے تو چونتیسویں (۳۴ ویں) مرتبہ میں ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰـهُ أَكْبَرُ'' بھی پڑھا جائے تاکہ مکمل فضیلت اور اجر و ثواب حاصل ہو۔

اہل بیت کی خدمت کا نبوی طریقہ

اس حدیث کے ایک جملہ سے حجاز مقدس کے شہر ''ریاض'' کے ایک شیخ الحدیث نے اچھا نکتہ پیدا کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فيه أن السنة التواضع لآل البيت وزيارتهم في محلاتهم.

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لیے تواضع اور اُن کے گھروں میں جا کر اُن کی زیارت کرنا (اور ضرورت پوری کرنا) سنت ہے''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ٥٣)

یہ نکتہ اس بات سے لیا گیا ہے کہ دن میں سیدہ اپنے بابا کے پاس جو شکایت لے کر آئی تھیں اُس کے ازالہ کے لیے اور اہل بیت کے دلوں کو مسرور کرنے کے لیے رات کو امام الانبیاء ﷺ بنفس نفیس چل کر گئے تھے، اور بلاشبہ امتی کے لیے اس میں نمونہ ہے۔

فاطمیہ میں کونسی خلافت چلی؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کے فقر وزھد کے تذکرہ کو بہترین جملہ پر ختم کیا ہے، وہ یہ کہ ان کا زھد پھر اُن کی اولاد میں بھی چلا، اُن کی اولاد کو دنیا سے دور رکھا گیا اور اس کے عوض انہیں خلافتِ باطنی عطا کی گئی۔ مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وسری ذلك إلى ذريتهما، ولهذا لما ذهبت عنهم الخلافة الظاهرة لكونها صارت ملكاً، ومن ثم لم تتم للحسنين عوضوا منها بالخلافة الباطنة حتى ذهب كثيرون إلى أن قطب الأولياء لايكون في كل زمن إلا منهم.

اور یہ فقر وزھد اُن دونوں کی اولاد میں بھی چلا گیا، اسی لیے اُن سے خلافتِ ظاہری چلی گئی کیونکہ وہ ملوکیت سے بدلنے والے تھی، اور اسی وجہ سے حسنین کریمین کو اُس کے عوض باطنی خلافت دی گئی، حتی کہ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہر زمانے میں قطب الاقطاب فقط انہیں میں سے ہوتا ہے۔

قطب الاقطاب فقط فاطمیہ سے ہی کیوں؟

قطب الاقطاب کے ہر دور میں فاطمیہ سے ہونے کی جو وجہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے دوسرے اکثر علماء وصوفیہ نے بھی یہی وجہ لکھی ہے، لیکن بہت افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اس سے اختلاف کیا ہے بلکہ وہ اس کو یہودیت تک کہنے سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ مولوی غلام رسول قاسمی لکھتا ہے:

> "سادساً ولایت میں افضلیت اور یکتائی کو اولادِ امجاد میں قطبیت کے اجراء کا سبب قرار دینا بھی عجیب رافضیانہ بلکہ یہودیانہ حرکت ہے۔ ہم نے اسے رافضیانہ حرکت کیوں کہا اور یہودیانہ حرکت کیوں کہا؟ خرد و مطالعہ باید"۔

(ضربِ حیدری ص ۱۸۷)

اس مولوی صاحب نے اس بات کی تردید میں کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی بلکہ محض رعب ڈالنے

کے لیے کہہ دیا" خرد و مطالعہ باید" گویا عقل مند فقط وہی ہیں، حالانکہ یہ امر اکثر صوفیہ وعلماء کے نزدیک مسلَّم ہے کہ خلافتِ باطنیہ اور ولایتِ باطنیہ کی سرداری قیامت تک اہل بیت کے پاس ہے۔ علماء وصوفیہ نے فرمایا ہے کہ غیر فاطمی شخص ولایت میں درجۂ قطبیت تک جاتا ہے مگر قطب الاقطاب کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، قطب الاقطاب ہمیشہ فاطمی شخص ہی ہوتا ہے بلکہ اُس کو جو قطبیت ملتی ہے وہ بھی فاطمی قطب الاقطاب کے توسط سے ہی ملتی ہے۔ چنانچہ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وقد أُعطى إبراهيم صلوات الله عليه أنبياء من أهل بيته صلوات الله عليهم وأكرم نبينا صلى الله عليه وآله وسلم بكونه خاتم النبيين اقتضى انتفاء ذلك، فعوّض صلى الله عليه وآله وسلم عن ذلك كمال طهارة أهل بيته، فنال منهم درجة الوراثة والولاية خلق لا يحصون. ......

بل ذهب بعضهم إلى أنه لما لم يتم للحسن رضي الله عنه أمر الخلافة، لأنها صارت ملكاً، وقد قال صلى الله عليه وآله وسلم: إنّا أهل البيت اختار الله لنا الآخرة على الدنيا، عُوضوا من ذلك التصرف الباطن فصار قطب الأولياء في كل زمان من أهل البيت النبوي.

"سیدنا ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ کو اُن کے اہلِ بیت میں انبیاء کرام علیہم السلام عطا کیے گئے تھے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو خاتم الانبیاء کے اعزاز سے نوازا گیا، جس سے سلسلۂ نبوت منقطع ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ کو اس کے عوض جو چیز دی گئی وہ آپ کے اہلِ بیت کرام علیهم السلام کی کمال طہارت ہے، اس طہارت کی بدولت اہلِ بیت میں سے ایک خلقت مرتبۂ وراثت وولایت پر فائز ہوئی۔......

بلکہ بعض علماء حق اِس طرف گئے ہیں کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا معاملہ اس لیے آگے نہ چلا کہ آگے ملوکیت کا دور شروع ہو گیا تھا، اور بیشک نبی اکرم

ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم اہلِ بیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بدلے میں آخرت کو پسند فرمایا ہے، پس اہلِ بیت کو اِس کے بدلے میں تصرّف باطنی عطا فرمایا گیا، سو ہر زمانے میں قطب الاولیاء اہلِ بیتِ نبوت سے ہوتا ہے"۔

(جواهر العقدين ص ۲۰۵، ۲۰۶)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہل بیت کرام علیہم السلام کی مخصوص طہارت کے فوائد میں قطبیتِ عظمیٰ کو اُنہیں کے لیے ثابت فرمایا ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں اُس اختلاف کو بھی حل فرمایا ہے جو بعض صوفیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

ولذا نجد عباد أهل البيت أتم حالاً من سائر العباد المشاركين لهم في العبادة الظاهرة، وأحسن أخلاقاً، وأزكى نفساً، وإليهم تنتهي سلاسل الطرائق التي مبناها كما لا يخفى على سالكيها التخلية والتحلية اللتان هما جناحان للطيران إلى حظائر القدس، والوقوف على أوكار الأنس، حتى ذهب قوم إلى أن القطب في كل عصر لا يكون إلا منهم خلافاً للأستاذ أبي العباس المرسي، حيث ذهب كما نقل عنه تلميذه التاج بن عطاء الله إلى أنه قد يكون من غيرهم.

ورأيت في مكتوبات الإمام الفاروقي الرباني مجدد الألف الثاني قدس سره ما حاصله: أن القطبية لم تكن على سبيل الأصالة إلا لأئمة أهل البيت المشهورين، ثم إنها صارت بعدهم لغيرهم على سبيل النيابة عنهم حتى انتهت النوبة إلى السيد الشيخ عبد القادر الكيلاني قدس سره النوراني، فنال مرتبة القطبية على سبيل الأصالة فلما عرج بروحه القدسية إلى أعلى عليين نال من نال بعده تلك الرتبة على سبيل النيابة عنه، فإذا جاء المهدي ينالها أصالة كما نالها غيره من الأئمة

رضوان اللّٰه تعالى عليهم اجمعين، اھ. وهذا مما لا سبيل إلى معرفته والوقوف على حقيته إلا بالكشف وأنى لي به.

والذي يغلب على ظني أن القطب قد يكون من غيرهم، لكن قطب الأقطاب لا يكون إلا منهم، لأنهم أزكى الناس أصلاً، وأوفرهم فضلاً، وأن من ينال منهم لا ينالها إلا على سبيل الأصالة دون النيابة والوكالة، وأنا لا أعقل النيابة في ذلك المقام.

''یہی وجہ ہے کہ ہم اہلِ بیت کے عبادت گذاروں کے مقام کو ظاہری عبادت میں دوسرے عبادت گذاروں سے بڑھ کر کامل، سب سے بڑھ کر حسین اخلاق اور سب سے بڑھ کر پاکیزہ پاتے ہیں، اور انہیں کی طرف تمام سلاسلِ طریقت کی انتہا ہوتی ہے، جیسا کہ اُن حضرات پر مخفی نہیں جو تخلیہ (برائیوں سے کنارہ کشی میں) اور تحلیہ (عبادات کے زیور) کو اپنانے کی منزل کے راہی ہیں اور یہ دونوں چیزیں حریم قدس میں اُڑان کے لیے روحانی پروں کی اور سکون کے گھونسلوں میں قرار کی حیثیت رکھتی ہیں، حتیٰ کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر زمانہ میں قطبِ وقت فقط اہلِ بیت سے ہوتا ہے، بخلاف استاد ابو العباس المرسی کے، اُن کے شاگرد تاج الدین بن عطاء اللہ نے اُن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: غیر اہل بیت سے بھی قطب وقت ہوتا ہے۔

اور میں نے امام ربانی الفاروقی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات میں پڑھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اہل بیت کے مشہور ائمہ کے علاوہ قطبیت براہِ راست نہیں چلی، پھر اُن کے بعد غیر اہل بیت کے لیے اُنہیں سے نیابت کے طور پر چلتی رہی، حتیٰ کہ سیدنا شیخ عبد القادر گیلانی قدس سرہ النورانی کی نوبت آئی تو وہ اصالۃً (براہ راست) قطبیت کے مقام پر فائز ہوئے، پھر جب وہ اپنی روح مقدس کے ساتھ اعلیٰ علیین کی طرف محو پرواز ہوئے تو بعد والوں کو یہ رتبہ اُن کی نیابت میں ملا، پھر جب امام

مھدی علیہ السلام جلوہ گر ہوں گے تو وہ دوسرے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی طرح اصالۃً اس مرتبہ پر فائز ہوں گے۔ مکتوبات کی عبارت پوری ہوئی۔(امام آلوسی فرماتے ہیں:)

اور اس بات کی معرفت اور اس کی حقیقت تک رسائی کشف کے بغیر نہیں ہو سکتی، اور مجھے کشف کہاں حاصل؟ اور جو چیز میرے گمان پر غالب ہے وہ یہ ہے کہ قطبِ وقت اہلِ بیت کے علاوہ بھی ہوتا ہے لیکن قطب الاقطاب فقط اہل بیت سے ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی اصل (نسب) میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور فضیلت میں سب سے وسیع ہیں، اور اُن میں سے جو بھی اس مقام پر فائز ہوتا ہے اصالۃً ہوتا ہے نیابۃً یا وکالۃً نہیں، اور مجھے اس مقام میں نیابت سمجھ نہیں آتی"۔

(روح المعاني ج١٢ جزء ٢٢ ص٢٨)

تفصیل یا اختصار سے امام حرالی، امام ابن حجر مکی، امام سمہودی، امام مناوی، ملا علی قاری، خواجہ باقی باللہ نقشبندی، مجدد الف ثانی نقشبندی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی، امام آلوسی حنفی، سید محمد صدیق الغماری، سید ابو بکر الحضرمی، شیخ محمد عبد الحی الکتانی، پیر مہر علی شاہ گیلانی، امام احمد رضا حنفی قادری، فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ بصیر پوری، حضرت مولانا محمد فیض احمد مہروی گولڑوی، نواب صدیق حسن قنوجی، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری اور حافظ محمد ظفر اللہ شفیق نے بھی اسی حقیقت کو ثابت کیا ہے۔ اگر تفصیل درکار ہو تو راقم الحروف کی کتاب "شرح أسنى المطالب" کا مطالعہ فرمائیں۔

الباب الثالث

فضائلها

مكانتها

الحديث الأول

عن المِسْور بن مَخرمة رضى الله عنه، أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: فاطمة بَضْعَةٌ مِنّي ـ أي جزء مني ـ فمن أغضبها فقد أغضبني.

پہلی حدیث: سیدہ کا مرتبہ

حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا جو اسے غضب ناک کرتا ہے وہ مجھے غضب ناک کرتا ہے۔

(بخاري رقم ٣٧١٤، ٣٧٦٧، الجمع بين الصحيحين ج٣ ص٣٧٢ رقم ٢٨٥٨، صحيح مسلم رقم المسلسل ٦٣٠٧، ٦٣٠٨، ٦٣١٠، سنن الترمذي ص٨٧٣ رقم ٣٨٦٧، ٣٨٦٩، سنن أبي داود رقم ٢٠٦٩، ٢٠٧٠، سنن ابن ماجه رقم ١٩٩٨، ١٩٩٩، فضائل الصحابة ج ٢ ص٩٤٥ رقم ١٣٢٣، ١٣٢٤ وص ٩٤٦ رقم ١٣٢٦، ٣٢٧، ١٣٢٨، ١٣٢٩، ١٣٣٠ و ص ٩٥٠ رقم ١٣٣٣، ١٣٣٤ وص ٩٥١ رقم ١٣٣٥ وص ٩٥٩ رقم ١٣٤٧، صحيح ابن حبان ج٩ ص٥٤ رقم ٦٩١٧، ٦٩١٨ وطبعة أخرىٰ ج١٥ ص٤٠٥ رقم ٦٩٥٥، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ ص٤٥٨ رقم ٨٤٦٧ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص١٤٨ رقم ٨٥٢٠)

حجرۂ نبویہ (ﷺ) کونین سے افضل کیوں؟

مقامات ہوں یا شخصیات ہر چیز کو عظمت وفضیلت نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ کی بدولت حاصل ہوئی۔ جس چیز کو نبی کریم ﷺ نے قرب بخشا تو وہ معزز ہوگئی اور جس چیز نے محبت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا قرب حاصل کیا تو وہ بھی معزز ہوگئی، مثلاً کھجور کے خشک تنے (استن حنانہ) کو حضور ﷺ نے قرب بخشا تو وہ معزز ہوگیا، اور جبل احد وغیرہ نے سید العالمین ﷺ سے محبت کی تو اس کا مقام بلند ہوگیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو جتنا افضل العالمین ﷺ کی حسی یا معنوی قربت حاصل ہو جائے وہ چیز اتنا ہی افضل ہو جاتی ہے۔ اسی مسلمہ حقیقت کے پیش نظر علماء کرام نے اُس مقام کو جہاں سید العالمین ﷺ آرام فرما ہیں کونین سے افضل قرار دیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولا خلاف أن موضع قبره أفضل بقاع الأرض.

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سید عالم ﷺ کی قبر اطہر کی جگہ روئے زمین سے افضل ہے''۔

(الشفاء، ج۲ ص۷۸، وطبعة أخرىٰ ص۲۸۱، وطبعة أخرى ج۲ ص۶۸۲، العطور المجموعة ص۱۴۱)

روئے زمین میں کعبہ معظمہ بھی شامل ہے اسی لیے دوسرے علماء کرام نے لکھا ہے:

ولا خلاف أن الموضع الذي ضم أعضاء المصطفى صلوات الله وسلامه عليه المقدسة المشرفة، أفضل بقاع الأرض على الإطلاق، حتى موضع الكعبة المعظمة.

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ جگہ جس سے مصطفیٰ ﷺ کا مقدس ومشرف جسم متصل ہے، مطلقاً روئے زمین کے تمام مقامات سے افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ معظمہ سے بھی''۔

(إتحاف الزائر لأبي اليمن بن عساكر ص۳۶، المواهب اللدنية ج۴ ص۶۰۲، سبل الهدىٰ ج۳ ص۳۱۵، شرح الزرقاني على المواهب ج۱۲ ص۲۳۴)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۴۴ھ نے جولکھا ہے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، یہ بات علامہ ابن تیمیہ حنبلی کو ناگوار گزری، انہوں نے اس کو بدعت اور اصولِ اسلام کے خلاف کہہ ڈالا، اور دعویٰ کیا کہ قاضی عیاض سے قبل ایسی بات کسی نے نہیں کہی۔

(مجموعة الفتاوى لابن تيمية ج٢٧ ص٣٧ وطبعة أخرىٰ ج ١٤ ص ٢٥)

حالانکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بھی یہ بات کہی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ کے پیارے شاگرد علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی "حجرة النبي أفضل ام الكعبة" (حجرۂ نبوی ﷺ افضل ہے یا کعبہ) کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

قال ابن عقيل سألني سائل: أيما أفضل حجرة النبي ﷺ أو الكعبة؟ فقلتُ: إن أردتَ مجرد الحجرة فالكعبة أفضل، وإن أردت وهو فيها فلا والله، ولا العرش وحملته، ولا جنة عدن، ولا الأفلاك الدائرة، لأن بالحجرة جسداً لو وزن بالكونين لرجح.

"امام ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے بعض سائلین نے دریافت کیا: حجرۂ نبوی ﷺ افضل ہے یا کعبہ معظمہ؟ تو میں نے کہا: اگر تمہاری مراد خالی حجرہ ہے تو کعبہ افضل ہے، اور اگر تمہاری مراد اُس میں مقیم سے ہے تو خدا کی قسم پھر کعبہ افضل نہیں، اور نہ ہی عرش اور اُس کے حاملین، نہ جنت عدن اور نہ تمام محیط افلاک، اس لیے کہ حجرہ مقدسہ جسد اطہر سے متصل ہے، اگر کونین کے ساتھ اس کا تقابل کیا جائے تو وہ افضل ہوگا"۔

(بدائع الفوائد لابن القيم ج٣ ص٦٥٥)

اختصاراً امام سبکی، امام سیوطی، امام قسطلانی، امام صالحی شامی، امام سمہودی، امام خفاجی، امام زرقانی، ملا علی القاری، امام ابن عابدین شامی، علامہ محمد یوسف بنوری، اور مولانا زکریا سہارنپوری نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(شفاء السقام في زيارة خير الأنام ص ،الخصائص الكبرىٰ ج٢ ص٣٨٦ وطبعة أخرىٰ ج ٢ ص٣٥١ ،المواهب اللدنية ج٤ ص٦٠٢ ،سبل الهدىٰ ج ٣ ص ٣١٥ ،وفاء الوفا للسمهودي ج١ ص٢٨ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص١٣٤ ،١٣٥ ،نسيم الرياض ج ٣ ص ٥٣١ ،المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ص٥٨٢ ،ردالمحتار ج٤ ص٤٧ ، شرح الزرقاني على المواهب ج١٢ ص٢٣٤ ،معارف السنن على جامع الترمذي ،فضائل حج لزكريا سهار نپوري ص٢٢٢)

امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے "الکرسی" کا اضافہ کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ بھی کونین میں آتی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ماضم أعضائه عليه الصلاة والسلام فإنه أفضل مطلقاً حتى من الكعبة والعرش والكرسي.

"جس مقام کے ساتھ جسد مصطفیٰ ﷺ متصل ہے وہ مطلقاً افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے بھی"۔

(درمختار ج٤ ص٣٧، ٣٨)

جب یہ فضیلت اُس جگہ کی ہے جو جسم نبوی ﷺ کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو پھر جو ہوہی خود جسم مصطفیٰ ﷺ کا حصہ اُس کی فضیلت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں کہ عرفاء کرام اور علماء عظام نے اپنے اپنے انداز میں اس سلسلے میں کیا فرمایا ہے۔

کیا جسم نبوی ﷺ سے افضل کوئی چیز ہے؟

امام سہیلی لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن داود سے دریافت کیا گیا:

فمن أفضل أخديجة أم فاطمة ؟ فقال: إن رسول الله ﷺ قال: إن فاطمة بضعة مني، فلا أعدل ببضعة من رسول الله ﷺ أحداً، وهذا استقراء حسن.

''پھر کون افضل ہے، سیدہ خدیجہ یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما؟ تو انہوں نے کہا: بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، لہٰذا ہم رسول اللہ ﷺ کے جسم کے حصے کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، اور یہ بہترین نتیجہ ہے''۔

(الروض الأنف للسهيلي ج١ ص٤١٨)

امام ابن الملقن، امام خیضری، امام قسطلانی، امام صالحی شامی، امام زرقانی مالکی اور علامہ وحید الزماں وغیرھم نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے اور اس کو عمدہ قرار دیا ہے۔

(غاية السول في خصائص الرسول ص٢٣٣، اللفظ المكرّم، بخصائص النبي الأعظم ص ٢٧٤، ٢٧٥، المواهب اللدنية ج٢ ص٧٨، سبل الهدىٰ والرشاد ج١١ ص١٢١، زرقاني على المواهب ج ٤ ص٣٧٢، تيسير الباري ج٤ ص٦١٧)

قاضی ثناء اللہ حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يقتضي فضل فاطمة على جميع الرجال والنساء، كما قال مالك: لانعدل ببضعة رسول الله ﷺ أحداً.

''یہ حدیث تمام مردوں اور عورتوں پر سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا تقاضا کرتی ہے، جیسا کہ امام مالک ؓ نے فرمایا کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کے حصے کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے''۔

(التفسير المظهري ج٢ ص٥٢)

علامہ محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تو خلفاء اربعہ ؓ پر بھی افضلیت دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

فلايضر فيه كون فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها أفضل من كل واحدة منهن لبعض الحيثيات الآخر، بل هي من بعض الحيثيات كحيثية البضعية أفضل من كل من الخلفاء الأربعة رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين.

''پس اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بعض حیثیتوں سے اُمہات المومنین میں سے ہر ایک سے افضل ہوں، بلکہ وہ بعض حیثیتوں سے جیسا کہ حیثیت بضعیہ (جسم نبوت کا حصہ ہونے) سے خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک سے افضل ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، ﷺ اجمعین .''

(روح المعاني ج۱۲ جز۲۲ ص٦)

آئندہ سطور میں متن میں بھی ایسی تصریح آ رہی ہے۔

سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کی ناراضگی میں غضبِ الٰہی

اس حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

''فمن أغضبها فقد أغضبني'' (سو جس نے اُسے غضب ناک کیا اُس نے مجھے غضب ناک کیا)

اور یہ ظاہر ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو غضب ناک کیا تو اُس نے اللہ تعالیٰ کو غضب ناک کیا، اسی لیے ایک حدیث میں تصریح آئی ہے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے راضی ہونے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اُن کے ناراض ہونے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ یہ حدیث آگے پندرھویں نمبر پر آ رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے عناداً اور بلا تاویل انہیں غضب ناک کیا تو اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو غضب ناک کیا اور یہ کفر ہے۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آگے یہی بات بیان فرمائی ہے۔

سیدہ کو برا کہنے والے کا حکم

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال السُّهَيلي: إن من سَبَّها فقد كفر، ويشهد له أن أبالبابة حين ربط نفسه وحلف أن لايحله إلا رسول الله ﷺ وجاءت فاطمة لتحله فأبى من أجل قسمِه فقال رسول الله ﷺ: إنما فاطمةُ بَضعة مِني.

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو برا کہا تو اس نے کفر کیا، اور انہوں نے اس پر دلیل یہ دی کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جب خود کو ستون کے ساتھ باندھ لیا اور قسم کھائی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہیں کھولے گا، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر انہیں کھولنا چاہا تو انہوں نے اپنی قسم کی وجہ سے معذرت کر لی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔

(الروض الأنف ج٣ص ٤٤٠، إتحاف الزائر لابن عساكر ص١٠١، سبل الهدى ج٥ ص٩، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ ج٢ ص٤٤٣، وطبعة أخرىٰ ج٢ ص١٩٦، المغانم المطابة للفيروز آبادي ج١ ص٤٠٢، التفسير المظهري ج٤ ص٤٧)

امام سہیلی کے کلام پر مصنف کا تأمل اور اس پر راقم کا تبصرہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری بیٹی کا کسی کو رہا کرنا اور ہمارا کسی کو رہا کرنا برابر ہے، اس میں کوئی فرق نہیں، لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

وفيه نظر۔

اور اس میں نظر ہے۔

نہ معلوم مصنف کی کیا مراد ہے، آیا حدیث محلِ نظر ہے یا امام سہیلی کا استدلال۔ اگر اُن کا یہ اشارہ حدیث کی طرف ہو تو یہ حدیث موضوع نہیں ہے، لہٰذا قابل استدلال ہے، اور اگر یہ اشارہ امام سہیلی کے استدلال کی طرف ہو تو پھر مصنف رحمۃ اللہ کا "فِيهِ نَظَرٌ" کہنا ہی قابل اعتراض ہے، کیونکہ سیدۂ کائنات علیہا السلام فقط جسمانی طور پر ہی نہیں بلکہ عقلی، علمی، عملی اور روحانی طور پر بھی بضعۂ نبوی ﷺ تھیں، جیسا کہ ہم اس سے قبل حدیث نقل کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ کی عقل مندی پر خوش ہو کر فرمایا کہ وہ ہمارے ہی جسم کا حصہ ہے، اور اسی طرح ہم ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ اُن کے نزدیک سیدہ فاطمہ سے بڑھ کر چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، صورت اور سیرت میں کوئی انسان بھی حضور ﷺ کے مشابہ نہیں تھا۔ سیرت وعمل کے لحاظ سے ایسا اظہار خیال بعض صحابہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے

بارے میں بھی فرمایا تھا، اور اُن کا خیال درست تھا کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

رضيتُ لأمتي ما رضي لها ابن أم عبد.

"میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند کرلیا جس کو اُس کے لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کرلیا"۔

(المستدرك ج٣ص٣١٧وطبعة أخرىٰ ج٤ص٣٧٨رقم٥٤٣٨،مجمع الزوائدج٩ص ٤٧٥،المطالب العالية ج٤ص١١٣رقم٤١٠١،إتحاف الخيرة المهرة ج١ص١٢٢رقم ٩٩،مجمع البحرين ج٣ص٤٢٥رقم٣٨٣٣،المعجم الأوسط ج٧ص٧٠٦٩، كشف الأستارج٣ص٢٤٩،الجامع الصغيررقم٤٤٥٨)

لہٰذا خود سوچئے کہ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ مقام حاصل ہے کہ اُن کی پسند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند ہے تو پھر سیدۂ نساءِ العالمین کی پسند میں اور سید العالمین صلوات اللہ وسلامہ علیہما کی پسند میں کیا فرق ہوسکتا ہے؟ لہٰذا امام سُہیلی کے استدلال میں کوئی اعتراض نہیں، بلاشبہ سیدہ کا کسی کو قید سے رہا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہا کرنا ہے، سیدہ کی پسند و ناپسند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند و ناپسند ہے اور سیدہ کی اہانت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت ہے، لہٰذا کفر ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کے "فيه نظر" کہنے کی اصل

دراصل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "فيه نظر" کا جملہ حافظ رحمہ اللہ سے لیا ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "فمن أغضبها أغضبني" (جس نے اُسے غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا) کے تحت لکھتے ہیں:

استدل به السهيلي علىٰ أن من سبها فانه يكفر، وتوجيهه أنها تغضب من سبها، وقد سوىٰ بين غضبها وغضبه ومن أغضبه ﷺ يكفر، وفي هذا التوجيه نظر لا يخفى.

"امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے دلیل لی ہے کہ جس نے سیدہ کو سب کیا تو اُس

نے کفر کیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے سیدہ کو سب کر کے غضبناک کیا، اور انہوں نے سیدہ کے غضب اور حضور ﷺ کے غضب کو برابر قرار دیا اور جس نے حضور ﷺ کو غضب ناک کیا اُس نے کفر کیا، اور اس توجیہ میں جو اعتراض ہے وہ مخفی نہیں"۔

(فتح الباري ج ٧ ص ٤٧٧)

ہمارے نزدیک سیدہ کے غضب اور نبی کریم ﷺ کے غضب کو برابر قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور جس نے سیدہ کو غضبناک کیا اُس کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں لیکن یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ جس پر سیدہ غضبناک ہوئیں تو کس وجہ سے ہوئیں؟ آیا اُس کے سب وشتم کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے؟ اگر وجہ سب وشتم ہو تو واقعی وہ کافر ہوا اور اگر وجہ کوئی اور ہے تو اُس میں سامنے والے کی نیت بلکہ اُس کے مقام ومرتبہ کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ دیکھیے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکۃ المکرمۃ پر حضور ﷺ کی تیاریوں کے متعلق مخبری کر دی تھی، اور چونکہ یہ بات غداری کے زمرہ میں آتی ہے اس لیے اس پر غضبناک ہونا بھی فطری عمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم ﷺ نے حضرت حاطب کی نیت (کہ وہ اس احسان سے مشرکین مکہ کے ہاں اپنے بچوں کا تحفظ چاہتے تھے) کی وجہ سے اور اُن کے مرتبہ کی وجہ سے کہ وہ بدری صحابی تھے، اُن سے درگذر فرمایا اور اُن کا یہ غضب کن عمل اُن کے حق میں کفر کا سبب نہ بنا۔ اس میں اُن کی نیت اور اُن کا مرتبہ دونوں اُن کے حق میں ڈھال ثابت ہوئے۔

یہاں ایک اور مثال انتہائی مفید ہے، وہ یہ کہ تقریباً تمام اہل اسلام خوارج کو کافر گردانتے ہیں مگر اُن بدبختوں نے جن کے خلاف جنگ کی اور جن کو کافر قرار دیا وہ انہیں کافر قرار دینے سے اجتناب فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: کیا خوارج کافر ہیں؟ فرمایا: نہیں، عرض کیا گیا: وہ آپ کو تو کافر کہتے ہیں۔ فرمایا: وہ قرآن کی بعض آیات کو سمجھ نہیں پائے، لہٰذا وہ اپنی سمجھ کے مطابق اُن آیات کی تاویل میں ہمیں کافر سمجھتے ہیں۔

اگر آپ یہ توجیہات سمجھ چکے ہیں تو یہاں یہ جانتے چلئے کہ ہمارے علماء کرام کے "فیہ نظر" کہنے کا مقصد کیا ہے؟ اس سے اُن کا مقصد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض دشمنوں کا منہ بند کرنا ہے۔ کیونکہ بخاری

کی بعض احادیث میں ہے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام تادم حیات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض رہیں، اس سے استدلال کرتے ہوئے دشمنانِ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کے خلاف بھڑاس نکالتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اقدام بھی درست تھا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ بھی درست تھا۔ وہ کیسے؟ اس کی تفصیل آئندہ حدیث کے تحت آ رہی ہے۔

ایک اور "فِیْهِ نَظَرٌ"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

استدل به السهيلي علىٰ أن من سبها كفر، لأنه يغضبه، وأنها أفضل من الشيخين، قال ابن حجر: وفيه نظر.

"امام سہیلی نے اس سے دلیل لی ہے کہ جس نے سیدہ فاطمہ کو سبّ کیا اُس نے کفر کیا، اس لیے کہ اُس نے حضور ﷺ کو غضبناک کیا، اور بیشک سیدہ فاطمہ شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ ابن حجر نے فرمایا: اور اس قول میں نظر ہے"۔

(فيض القدير للمناوي ج٨ ص ٤١٧٤)

سیدہ کے غضبناک ہونے اور حضور ﷺ کے غضبناک ہونے میں جو برابری کا قول ہے اُس پر ہم ابھی ابھی گفتگو کر چکے ہیں، یہاں اگر "فيه نظر" کا تعلق سیدہ کی شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر افضلیت کے متعلق ہو تو اس ایک نظر پر آگے پانچویں باب کے متن اور شرح میں متعدد نظریں آئیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سیدہ پر درود حضور ﷺ پر درود ہے

اس مقام پر امام ابوالقاسم عبدالرحمان الخثعمي السهيلي متوفی ۵۸۱ھ نے ایک اور بات بھی بہترین فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا:

إن فاطمة مضغة مني، فصلى الله عليه وعلىٰ فاطمة، فهذا حديث يدل علىٰ أن من سبها فقد كفر، وأن من صلّىٰ عليها فقد صلّىٰ علىٰ أبيها ﷺ.

"فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ پر اور سیدہ فاطمہ پر درود ہو، سو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جس نے سیدہ کو برا کہا اُس نے کفر کیا اور جس نے سیدہ پر درود بھیجا اُس نے حضور ﷺ پر درود بھیجا"۔

(الروض الأنف ج٣ ص ٤٤٠)

یہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کا زبردست استدلال ہے، ان شاء اللّٰہ یہ فقیر آئندہ صفحات میں چوتھی حدیث کے تحت اس پر مزید گفتگو کرے گا۔

سیدہ کو اذیت پہنچانے پر دنیا اور آخرت کا عذاب

وقال بعضهم: أن كل من وقع منهم في حق فاطمة شيء فتأذت به، فالنبي ﷺ يتأذى به، ولا شيءَ أعظم من إدخال الأذى عليها من قِبَلِ ولدها، وهذا عرف بالاستقراء ...... معالجة من تعاطى ذلك بالعقوبة فى الدنيا ولعذاب الآخرة أشد.

بعض علماء نے کہا ہے: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لوگوں سے جو بھی کوئی ایسی چیز سرزد ہوتی ہے جس سے انہیں تکلیف پہنچے تو اُس سے نبی کریم ﷺ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، اور سیدہ کو اُن کی اولاد کے بارے میں جو تکلیف پہنچائی جائے اُس سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں، اور یہ بات تحقیق وتلاش سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص بھی اس اذیت رسانی میں مشغول ہوا وہ دنیوی سختیوں سے دوچار ہوا، اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ شدید ہے۔

فاطمیہ کو اذیت پہنچانے والوں کا انجام

آخری الفاظ میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرف اشارہ کیا ہے اگر اُس کی تفصیل کی جائے تو اُس کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ کسی عام فرد کا کسی فاطمی فرد کو اذیت پہنچانا اور دنیا میں اُس کی سزا پانا

۲۔ کسی مقتدر (حکمران) فرد کا کسی فاطمی فرد کو اذیت پہنچانا اور دنیا میں اُس کی سزا پانا

۳۔ مقتدر پارٹی کا افرادِ فاطمیہ کو اذیت پہنچانا اور دنیا میں اُس کی سزا پانا۔

اللہ تعالیٰ علماء اہل سنت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ جہاں اُنہوں نے اپنی کتب میں فاطمیہ کی تعظیم کرنے والوں کی کامیابیوں کا ذکر کیا ہے وہیں انہوں نے فاطمیہ کو اذیت پہنچانے والوں کی ان تینوں قسموں کی تفصیل بھی درج فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ کتب جو اہل بیت کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہیں اُن میں عموماً محبین اہل بیت اور معاندین اہل بیت دونوں کے واقعات درج ہوتے ہیں اور واقعۂ کربلا میں اہل بیت پر جو مظالم ڈھائے گئے تھے اور جو جو کلاب النار اُس جرم میں شامل ہوئے تھے، اُن کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں اُن کا انجام کیا ہوا تھا تو اس کے لیے آپ کو تاریخ طبری، الکامل فی التاریخ اور "البدایۃ والنھایۃ" وغیرہ کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اختصار کے ساتھ یہ تذکرہ علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "شام کربلاء" میں کیا ہے، اردو داں حضرات اُس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

الحديث الثاني

عنه أيضاً۔ أنه ﷺ قال: "فاطمة بَضعَةٌ مِني يقبضني مايقبضها، ويبسطني مايبسطها، وإن الأنساب تنقطع يوم القيامة غيرَ نسبي.

[رواه الإمام أحمد والحاكم].

دوسری حدیث

اُن ہی (مِسْوَر بن مخرمہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جو بات انہیں کبیدہ خاطر کرتی ہے وہ مجھے بھی کبیدہ خاطر کرتی ہے اور جو بات انہیں خوش کرتی ہے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے، اور بیشک قیامت کے دن تمام نسب منقطع ہو جائیں گے ماسوا میرے نسب کے۔

اس کو امام احمد اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج ٤ ص ٣٢٣، ٣٣٢ وطبعة أخرىٰ ج ٦ ص ٤١٣ رقم ١٩١١٤، ١٩١٣٨، فضائل الصحابة ج ٢ ص ٩٥٠ رقم ١٣٣٣ المستدرك ج ٣ ص ١٥٧ وطبعة أخرىٰ ج ٤ ص ١٤٤ رقم ٤٨٠١)

اس سلسلے میں صحابہ وتابعین ﷺ کی احتیاط

جلیل القدر صحابہ اور تمام اسلاف کرام ﷺ اس مسئلہ میں انتہائی محتاط تھے۔ چنانچہ اسی حدیث میں جس احتیاط کا ذکر ہے اُس میں ہر مسلمان کے لیے اتباع کا مکمل نمونہ موجود ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اختصاراً نقل کیا ہے لیکن یہ احقر اِس خاص مقصد کی خاطر اس کا مکمل ترجمہ نقل کر رہا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مِسْوَر بن مخرمہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اُن کی طرف حضرت حسن بن حسن ﷺ نے پیغام بھیجا کہ وہ اُنہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دیں۔ حضرت مسور ﷺ نے قاصد کو فرمایا کہ اُنہیں جا کر عرض کرو کہ وہ نماز عشاء میں مجھ سے ملاقات کریں۔ فرمایا: انہوں نے ملاقات کی تو حضرت مسور ﷺ نے حمد وثناءِ الٰہی کے بعد عرض کیا: بخدا کوئی نسب، کوئی ازدواجی تعلق داری اور کوئی سسرالی رشتہ داری میرے نزدیک تمہارے نسب اور تمہارے ساتھ سسرالی رشتہ داری سے زیادہ محبوب نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اُنہیں کبیدہ خاطر کرتی ہے وہ مجھے بھی کبیدہ خاطر کرتی ہے اور جو بات اُنہیں مسرور کرتی ہے وہ مجھے بھی مسرور کرتی ہے، اور بیشک تمام نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے ماسوا میرے نسب کے، میرے ساتھ ازدواجی تعلق داری اور سسرالی رشتہ داری کے، اور آپ کے عقد میں سیدتنا فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی ایک لختِ جگر ہے، اس لیے اگر میں آپ کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں تو اس سے سیدہ کائنات کو تکلیف پہنچے گی، اس وضاحت کے بعد وہ معذرت کرتے

ہوئے چلے گئے"۔

(مسند أحمد ج٤ ص ٣٢٣، ٣٣٢ وطبعة أخرى ج٦ ص ٤١٣ رقم ١٩١١٤، ١٩١٣٨، فضائل الصحابة ج٢ ص ٩٥٠ رقم ١٣٣٣، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٧ وطبعة أخرى ج٤ ص ١٤٤ رقم ٤٨٠١، المعجم الكبير ج٢٠ ص ٢٥، ٢٧، مختصر تاريخ دمشق ج٢٤ ص ٣٠٥، ذخائر العقبىٰ ص ٥١، مجمع الزوائد ج٩ ص ٢٠٣ رقم ١٥٢٠٣، سبل الهدى ج١٠ ص ٤٤٩، مناقب علي للفوادص ١٨٦، ١٨٧)

علماء نے لکھا ہے:

"اُس وقت سیدنا امام حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کے نکاح میں سیدتنا فاطمہ بنتِ حسین بن علي بن ابی طالب علیہم السلام تھیں"۔

(جمهرة أنساب العرب لابن حزم ص ٤١)

یہ امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے وہ فرزند ارجمند ہیں جن کا تذکرہ بخاری شریف میں یوں آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جب حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی وفات ہوئی تو اُن کی زوجہ محترمہ نے ان کی قبر پر ایک برس تک خیمہ لگائے رکھا، یہاں تک کہ ایک غیبی آواز آئی کہ کیا کبھی لوگوں نے وفات یافتہ کو واپس پایا؟ دوسری غیبی آواز آئی کہ نہیں بلکہ وہ ناامید ہو کر پلٹ گئے"۔

(بخاري ص ٢١٢)

اللہ تعالیٰ نے جونہی یہ آواز سنائی تو سیدہ کائنات کی پوتی علیہما السلام نے خیمہ ہٹا لیا۔ محدثین کرام نے لکھا ہے:

"ان کا نام فاطمہ بنت حسین ہے اور یہ حضرت حسن بن حسن علیہم السلام کی چچازاد تھیں"۔

(فتح الباري ج ۳ ص ۵۵۹)

خود اندازہ لگائیے کہ جن اسلاف کرام کو اپنی آخرت کی فکر تھی تو خوب تھی، اور انہیں یقین تھا کہ اگر اُن کی طرف سے سیدہ کے کسی بھی لختِ جگر کو کوئی ٹھیس پہنچی تو وہ سیدہ کو پہنچے گی اور چونکہ سیدہ جسم نبوی ﷺ کا حصہ ہیں، لہٰذا اس کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ اگر حضرت مِسوَر رضی اللہ عنہ حضرت حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کو رشتہ دے دیتے تو اس میں بھی ایک فاطمی لختِ جگر کی خوشنودی مضمر تھی مگر چونکہ اُس فاطمی شہزادے کے گھر میں پہلے سے فاطمی شہزادی بھی تو موجود تھی، اور ظاہر ہے کہ شہزادے کی خوشنودی کی بہ نسبت سوکن ڈالنے کی صورت میں شہزادی کی دل شکنی فوری اور زیادہ یقینی تھی اس لیے حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے ایک جائز بات پر عمل کرنے سے اجتناب کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز بات پر اللہ کی محبوب ہستیوں کے دل کو ٹھیس پہنچے تو اس سے بھی بچنا چاہیۓ۔

خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کی احتیاط

دیکھیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو سیدۂ کائنات علیہا السلام کا مطالبہ ماننے سے معذرت کی تھی، اُس میں اُن کا موقف درست تھا اور قرآن وسنت کے احکام میراث کے حوالے سے سیدہ کا مطالبہ بھی شرعاً اور عقلاً برحق تھا لیکن بہت ممکن ہے کہ ان کے علم میں وہ مخصوص حدیث نہ آئی ہو جو انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث کے متعلق ہے، جیسا کہ بعض احادیث بعض اُن صحابہ کرام کے علم میں نہیں ہوتی تھیں جو باقاعدہ منصب افتاء پر بھی فائز ہوتے تھے، مثلاً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک فتویٰ دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُن سے اختلاف کیا، کیوں؟ اس لیے کہ انہیں ایک ایسی حدیث معلوم تھی جو کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علم میں نہیں تھی، حالانکہ سیدنا ابن عباس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور بایں وجہ تعظیماً اُن کی رکاب بھی تھامتے تھے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی بعض احادیث موقعہ پر معلوم نہیں تھیں اور بعد میں کسی دوسرے صحابی کے سینے سے دستیاب ہوئیں تو انہوں نے اُن کے مطابق فتویٰ دیا۔ فی الجملہ یہ کہ سیدہ کائنات کا مطالبہ قرآن وسنت کے عموم کے مطابق درست تھا فقط مخصوص احادیث اُن کے گوشۂ ذہن

میں نہیں آئی تھیں، اور دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کا فیصلہ بھی اُن کی معلومات کے مطابق درست تھا لیکن ان کے درست موقف کے باوجود اُن کی دانائی نے انہیں نہ رہنے دیا اور سیدہ کے دل کو جو وقتی طور پر ٹھیس پہنچی تھی اُس کا ازالہ انہوں نے ضروری سمجھا۔

بخاری پر دوسری کتب کو ترجیح کیوں؟

اس مقام پر بعض حضرات کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بخاری شریف میں تو ہے کہ سیدہ کائنات علیہا السلام تادمِ وصال حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ سے ناراض رہیں، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم بخاری کی روایت کو ترجیح دیں۔ اس پر گزارش ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے حبیب کریم ﷺ نے ہمیں بخاری یا صحاح ستہ وغیرہا کا پابند نہیں کیا، ہم فقط فرامینِ نبویہ ﷺ اور آثارِ صحابہ ﷛ کے پابند ہیں، البتہ اس سلسلے میں حتی الامکان کسی بات کی صحت کی تحقیق کے بھی ہم پابند ہیں، اور یہ پابندی بھی ہم پر قرآن وسنت کی روشنی میں لازم ہے، جیسا کہ ارشاد ہے "إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" (اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو) [الحجرات:٦] صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ ﷛ کے سامنے بخاری اور صحاحِ خمسہ نہیں تھیں۔

اگر امت پر بخاری سمیت دوسری کتبِ احادیث اپنی موجودہ ترتیب کے ساتھ لازم ہوتیں تو امت میں اختلاف کیوں ہوتا؟ پوری صحاح ستہ ہی نہیں بلکہ فقط بخاری شریف کی ہزاروں احادیث ہیں جن پر فقہاءِ احناف ﷭ دوسری احادیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بخاری کی احادیث کو عملاً متروک، مرجوح یا منسوخ سمجھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ سارا دین بخاری شریف میں نہیں ہے، لہٰذا یہ ناکارہ بھی اس مسئلہ میں عظمتِ صدیقی اور اسوۂ فاطمی ﷝ کے پیشِ نظر بخاری کی روایت پر دوسری روایات کو ترجیح دینا بہتر سمجھتا ہے، اور وہ دوسری روایات یہ ہیں:

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عامر شعبی ﷬ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق ﷛ آئے اور اجازت طلب فرمائی۔ حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے

فرمایا: یا فاطمہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے ہیں: آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں۔ سیدہ نے عرض کیا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں انہیں اجازت دوں؟ فرمایا: ہاں، تو سیدہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت فرمائی، وہ اندر تشریف لے آئے اور سیدہ کو راضی کرنا شروع کیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے گھربار، مال، اہل وعیال اور رشتہ داروں کو نہیں چھوڑا مگر اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر اور اہل بیت تمہاری رضا کی خاطر، پھر راضی کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سیدہ راضی ہوگئیں''۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٢٥٦، السنن الكبرى للبيهقي ج٦ ص٣٠١ وطبعة أخرىٰ ج٦ رقم ١٢٧٣٥، الرياض النضرة ج٢ ص٩٦، ٩٧ وطبعة أخرىٰ ج١ ص١٥٢، مناقب علي والحسنين للقلعجي ص ٢٧٠)

یہاں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''سیدہ فاطمہ علیہا السلام سنت کو سمجھتی تھیں اس لیے انہوں نے اپنے شوہر کی رضامندی سے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی''۔

(سير أعلام النبلاء ج ٣ ص ٤٢٦)

امام محب طبری لکھتے ہیں:

''محدث اوزاعی نے بیان کیا ہے کہ انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ سیدہ فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکل کر سخت گرم دن میں سیدہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور کہا: ''**لا أبرح مكاني حتىٰ ترضى عني بنتُ رسولِ الله ﷺ**'' (جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی مجھ پر راضی نہیں ہوں گی میں اپنی اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا) پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر انہیں قسم دی کہ وہ راضی ہو جائیں تو وہ راضی ہوگئیں''۔

(الرياض النضرة ج٢ ص٩٧ وطبعة أخرىٰ ج١ ص١٥٢)

یہ ہے "یقبضني ما یقبضها" (جو بات انہیں کبیدہ خاطر کرتی ہے وہ مجھے بھی کبیدہ خاطر کرتی ہے) کے پیش نظر اسلاف کرام کی احتیاط۔

سیدہ کی خوشی میں اسلاف کا طرزِ عمل

اس حدیث میں ہے کہ "ویبسطني ما یبسطها" (جو بات سیدہ کو خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے) اس سلسلے میں بھی ہمارے اسلاف کرام کی سیرت بہت روشن ہے، انہوں نے فاطمیہ کی تعظیم میں ہمیشہ نسبت کو یاد رکھا، اگر کسی نے دریافت کرلیا کہ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں کی اس حد تک کیوں تعظیم کررہے ہیں تو کسی زبان پر جواب آیا: یہ رسول اللہ ﷺ کی ذریت ہیں اور کسی نے کہا: یہ سیدہ فاطمہ کے لخت جگر ہیں، اور دونوں جوابوں کی حقیقت ایک ہی ہے کہ نسب و نسبت ایک ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل واقعات یقیناً ایمان افروز ہیں۔

۱۔ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "مدرک بن عمارہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کی رکاب تھامی تو انہیں عرض کیا گیا: آپ ان کی رکاب تھام رہے ہیں حالانکہ آپ ان سے بڑے ہیں؟ فرمایا: یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہیں، "أولیس من سعادتي أن آخذ بر کابیھما؟ (کیا یہ میری سعادت نہیں کہ میں ان کی رکاب تھام رہا ہوں؟)"۔

(مختصر تاریخ دمشق لابن منظور ج٧ ص١٢٨)

اس سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جنہیں اُن کے علم نے فاطمیہ کی تعظیم سے محروم کر رکھا ہے، اور انہیں سوچنا چاہیے کہ کیا وہ حبر الامۃ، ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے عالم ہیں؟

۲۔ امام عبدالرحمان سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ابوالفرج اصفہانی، عبید اللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ

بن سعید نے ابان قریشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن ﷫ حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ کے پاس گئے وہ نوعمر تھے، ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ نے انہیں اونچی جگہ پر بٹھایا، اُن کی طرف خوب توجہ فرمائی اور اُن کی ضرورتیں پوری کیں، پھر ان کے جسم کے ایک بل کو پکڑ کر اتنا دبایا (چٹکی لی) کہ انہوں نے تکلیف محسوس کی اور فرمایا شفاعت کرنے کے لیے اسے یاد رکھنا، جب وہ تشریف لے گئے تو ان کی قوم نے ان کو ملامت کی اور کہا: آپ نے ایک نوعمر بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے سن رہا ہوں، آپ نے فرمایا:

"إنما فاطمة بضعة مني يسرني ما يسرها" (فاطمہ میری لختِ جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا سبب ہے)

اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا زندہ تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے سے کیا اس سے خوش ہوتیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے جو اُن کے پیٹ کی چٹکی لی ہے اور جو کچھ آپ نے اُنہیں کہا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا "بنو ہاشم کا ہر فرد صاحبِ شفاعت ہے، مجھے توقع ہے کہ مجھے ان سے شفاعت حاصل ہوگی"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول وذوي الشرف ج۱ ص۴۱۸، جواهر العقدين ص۲۹۷، الشرف المؤبد لآل محمد للنبهاني ص۹۳)

قریشی، ہاشمی اور فاطمی کی اپنی اپنی عظمت

یہاں ہم ایک تلخ حقیقت کی طرف متوجہ کرانا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ بعض محافل میں جب قریشیوں اور ہاشمیوں کی بہ نسبت فاطمی سادات کی تعظیم زیادہ کی جاتی ہے تو بعض قریشی یا ہاشمی حضرات محسوس کرتے ہیں اور...... لہٰذا ہم ایسے تمام حضرات کی خدمت بابرکت میں عرض کرتے ہیں کہ اُن کی

جوتیاں بھی ہمارے سروں کا تاج ہیں، کیونکہ وہ حضور ﷺ کے ہی رشتہ دار ہیں، اور ساتھ ہی اُن سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا دونوں واقعات میں ضرور غور فرمائیں۔

پہلے واقعہ میں جو ہستی حسنین کریمین کی رکاب تھامتے ہوئے نظر آرہی ہے وہ نہ تو نسبی طور پر عام ہستی ہے اور نہ ہی علمی طور پر۔ نسب میں وہ ہاشمی ہیں اور نبی کریم ﷺ کے سگے چچازاد ہیں اور علم میں اُن کا اتنا بڑا مقام ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے آکر خبر دی تھی کہ یہ آپ کی امت میں بڑے مفسر قرآن اور بڑے عالم ہیں۔

دوسرے واقعہ میں جو ہستی سب سے توجہ ہٹا کر ایک چھوٹے سے فاطمی بچے کی طرف ہمہ تن متوجہ نظر آرہی ہے، وہ بھی نسباً کوئی عام آدمی نہیں بلکہ قریشی ہیں، وقت کے خلیفہ ہیں اور عدل وتقویٰ میں عمرِ ثانی ہیں۔ لہٰذا امت کے حق میں تو ہر قریشی اور ہر ہاشمی قابلِ تعظیم ہے لیکن ہر قریشی اور ہاشمی حضور ﷺ کا رشتہ دار ہے اولاد نہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے خاندان سے ہیں مگر آپ کا خون نہیں، اور اگر اس بات کو زیر بحث حدیث کی طرف پھیرا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ اولادِ رسول ﷺ بضعۂ نبوی (جسم نبوی ﷺ کا حصہ) ہے لیکن کوئی قریشی اور ہاشمی جسم نبوی ﷺ کا حصہ نہیں۔ اسی لیے مذکورہ بالا جلیل القدر ہاشمی اور قریشی حضرات نے خون نبوی ﷺ کی تعظیم کو مقدم رکھا اور ہمارے لیے اس میں اسوہ ہے، کیونکہ یہی "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کا تقاضا ہے۔ اس پر مزید گفتگو آئندہ حدیث کے تحت بھی آرہی ہے۔

الحديث الثالث

عنه - أيضاً - عن رسول الله ﷺ: إنما فاطمة شُجْنَةٌ مني يبسطني ما يبسطها ويقبضني ما يقبضها.

[رواه الحاكم والطبراني]

تیسری حدیث

اور انہیں (مسور بن مخرمہ ﷺ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے وجود کا حصہ ہے، جو بات اسے مسرور کرتی ہے وہی مجھے مسرور کرتی ہے اور جو بات انہیں کبیدہ خاطر کرتی ہے وہی مجھے کبیدہ خاطر کرتی ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(المستدرك للحاكم ج٣ص١٥٣ وطبعة أخرىٰ ج٤ص١٣٩ رقم٤٧٨٧، فضائل فاطمة الزهراء للحاكم ص٥٥ رقم٤٠، المعجم الكبير ج٨ص٣٨٠ رقم١٦٤٥٩، وج٩ص٣٦٥ رقم ١٨٤٤٧، فضائل الصحابة ج٢ص٩٥٩ رقم١٣٤٧، الآحاد والمثاني ج٥ص٣٦٢ رقم ٢٩٥٦، مجمع الزوائد ج٩ص٢٠٣ وطبعة أخرىٰ ج٩ص٣٢٨ رقم ١٥٢٠٣)

"شُجْنَةٌ مني" کا معنیٰ

یہ حدیث مختصر اور مفصل دونوں طرح منقول ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مختصر ہے اور امام احمد و امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں مفصل ہے اس میں وہ واقعہ بھی موجود ہے جس میں حضرت حسن بن حسن ﷺ کے رشتہ مانگنے اور حضرت مسور بن مخرمہ ﷺ کی معذرت کا ذکر ہے، لیکن اُس میں "مضغة مني" کے الفاظ ہیں اور یہاں "شُجْنَةٌ مني" کے الفاظ ہیں۔ اس لفظ کا کیا معنیٰ ہے؟ کتب لغت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز سے جڑا ہوا ہونا اور گتھا ہوا ہونا "شُجْنَةٌ" اور "شِجْنَةٌ" کہلاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ علماء لغت نے اس بات کو کس انداز میں سمجھایا ہے۔ امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ١٧٥ھ لکھتے ہیں:

الشجنة قرابة مشتبكة، ويقال: هي كالغصن من الشجرة، ويقال: هي شجنة وشجنة.

"شجنہ ایسی متصل قرابت کو کہتے ہیں جو درخت سے نکلی ہوئی ٹہنی کی طرح ہو اور اس کو "شُجْنَةٌ" اور "شِجْنَةٌ" دونوں طرح پڑھا جاتا ہے"۔

(كتاب العين للفراهيدي ص ٤٦٥، الغريبين في القرآن والحديث لأبي عبيد ج٣ ص ٩٧٥)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور آگے فرمایا ہے:

وأصل ذلک الشجر الملتف عروقه وأغصانه، ومنه قولهم: الحديث ذوشجون أي يتداخل ويمسک بعضه بعضاً ويجر بعضه إلىٰ بعض.

اس کا اصل معنی ایسے درخت پر دلالت کرتا ہے جس کی جڑیں اور شاخیں باہم ملی ہوئی ہوں، اور اسی معنی میں عرب مربوط گفتگو کو بھی "**الحديث ذوشجون**" سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ بات کا ایک حصہ دوسرے حصہ میں داخل ہوتا ہے، اُس سے اس کا ربط ہوتا ہے اور ایک حصہ دوسرے حصہ کو اپنے ساتھ ملاتا ہے"۔

(مشارق الأنوار ج٢ ص ٤١٢، لسان العرب ج٧ ص ٣٩)

امام فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والشِجنة بالكسر شعبة من عنقود تدرک كلها.

''شین کی زیر سے شِجنہ کا معنی خوشہ کا وہ حصہ ہے جو پورا حاصل کیا جائے''۔

(القاموس المحيط ص ١٥٦٠، تاج العروس ج١٨ ص ٣١٤)

اس معنیٰ کی روشنی میں فاطمیہ کی فضیلت

اس سے معلوم ہوا کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام شجرِ مصطفیٰ ﷺ کی ایسی شاخ ہیں جو اپنی اصل سے جدا نہیں ہوئی۔ اسی لیے تو ارشاد فرمایا کہ جو چیز انہیں تکلیف پہنچاتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔ اگر شاخ درخت سے جدا ہو جائے تو پھر شاخ کو گزند پہنچنے سے درخت کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ایسی معیت اور ایسا اتصال کسی بھی ہاشمی اور قریشی کو حاصل نہیں۔ قریشیوں سے ہاشمی منتخب ہوئے، ہاشمیوں سے حضور ﷺ منتخب ہوئے اور حضور ﷺ کے منتخب وجود سے سیدہ فاطمہ اور پھر اُن کی اولاد ظہور پذیر ہوئی بلکہ حضور ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت چاروں نفوسِ مقدسہ کو اپنے لیے منتخب فرمالیا۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرات امام حسن، امام حسین، مولیٰ علی اور سیدتنا فاطمۃ الزہراء ؓ پر چادر ڈالی پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي وحامّتي أذهِبْ عنهم الرجسَ وطَهِّرهم تطهيراً.

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص ہیں، ان سے پلیدی کو دور رکھ اور انہیں خوب پاک فرما''۔

(سنن الترمذي ص ٨٧٤ رقم ٣٨٧١، سير أعلام النبلاء للذهبي ج ٤ ص ٤٠٤، ذخائر العقبىٰ ص ٣٢، جواهر العقدين ص ١٩٤)

اس حدیث میں اہلِ کساء (چادر والوں) کی شان میں زبانِ نبوت سے ''حامّتي'' کا لفظ صادر ہوا، اس کا معنیٰ کیا ہے؟ اہلِ لغت لکھتے ہیں:

حامّة الإنسان: خاصّته ومن يقرب منه. وهو الحميم أيضاً

''انسان کے ''حامّة'' کا معنیٰ ہے: اُس کا خاص اور وہ شخص جو اس کا مقرب ہو، اور اسی معنیٰ میں لفظِ ''حميم'' ہے''۔

(النهاية في غريب الحديث ج ١ ص ٤٢٩، الغريبين في القرآن والحديث ج ٢ ص ٤٩٧، مجمع بحار الأنوار ج ١ ص ٥٦٦، لغات الحديث لوحيد الزمان ج ١ ص ٥١٦)

بعض احادیث میں ''**وخاصّتي**'' (اور میرے خاص ہیں) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

(سير أعلام النبلاء للذهبي ج ٤ ص ٣٨٤، نزل الأبرار للبدخشاني ص ١٠٦)

لہٰذا حضور ﷺ سے جو قربت، معیت اور اتصال ان کو اور ان کی اولاد کو حاصل ہے وہ کسی قریشی اور ہاشمی کو حاصل نہیں۔

ہاشمی اور قریشی کے درجہ میں فرق

ان کے بعد بنو ہاشم کا مرتبہ ہے اور بنو ہاشم کے بعد قریش کا۔ اس حقیقت پر متعدد نقلی شواہد ہیں،

جن میں سے ایک دلیل اُس مکالمہ میں بھی موجود ہے جو وصالِ نبوی ﷺ کے بعد سیدنا عباس بن عبد المطلب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مابین ہوا تھا۔ امام ابو محمد القاسم بن ثابت السر قسطی متوفی ۳۰۲ھ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ الفاظ آگئے:

علىٰ رسلكم يابني هاشم إفإن رسول الله ﷺ مِنّا ومنكم، فقال له العباس: أما زعمك ياعمر! أن رسول الله ﷺ مِنّا ومنكم، فإن رسول الله ﷺ من شجرة، نحن أغصانها، وأنتم جيرانها.

"اے بنو ہاشم! ذرا سکون سے رہو، رسول اللہ ﷺ ہم سے بھی ہیں اور تم سے بھی، اس پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمہارا یہ زعم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے بھی ہیں اور تم سے بھی، تو سنو! رسول اللہ ﷺ ایک درخت سے ہیں، ہم اُس درخت کی شاخیں ہیں اور تم اُس درخت کے پڑوسی ہو"۔

(كتاب الدلائل في غريب الحديث ج۲ ص۱۷۳)

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق کو قبول کرنے میں جلدی کرتے تھے اس لیے وہ اس بات پر خاموش ہوگئے، نہ صرف یہ کہ خاموش ہوئے بلکہ بعد میں یہ حقیقت اُن کی سیرت میں شامل ہوگئی اور اُن کا عقیدہ بن گئی۔ یہاں پہلے ہم حق کی طرف رجوع کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرعت کا ذکر کرتے ہیں پھر ان کی بنو ہاشم اور بنو فاطمہ کے ساتھ عقیدت کا ذکر کریں گے۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال مالك، وقال ذلك للثناء علىٰ عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ماكان بأعلمنا ولكنه كان أسرع رجوعاً إذا سمع الحق.

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور یہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا کہ وہ ہم سے بڑے عالم نہیں تھے لیکن جب وہ حق سنتے تو رجوع کرنے میں جلدی کرتے تھے"۔

(جامع بیان العلم وفضله ج۲ص ۱۱٤۱)

اس سے قبل حق مہر کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاتون کی بات کو کس سرعت سے قبول کیا تھا۔ سو اسی طرح جب انہیں یہ حقیقت بھی سمجھ آگئی تو وہ زندگی بھر اس پر کاربند رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سخت قحط سالی آگئی تو انہوں نے سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کی اور کہا: اے اللہ! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے بارش نازل فرما تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ کتب میں تصریح ہے۔

(بخاري ص ١٦٢ رقم ١٠١٠ وص ٦٢٦ رقم ٣٧١٠، الجمع بين الصحيحين ج١ ص ١٣١ رقم ٥٩، المعجم الكبير ج١ ص ٣٩ رقم ٨٢، كتاب الدعاء للطبراني ص ٣٠٠ رقم ٩٦٥، شرح السنة ج٣ ص ٢٢٥ رقم ١١٦٥، جامع الأصول ج٤ ص ٥٤٧ رقم ٤٢٩٧)

ایک مرتبہ کسی شخص کو انہوں نے مولیٰ علی علیہ السلام کا مقام سمجھانا چاہا تو اُس کے سامنے اُن کی یہی نسبی فضیلت رکھی، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی برائی کرنے لگا تو آپ نے فرمایا:

تعرف صاحب هذا القبر، هو محمد بن عبد الله بن عبد المطلب، وعلي بن أبي طالب بن عبد المطلب، فلا تذكر علياً إلا بخير.

''کیا تم اس قبر والے کو جانتے ہو؟ یہ ہیں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب! اور علی ہیں ابن ابی طالب بن عبد المطلب، لہٰذا تم خیر کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لب کشائی نہ کیا کرو''۔

(فضائل الصحابة ج٢ ص ٧٩٥ رقم ١٠٨٩، تاريخ دمشق لابن عساكر ج٤٢ ص ٥١٩ مختصر تاريخ دمشق ج١٨ ص ٧٧، الرياض النضرة في مناقب العشرة ج٤ ص ١٠٦)

کیا سب برابر ہیں؟

بعض لوگ خود کو یا تو روشن خیال تصور کرتے ہیں یا وہ اپنے تئیں بڑے متقی ہوتے ہیں یا پھر اُن کے اندر مرض ناصبیت پنہاں ہوتا ہے تو وہ کہنا شروع کردیتے ہیں: میاں کوئی نسب شسب نہیں، بس "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے) یہ درست ہے، لیکن اگر تقویٰ میں برابری ہو تو پھر کیا کہو گے؟ ان کے برعکس کچھ لوگ کھچڑی پکاتے ہیں اور کہتے ہیں: اہل بیت اور غیر اہل بیت سب برابر ہیں، ھاشمی اور غیر ھاشمی سب برابر ہیں، جبکہ کچھ لوگ ان دونوں سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کرتے ہیں اور حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ کے مطابق یا تو دریا دلی سے کہتے ہیں یا پھر اپنے مرض ناصبیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہتے ہیں: "میاں! صحابہ اور دوسرے تمام بزرگ اہل بیت ہی ہیں"۔

ہم ان سب حضرات کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ آیت کے بل بوتے پر جو تم کھچڑی پکانا چاہتے ہو، یا حلوائی کی دکان پر نانا جی کی جو فاتحہ دلانا چاہتے ہو، یہ قرآن وسنت دونوں کے منافی ہے۔ یہاں ہم سعودیہ کے مشہور شہر "ریاض" کے ایک شیخ الحدیث کی کتاب سے پہلی حدیث اور اس کی تشریح پیش کر رہے ہیں، اس میں بنو ھاشم کی فضیلت کو قرآن وسنت سے عمدہ انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ انہوں نے پہلے یہ ارشادِ نبوی ﷺ نقل کیا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَىٰ قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَىٰ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ.

"اللہ ﷻ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ھاشم سے مجھے چن لیا"۔

(صحیح مسلم ص۱۰۰۸ رقم ۵۹۳۸)

پھر لکھا کہ اس میں متعدد مسائل ہیں:

الأولى: فضيلة ولد إسماعيل على العالمين، وقد جاء التصريح

بذلک في عدة أخبار.

الثانية: فضيلة كنانة كذلک.

الثالثة: فضيلة قريش كذلک.

الرابعة: فضيلة بني هاشم كذلک.

الخامسة: فضيلة النبي ﷺ على الخلق أجمعين.

السادسة: أن الاصطفاء من أفعال الرب تبارک وتعالىٰ المتعلّقة بمشيئته، فليس لأحدٍ أن يعترض على أفعاله سبحانه، قال تعالىٰ: ﴿وَرَبُّکَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَاكَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾.

السابعة: من تفضيل اللّٰه تعالىٰ لرسوله ﷺ تفضيله لآل بيته، وجعله سبحانه ذلک شريعةً وديناً يلقى به المكلفُ ربه تبارک وتعالىٰ.

الثامنة: من مقتضيات الاصطفاء وجوب محبة المصطفى، لأن الاصطفاء فعل الرب عزّوجلّ ومحبّته، وهذاهو الشرف العظيم.

التاسعة: أن أهل السنة والجماعة يؤمنون بأن أشرف الأنساب كافةً مَنْ كان مِنْ بني هاشم، وعليه، فلهم مزيد المحبة والإجلال على سائر بطون قريش، ولقريش من ذلک ماليس لغيرهم من قبائل العرب.

۱۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی تمام جہانوں پر فضیلت ہے اور اس پر متعدد احادیث میں تصریح آئی ہے۔

۲۔ اسی طرح اولادِ کنانہ کی فضیلت ہے۔

۳۔ اسی طرح قریش کی فضیلت ہے۔

۴۔ اسی طرح بنوھاشم کی فضیلت ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔

۶۔ یہ انتخاب اللہ تبارک وتعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے، جس میں اُس کی مشیت کا دخل ہے، لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُس ﷻ کے افعال پر اعتراض کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) اُنھیں کچھ اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں﴾ [القصص: ٦٨]۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کو فضیلت دینا اُس کے اہل بیت کی تفضیل ہے، اور اس کو اُس نے شریعت اور دین بنایا ہے، اور اُس برتر وبابرکت ذات نے (بندوں کو) اس کا پابند بنایا ہے۔

۸۔ منتخب چیز سے محبت کا واجب ہونا انتخاب کا تقاضا ہے، اس لیے کہ یہ انتخاب رب ﷻ کا فعل ہے اور منتخب چیز سے یہ اُس کی محبت ہے، جو کہ بہت بڑا اشرف ہے۔

۹۔ اہل سنت جماعت ایمان رکھتے ہیں کہ تمام کے تمام نسبوں سے معزز ترین نسب بنوھاشم کا ہے، اور اسی بنا پر اُن کے ساتھ محبت اور تعظیم قریش کے تمام خاندانوں سے زیادہ ہے، اور اسی طرح قریش کی محبت وتعظیم عرب کے دوسرے قبائل سے زیادہ ہے''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ١٠، ١١)

بنوھاشم پر فاطمیہ کی فضیلت

چھٹے اور نویں نمبر کو بغور پڑھنے کے بعد بتلائیے کہ کسی کا یہ کہنا ''کوئی سید مید نہیں سب برابر ہیں'' کیا اس میں قرآن وسنت کا انکار لازم نہیں آتا؟ یاد رکھئے وہ ذات جسے چاہے عزت دے اور...... اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وہ خود فرماتا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ.

''وہ جو کرتا ہے اُس سے نہیں پوچھا جائے گا اور اُن سے پوچھا جائے گا''۔

(الأنبياء: ٢٣)

یہی وجہ ہے کہ اُس نے بنو ھاشم پھر اہل بیت کرام علیہم السلام کو جو عظمت دے رکھی ہے اس پر کوئی مسلمان اعتراض کرتا ہے اور نہ ہی آئیں بائیں شائیں سے کام لے کر اُس عظمت کو دھندلانے کی کوشش کرتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح حسنین کریمین علیہما السلام کی رکاب تھام رہے تھے، حالانکہ وہ ہاشمی ہیں۔ اب ذرا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے درج ذیل واقعات کو بھی بغور پڑھیے!

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام ابو نعیم اور دوسرے محدثین کرام نے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُس وقت وہ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ افروز تھے، فرمایا: ہمارے بابا کے منبر سے اتر جائیے، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا ہے، بیشک یہ آپ کے بابا کا منبر ہے، اور انہیں اپنی آغوش میں بٹھایا اور رو پڑے۔ اس صورتِ حال پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ بات میری طرف سے نہیں۔ فرمایا: آپ نے سچ فرمایا ہے، ہم آپ پر شک نہیں کرتے''۔

(تاريخ الخلفاء للسيوطي ص ٦٤، مختصر تاريخ دمشق ج١٣ ص ٩٩، جواهر العقدين للسمهودي ص ٣٧٨، كنز العمال ج٥ ص ٦١٦ رقم ١٤٠٨٥ وج١٣ ص ٦٥٤ رقم ٣٧٦٦٢، رشفة الصادي ص ١٥٤)

امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روئے کیوں؟ یہ حکمت اگر سمجھ آجائے تو شاید اہل بیت کا مقام بھی سمجھ آجائے گا۔ ایسا واقعہ امام حسین علیہ السلام سے بھی مشہور ہے، اور انہوں نے ایسی بات خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھی۔ چنانچہ امام شمس الدین ذھبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حماد بن زيد: حدثنا يحيى بن سعيد الأنصاري، عن عبيد بن حنين، عن

الحسين، قال: صعدت المنبر إلىٰ عمر، فقلتُ: انزل عن منبري، واذهب إلىٰ منبر أبيک. فقال: إن أبي لم يكن له منبر، فأقعدني معه، فلما نزل، قال: أي بني! من علّمک هذا؟ قلتُ: ما علّمنيه أحد. قال: أي بني! وهل أنبت علىٰ رؤوسنا الشعر إلا الله ثم أنتم! ووضع يده علىٰ رأسه.

''حضرت عبید بن حنین حضرت امام حسین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں منبر پر حضرت عمر ﷺ کی طرف گیا اور کہا: میرے منبر سے اتریے اور باپ کے منبر پر چلے جایئے! انہوں نے کہا: میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں تھا، پھر مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا، پھر جب نیچے اترے تو پوچھا: بیٹے! یہ بات آپ کو کس نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا: کسی نے بھی نہیں۔ فرمایا: بیٹے! ہمارے سروں پر جو بال ہیں انہیں اللہ نے اُگایا ہے پھر تم نے، اور اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھا ہوا تھا''۔

(سير أعلام النبلاء ج٤ ص ٤٠٥، تاريخ بغداد ج١ ص ١٥١، ١٥٢، التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة ج١ ص ٢٩٥، جواهر العقدين للسمهودي ص ٣٧٨، ٣٧٩، رشفة الصادي ص ١٥٥، علموا أولادكم محبة آل بيت النبي ص ١٣٧)

نقادِ فنِ حدیث امام ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(الإصابة ج٢ ص ٦٩)

بلاشبہ حسنین کریمین علیہما السلام کو یہ فرمانے کا حق تھا، کیونکہ قرآن وحدیث، دین وشریعت اور مسجد ومنبر سب کچھ اُن ہی کا ہے اور تمام اہل اسلام اُن کے مزارع ہیں، تاہم ہمیں اُن کے ارشاد سے زیادہ سیدینا ابوبکر وعمر ﷺ کے ارشاد میں غور کرنا ہوگا کہ ان کا ردعمل کیا تھا؟ حضرت ابوبکر ﷺ کے گریہ میں تو ایک ابہام سا پایا جاتا ہے لیکن سیدنا عمر ﷺ کے کلام میں کوئی ابہام پیدا ہی نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے تو واضح فرمایا:

ہمارے سروں کے بال اللہ تعالیٰ نے اور پھر اے اہل بیت تم نے اُگائے ہیں۔ ایسا کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ سر کے بال عظمت سے کنایہ ہیں، جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ہماری عزت وعظمت اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور تمہارے طفیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پوری کائنات میں نسبی لحاظ سے عرب سے بہتر کوئی قوم نہیں، پھر تمام عرب سے بہتر بنو کنانہ ہیں، بنو کنانہ سے بہتر قریش ہیں، قریش سے بہتر بنو ہاشم ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے مقدس خون کی بدولت بنو ہاشم سے افضل بنو فاطمہ ہیں۔

الحديث الرابع

عن أبي حنظلة مرسلاً أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: "إنما فاطمة بَضُعَةٌ مني۔ أي قطعة لحم ۔ فمن أذاها فقد أذاني.

چوتھی حدیث

حضرت ابو حنظلہ ﷺ سے مرسلاً روایت ہے کہ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہی ہے، سو جس شخص نے اُسے اذیت پہنچائی تو اُس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

(المستدرك للحاكم ج٣ ص١٥٨ وطبعة أخرى ج٤ ص١٤٥ رقم٤٨٠٤، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٨ رقم١٢٢)

فائدہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے اور "المستدرك" میں یہ حدیث "بضعة مني" سے نہیں بلکہ "مضغة مني" کے الفاظ سے ہے، اور اس کو راوی (ابو حنظلہ) نے مکہ معظمہ کے کسی نامعلوم شخص سے روایت کیا ہے، اسی لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کو "مرسل" کہا ہے۔

حدیث مرسل کی تعریف

ہر چند کہ یہ خالصۃً علمی مسئلہ ہے لیکن چونکہ آج کل بعض معرکۃ الآراء مسائل میں احادیث پر کلام کرنے کا رجحان غیر عربی کتب میں بھی آنے لگا ہے اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے مرسل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، حالانکہ متن کے لحاظ سے اس میں کوئی اضافی بات نہیں بلکہ وہی کچھ ہے جو احادیث مرفوعہ اور متصلہ میں آچکا ہے، اس لیے احقر چاہتا ہے کہ مجھ ایسے حضرات کے مطالعہ میں بھی بالفاظ آسان حدیث مرسل کی تعریف آجائے۔ مرسَل حدیث میں محدثین کے اقوال کثیر ہیں لیکن ہم فقط تین اقوال نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ وہ حدیث جس کو کوئی بڑا تابعی نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً (براہ راست) نقل کرے، اور یہ صورت علماء کے مابین متفقہ ہے، جیسا کہ امام ابن الصلاح اور دوسرے محدثین کرام نے لکھا ہے۔

(مقدمة ابن الصلاح مع شروحها ص ٢٤٩، بهجة المنتفع لأبي عمرو الداني ص ٢٢٤، فتح المغيث للعراقي ص ٨١، فتح المغيث للسخاوي ص ١٥٣)

۲۔ وہ حدیث بھی مرسل ہے جس کو چھوٹا یا بڑا کوئی بھی تابعی نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً روایت کرے، خواہ وہ قولِ نبوی ﷺ ہو یا فعلِ نبوی۔ یہ تعریف بھی محدثین میں مشہور ہے۔

(فتح المغيث للعراقي ص ٨١، نتيجة النظر للشمني ص ١١٥، فتح المغيث للسخاوي ص ١٥٣، شرح مقدمة ابن الصلاح للبلقيني ص ٢٥٠)

۳۔ امام نووی فرماتے ہیں: فقہاء کرام، علماء اصول، خطیب بغدادی اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک کسی حدیث کی سند کسی بھی مقام سے منقطع ہو تو وہ حدیث مرسل ہے۔

(مقدمة صحيح مسلم للنووي ج ١ ص ١٤٩)

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض علماء نے حدیث منقطع اور حدیث مرسل میں کوئی فرق نہیں سمجھا، تاہم باریک بین حضرات کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے۔

حدیث مرسل کی ایک اور قسم

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک اور قسم کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی کافر شخص نے نبی کریم ﷺ سے کوئی بات سنی تھی، پھر وہ بعد از وصال نبوی ﷺ مسلمان ہو گیا اور اُس نے وہ بات آگے نقل کی، تو ہر چند کہ اُس نے براہِ راست وہ بات سنی تھی تاہم وہ صحابی نہیں تابعی ہے اس لیے اُس کی بیان کردہ حدیث ''مرسل'' کہلائے گی، لیکن امام غزالی کے کلام سے تاثر ملتا ہے کہ ایسے شخص کی حدیث مرسل کے تحت نہیں آئے گی۔

(النكت علىٰ كتاب ابن الصلاح ص ۲۰۰)

میرے خیال میں اس تعریف میں تو اُس شخص کی نقل کردہ حدیث بھی آسکتی ہے جس نے اسلام کی حالت میں حضور ﷺ سے کوئی بات سنی پھر وہ (معاذ اللہ) مرتد ہو گیا، پھر بعد از وصال نبوی ﷺ دوبارہ مسلمان ہوا تو اپنے سابقہ اسلامی دور میں سنی ہوئی حدیث نقل کی، ہر چند کہ اُس نے وہ حدیث براہ راست سنی تھی لیکن مرتد ہو جانے کی وجہ سے اُس کی صحابیت سلب ہو چکی تھی۔

مسلم ''اذیت'' کی ضد کو اپنانے کا پابند ہے

کامل مسلمان وہ ہے جس سے کسی کو بھی اذیت نہ پہنچے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

(بخاري رقم ۱۰)

پھر رحمۃ اللعالمین ﷺ کو تکلیف پہنچانے والا کیونکر مسلم ہو سکتا ہے؟ پہلی حدیث کے تحت امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے حق فرمایا تھا کہ:

''جس نے سیدہ کو برا کہا اُس نے کفر کیا اور جس نے سیدہ پر درود بھیجا اُس نے حضور ﷺ پر درود بھیجا''۔

خیال رہے کہ "أذية" (دکھ و تکلیف) "سلامة" (سکون و آرام) کی ضد ہے، اور مسلمان کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو سلامتی پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ راہ چلتے، گھر آتے جاتے، آمنے سامنے آنے پر اور ہر ملاقات وغیرہ کے وقت حکم ہے کہ کہو: السلام علیکم، وعلیکم السلام؟ خود اندازہ فرمائیے کہ جب عام مسلمانوں کے لیے ہر حال میں سلامتی کی طلب کا حکم ہے تو پھر اُس گھرانے کے بارے میں کیا حکم ہوگا جس کی بدولت دین اور ساری سلامتیاں ہیں؟ جی ہاں! اس گھرانے پر عام حالات میں ہی نہیں بلکہ حالتِ نماز میں بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کے بعد درود و سلام پیش کرنے کا حکم ہے، لیکن افسوس کہ کچھ لوگ سلامتی کی ضد کو بھول گئے اور قولاً عملاً اہل بیت کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو گئے، حالانکہ قرآن کریم میں صلاۃ کی بہ نسبت سلام پر زیادہ تاکید آئی ہے، اسی لیے "سَلِّمُوْا" کے بعد "تَسْلِيْماً" فرمایا گیا ہے۔ علماء کرام نے یہاں سوال قائم کیا ہے کہ انسانوں کو سلام کی تاکید کیوں؟ پھر خود ہی اس کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ پہلے آپ اُس حکمت کا خلاصہ سمجھ لیجیے پھر اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے گا۔

آیتِ درود سے پہلی آیات میں حضور ﷺ کو اذیت پہنچنے کا ذکر ہے اور آیتِ درود سے بعد والی آیت میں اذیت پہنچانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر ہے۔ اذیت کی ضد سلامتی ہے اور اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں کی جانب سے حضور ﷺ کے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے ان سے اذیت کا صدور ناممکن ہے جبکہ انسانوں کی جانب سے ہر وقت اذیت ممکن ہے۔ اس لیے انسانوں کو سلام کے حکم کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور اس کی تاکید کی گئی، یعنی اے مومنو! خوب سلام بھیجا کرو تا کہ تم سے اذیت کا صدور نہ ہونے پائے۔ اب آپ اصل عبارت مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ لَاحَ لِيْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سِرِّيَّةٌ وَهِيَ اَنَّ السَّلَامَ تَسْلِيْمُهُ عَمَّا يُؤْذِيْهِ فَلَمَّا جَاءَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عَقِيْبَ ذِكْرِ مَا يُؤْذِي النَّبِيَّ وَالْأَذِيَّةُ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الْبَشَرِ وَقَدْ صَدَرَتْ مِنْهُم فَنَاسَبَ التَّخْصِيْصُ بِهِمْ وَالتَّاكِيْدُ وَإِلَيْهِ الإِشَارَةُ بِمَا ذَكَرَهُ بَعْدَهُ.

"مجھ پر ایک مخفی نکتہ ظاہر ہوا، وہ یہ کہ سلام کا معنی ہے اذیت سے محفوظ رکھنا۔ پس جب

یہ آیت نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے کے ذکر کے بعد ہے اور اذیت صرف انسان سے پہنچتی ہے اور اُن سے اذیت کا صدور ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہاں اُنہی کو سلام کی تخصیص اور تاکید مناسب ہے اور بعد والی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے"۔

(حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي ج۷ ص ۵۱۰، روح المعاني ج۱۲ ص ۱۱۶، تفسير القاسمي ج۵ ص ۵۴۰)

اب آپ اندازہ فرمائیں کہ جب سیدۂ کائنات کو اذیت سے حضور ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے تو پھر سیدہ کو خوشی پہنچنے سے حضور ﷺ کس قدر خوش ہوتے ہوں گے؟

الحديث الخامس

عن عبدالله بن الزبير قال: قال ﷺ: إنما فاطمة بضعة مني يؤذيني ما أذاها ويغضبني ما يُغضبها.

[رواه أحمد والترمذی والحاكم والطبرانی بأسانيد صحيحة].

پانچویں حدیث

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، جو بات اسے اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے اور جو بات اسے غضب ناک کرتی ہے وہ مجھے غضب ناک کرتی ہے۔

اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی، امام حاکم اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہم نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج٤ ص ٥ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ٥٣٣ رقم ١٦٢٢٢، فضائل الصحابة ج٢ ص ٩٤٧ رقم ١٣٢٧، جامع الترمذي ص ٨٧٣ رقم ٣٨٦٩، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٨ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ١٤٦ رقم ٤٨٠٥، فضائل فاطمة الزهراء للحاكم ص ٥٥ رقم ٤١، المعجم

الكبير ج۹ ص ۳٦٥ رقم ۱۸٤٤٦، مسند فاطمة للسيوطي ص ٥٥ رقم ٩٦، نزل الأبرار للبدخشاني ص ٨٥)

”يُنصِبُنِي“ یا ”يُغضِبُنِي“؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو چار محدثین کرام کی کتب سے نقل کیا ہے، الفاظِ حدیث کے لحاظ سے ان میں سے اول الذکر تین محدث متفق ہیں اور چوتھے محدث (امام طبرانی) منفرد ہیں۔ اول الذکر تین محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں اس حدیث کا دوسرا جملہ یوں ہے: ”ينصبني ما أنصبها“ (جو اسے تکلیف پہنچاتا ہے وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے) جبکہ چوتھے محدث کے ہاں وہ الفاظ ہیں جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں۔ نہ معلوم مصنف نے پہلی تین کتابوں کے الفاظ کیوں ترک کر دیئے اور آخری کتاب کے الفاظ کو کیوں ترجیح دی، حالانکہ اول الذکر محدثین کرام کی کتب کا مرتبہ اور معیار مؤخر الذکر محدث کی کتب سے بلند ہے؟

شاید یہ وجہ ہو کہ مؤخر الذکر کتاب کے الفاظ اپنے معنی میں بالکل واضح ہیں، کیونکہ ”يُغضِبُنِي“ کا اصل مادہ ”غضب“ ہے اور یہ لفظ اپنے معنی میں اتنا آسان ہے کہ ان پڑھ شخص پر بھی مشکل نہیں۔ بہرکیف مصنف کے نزدیک جو بھی حکمت ہو وہ اپنی جگہ لیکن اول الذکر تین کتابوں میں جو الفاظ منقول ہیں انہیں نقل کرنا زیادہ مناسب تھا، کیونکہ ان میں ناصبیت کا ذکر ہے، یہاں ہم ان الفاظ کی تشریح کر رہے ہیں۔

نصب و ناصبیت کا معنی

”يُنصِبُنِي“ کا مادۂ اصلی ”نصب“ ہے، اور اس میں صعوبت، اذیت، دکھ اور تکلیف کا معنی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تلاشِ خضر میں حضرت موسیٰ اور یوشع بن نون علیہم السلام نے سفر کی کافی صعوبت برداشت کی اور دوسری طرف انہیں بھوک نے ستایا تو ان دونوں تکلیفوں کو انہوں نے لفظ نصب سے بیان کیا۔ قرآن کریم میں کلیم اللہ علیہ السلام کے اُن الفاظ میں غور فرمایئے جو انہوں نے اپنے جواں ساتھی کو فرمائے:

اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا.

''ہمارا صبح کا کھانا لے آؤ! ہمیں اپنے اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ہے''۔

(الکهف: ٦٢)

جب حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کا مکمل گھر، بال بچے، مال مویشی اور کھیت ختم کر دیے گئے اور بدن اقدس کو موذی تکلیف آ پہنچی، اور مشہور مگر ضعیف قول کے مطابق بدنِ اطہر میں کیڑے پڑ گئے تو انہوں نے بھی اپنی تکلیف کے اظہار میں یہ لفظ استعمال فرمایا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ.

''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے، جب اُس نے اپنے رب کو پکارا، بیشک شیطان نے مجھے تکلیف اور دکھ پہنچایا''۔

(صٓ: ٤١)

''الدنیا دار المحن'' (دنیا تکلیفوں کا گھر ہے) مومنین کو ہر طرح کی تکلیف اور نصب دنیا میں ہی ہے، جنت میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، چنانچہ جب وہ جنت میں پہنچیں گے تو حمدِ الٰہی کرتے ہوئے کہیں گے:

لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ.

''اس میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''۔

(فاطر: ٣٥)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ''نَصَبٌ، نَصَب، نُصَب'' کا معنی دکھ اور تکلیف ہے، سیدتنا خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کی شان میں ایک حدیث آئی ہے اُس میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ! برتن میں کھانا لے کر یہ خدیجہ آ رہی ہیں، آپ انہیں ان کے رب کی جانب سے اور میری طرف سے سلام کہیے، اور جنت میں ایسے محل کی بشارت دیجئے:

لا صخب فيه ولا نصب.

''جس میں کوئی شور اور تکلیف نہیں ہوگی''۔

(بخاري ص ٦٤١ رقم ٣٨٢٠، جامع الترمذي ص ٨٧٥ رقم ٣٨٧٦)

ناصبیت کی اصل اور اس کی اقسام

اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے موذیوں کو جو ناصبی اور نواصب کہا جاتا ہے اُس کی اصل یہ حدیث ہے۔ نواصب کی متعدد اقسام ہیں: بعض مذھبی ہیں اور بعض سیاسی، بعض شدید ہیں اور بعض اشد، بعض کھلے اور اکثر منافق، اور یہ آخری قسم کی ناصبیت جہاں انتہائی مخفی ہے وہیں انتہائی مہلک بھی ہے۔ ناصبیت بڑے بڑے نامور لوگوں میں موجود رہی ہے اور اب تک اس میں ایسے بڑے بڑے لوگ مبتلا ہیں جنہیں عامۃ الناس مشائخ حدیث اور مشائخ طریقت سمجھتے ہیں مگر درحقیقت وہ بد بخت لوگ اہل بیت کے ساتھ حسد و نصب کے باعث راندۂ درگاہِ الٰہی ہیں۔ کون کون ہیں وہ، اُن کے نام کیا ہیں؟ ناموں کی بدھو لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جبکہ ''للعاقل تكفيه الإشارة'' (عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے)

یقیناً ایسے لوگوں کو پہچاننا مشکل ہی نہیں بلکہ مشکل ترین ہے، کیونکہ یہ دین کا لبادہ اوڑھنے میں بڑے کاریگر ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ انہیں پہچانیں تو پھر مہذب طریقے سے اہل بیت کا ذکر کریں اور خصوصاً مولیٰ علی ﷺ کا تذکرہ کریں، آپ پر ان کی ناصبیت عیاں ہو جائے گی۔ نیز ان لوگوں کے دلوں میں بغض اہل بیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ بد بخت لوگ ماہ و سال کے اُن ایام میں بھی اہل بیت کرام علیہم السلام کے ذکر سے گریزاں نظر آتے ہیں جن ایام کو حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص نسبت ہے، حتیٰ کہ بعض بریلوی کہلانے والے لوگوں کی کتابوں میں بھی ایسے ناصحانہ مشورے تحریر ہو چکے ہیں کہ ہر سال غم حسین منانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ کم بخت لوگ اپنی ناصبیت کو چھپانے کی خاطر ان ایام میں بعض صحابہ کرام ﷺ کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں اور یوں بڑی مکاری سے مولیٰ علی اور اہل بیت کرام علیہم السلام کے ساتھ بغض کو دین کا جامہ پہنا کر عوام کو دھوکہ دے جاتے ہیں۔

ان کی یہ چال بعینہٖ اُن لوگوں کی طرح ہے جو فضائل و اختیاراتِ مصطفےٰ ﷺ کے بیان پر کبیدہ خاطر ہوتے ہیں تو بڑی معصومیت کے ساتھ درخواست کرتے ہیں: مولانا! ہمیں تعلیماتِ اسلامیہ یعنی

طہارت اور صوم وصلاۃ وغیرہ کے بارے میں بتلائیں۔ لہٰذا اختصار کے پیش نظر یہاں ہم کچھ علماء کرام سے نواصب کی تعریف میں چند جملے پیش کر رہے ہیں، ان کی روشنی میں ہر عقل مند شخص بڑے بڑے مناصب پر فائز نواصب کو پہچان سکے گا۔

امام فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والنواصب والناصبية وأهل النصب المتدينون ببغضة علي ﷺ.

''نواصب، ناصبیہ اور اہل نصب وہ لوگ ہیں جو بغض علی ﷺ میں دین داری ظاہر کرتے ہیں''۔

(القاموس المحيط ١٧٧، المحكم والمحيط الأعظم لابن سيدة ج٨ ص٣٤٥، لسان العرب ج١٤ ص١٥٧، تاج العروس ج٢ ص٤٣٦)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے علماء کرام لکھتے ہیں:

النصب: بغض علي وتقديم غيره عليه.

''سیدنا علی کے ساتھ بغض اور اُن پر دوسروں کو مقدم کرنا ناصبیت ہے''۔

(هدي الساري ص٦٤٢، تدريب الراوي ج١ ص٣٨٨)

هو الإنحراف عن علي وآل بيته.

''سیدنا علی اور اُن کے اہل بیت ﷺ سے کنی کترانا ناصبیت ہے''۔

(فتح الباري ج١٠ ص٤٢٠)

علامہ ابن تیمیہ نواصب کے بارے میں لکھتے ہیں:

النواصب: الذين يؤذون أهل البيت بقول أو عمل.

''ناصبی وہ لوگ ہیں جو قول و عمل سے اہل بیت کو تکلیف پہنچاتے ہیں''۔

(مجموعة الفتاوى لابن تيمية ج٣ ص١٥٤ وطبعة أخرى ج٣ ص١٠٢)

مقامِ غور

اگر قول وعمل سے اہل بیت کو اذیت پہنچانا ناصبیت ہے تو پھر ذرا اُن لوگوں کے قول وعمل میں غور کیجئے جو مولیٰ علی سے لے کر نیچے تک تمام اہل بیت کرام علیہم السلام کو قولاً اور عملاً اذیت پہنچاتے رہے، اور پھر اُن لوگوں کے قول وعمل میں بھی غور کیجئے جو اُنہیں لوگوں کے ایام مناتے ہیں اور من گھڑت فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں اور بعض بدبخت لوگ تو تعریضاً اور کنایۃً بعض باتوں میں اُنہیں اہل بیت کرام علیہم السلام سے بھی افضل ثابت کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں: کیا اہل بیت کرام علیہم السلام کے ساتھ لڑنے والوں اور اُن پر سبّ وشتم کرنے والوں کا یوں چرچا کرنا قولاً اور عملاً اہل بیت کی اذیت کا سبب نہیں بنتا؟

حضرت وحشی سے گریز کا سبب

اگر قولاً اور عملاً موذیانِ اہلِ بیت کا تذکرہ اہل بیت کی اذیت کا سبب نہیں بنتا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کے باوجود سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے بارے میں چاہا تھا کہ وہ آپ کے سامنے نہ آیا کرے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

فهل تستطيع أن تغيب وجهك عني.

”تو کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غیب رکھ سکتے ہو؟“۔

(بخاري ص ٦٨٩ رقم ٤٠٧٢، مسند أحمد ج ٣ ص ٥٠٢)

بعض مقامات پر تو صراحتاً آیا ہے:

غيب عني وجهك.

”مجھ سے اپنا چہرہ غیب رکھا کرو“۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ٣ ص ٢١)

اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

أمره النبي صلى الله عليه و آله وسلم أن يغيب وجهه عنه.

''رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنا چہرہ آپ سے پوشیدہ رکھا کرے''۔

(الإصابة ج٦ ص ٤٧٠)

کیا حضرت وحشی مسلمان نہیں تھے؟ کیا اُن پر ''الإسلام يَجبُّ ماقبله'' (اسلام اپنے ماقبل کو مٹا دیتا ہے) کا اطلاق نہیں ہوتا تھا؟ کیا وہ ''كُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰی'' میں شامل نہیں تھے؟

پھر یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اُن سے سیدنا امیر حمزہ ؓ کا قتل حالتِ کفر میں ہوا، اور اسلام قبول کرنے پر اُن کا وہ گناہ مٹ گیا جبکہ جو لوگ مولیٰ علی سے لے کر آخر تک اہل بیت کرام علیہم السلام کو اذیت پہنچاتے رہے وہ مسلمان تھے مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے قرابتِ مصطفیٰ ﷺ کا خیال نہیں کیا، تو کیا وہ سب لوگ اس حد تک محبوبانِ مصطفیٰ ﷺ کے درجہ پر فائز ہو گئے اور اسلام کے ہیرو بن گئے کہ اہل بیت کے دنوں میں اہل بیت کی بجائے اُن کا تذکرہ کیا جائے؟ یاد رکھو! اب تک ہر صبح اور ہر شام کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں ہر شخص کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا خود سوچئے کہ آپ کیا پیش کر رہے ہیں؟ خصوصاً وہ شخص تو زیادہ غور و فکر کرے جو نبی کریم ﷺ کو شاھد (حاضر و ناظر) تسلیم کرتا ہے، اور دلوں کے احوال سے باخبر سمجھتا ہے۔

حضرت وحشی ؓ کے بارے میں فاروقی اظہارِ خیال

حضرت وحشی سے سیدنا امیر حمزہ ؓ کا قتل اگرچہ کفر کی حالت میں ہوا تھا مگر اس فعل شنیع کی نحوست برابر اُن کے تعاقب میں رہی، وہ بار بار شراب نوشی کے مرتکب ہوئے اور بار بار اُن پر حد قائم ہوئی تو سیدنا عمر بن خطاب ؓ اس نتیجہ پر پہنچے۔ امام ابن ھشام لکھتے ہیں:

فكان عمر بن الخطاب ؓ يقول: قد علمتُ ان الله تعالىٰ لم يكن ليدع قاتِل حمزة ؓ.

''حضرت عمر بن خطاب ؓ فرمایا کرتے تھے: میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت حمزہ

ﷺ کے قاتل کو چھوڑنے والا نہیں''۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج۳ ص ۲۲، الروض الأنف ج۳ ص ۲۵٦)

الحديث السادس

أحصنت فرجها

عن ابن مسعود عنه عليه الصلوٰة والسلام: إن فاطمة أحصنت فرجها، وإن الله أدخلها بإحصان فرجها وذريتها الجنة.

[رواه الطبراني في الكبير بإسناد فيه ضعف]

چھٹی حدیث: عفت کی بدولت جنت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بیشک فاطمہ نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُن کی عفت کی بدولت انہیں اور اُن کی اولاد کو جنت میں داخل کیا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر'' میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں ضعف ہے۔

(المعجم الكبير ج۲ ص۱۷٦ رقم ۲۵۵۹، مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۰۳ وطبعة أخرىٰ ج ۹ ص ۳۲۷ رقم ۱۵۱۹۹، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص۵۸ رقم ۱۲۰، كنز العمال ج٦ ص ۲۱۹، نزل الأبرار للبدخشاني ص ۹۰)

فائدہ

اِن الفاظ میں یہ حدیث ''المعجم الكبير للطبراني'' میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ترجمہ (حالات ومرویات) میں ہے، جبکہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں تلاش کرتا رہا، کیونکہ اولین راوی وہی ہیں۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ بسیار تلاش کے بعد معجم کبیر میں بعینہٖ ان الفاظ میں یہ حدیث مل گئی۔

شاید عام لوگوں کے لیے اس فائدہ میں کوئی فائدہ نہ ہو لیکن حدیث کے طلبہ کرام کے لیے ضرور فائدہ ہے۔

الحديث السابع

حرمها الله وذريتها على النار

عنه ـ أيضاً ـ أن فاطمة حصَّنَتْ فرجها فحرمها الله وذرِيتها على النار.

[رواه الحاكم وأبو يعلى والطبراني بإسناد ضعيف].

ساتویں حدیث: عفت کی بدولت مع ذریت جہنم پر حرام

ان ہی (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک فاطمہ نے اپنی عفت کی حفاظت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور اُن کی ذریت کو جہنم پر حرام کر دیا۔

اس حدیث کو امام حاکم، امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج ٩ ص ٣٦٦ رقم ١٨٤٥١، فضائل فاطمة الزهراء للحاكم ص ٥٩ رقم ٥٢، الجامع الصغير ص ١٧٢ رقم ٢٣٠٩، الصواعق المحرقة ص ٢٣٤، جواهر العقدين للسمهودي ص ٢٩٢، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج ٢ ص ٤٦٠)

حدیث ضعیف کی تقویت کا طریقہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور یہی بات درست ہے مگر بعض کے نزدیک موضوع ہے لیکن حق بات وہ ہے جو مصنف نے لکھی ہے اور انہوں نے اس کی تقویت کا ایک سبب بھی بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لكن عضَّده في رواية البزار له بنحوه وبه صار حسناً.

لیکن اس کو امام بزار کی روایت جو اسی کی مانند ہے قوی کرتی ہے اور اُس کے ساتھ مل کر یہ حسن ہوگئی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امام بزار کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے:

حدثنا محمد بن عقبة السدوسي، قال: حدثنا معاوية بن هشام، قال: نا عمرو بن غياث، عن عاصم عن زر عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ إن فاطمة أحصنَتْ فرجها فحرم الله ذريتها على النار.

''عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک فاطمہ نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی ذریت کو جہنم پر حرام کر دیا''۔

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج٥ ص٢٢٣ رقم١٨٢٩، فضائل فاطمة الزهراء للحاكم ص٥٨ رقم٥١، المستدرك للحاكم ج٣ ص١٥١ وطبعة أخرى ج٤ ص١٣٥ رقم ٤٧٧٩، ذخائر العقبىٰ ص٦١، الصواعق المحرقة ص٢٣٤، جواهر العقدين للسمهودي ص٢٩٢، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج٢ ص٤٦٠، رشفة الصادي ص١٣٨)

امام بزار رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں:

''ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو از عاصم از زِر بن حبیش حضرت عبداللہ بن مسعود سے عمرو بن غیاث کے علاوہ کسی نے روایت کیا ہو، اور یہ عمرو کوئی شخص ہے اس حدیث میں اس کا کوئی متابع نہیں''۔

(مسند البزار ج٥ ص٢٢٣)

یہی بات حافظ ہیثمی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی اپنی ''زوائد'' میں نقل کی ہے۔

(كشف الأستار عن زوائد البزار ج٣ ص٢٣٥ رقم٢٦٥١، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج٢ ص٣٤٣ رقم١٩٧٩)

یہ شخص کوفی ہے، اس سے یہ تأثر دینا مقصود ہے کہ یہ شیعی ہے، اور اسی وجہ سے اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے، حافظ ذہبی نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''واهٍ بمرة'' (یہ فقط کمزور ہے)۔

(تلخيص المستدرك ج٣ص ١٥١)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

عمر بن غياث شيعي واه.

''عمر بن غیاث شیعی ہے، کمزور ہے''۔

(ترتيب الموضوعات للذهبي ص١٣٢ رقم٣٩٢)

متقدمین اور متاخرین کے نزدیک شیعی کس کو کہا جاتا ہے؟ اس پر آگے چل کر بات ہوگی، سردست لفظ ''واہٍ بمرّةٍ'' کا معنیٰ ملاحظہ فرمایئے، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أي قولاً واحداً لا تردد فيه.

''یعنی ایک ہی بات ہے، اس میں کوئی تردد نہیں''۔

امام زین الدین عراقی لکھتے ہیں:

أي قولاً جازماً.

''یعنی پکی بات ہے''۔

(التبصرة والتذكرة ج٢ص١١)

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص فقط ضعیف ہے، کذاب یا وضاع (حدیث گھڑنے والا) نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر یہی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

فيه ضعيف.

''اس میں ایک راوی ضعیف ہے''۔

(المطالب العالية ج٤ص٧٠)

ان سے قبل ان کے شیخ نے بھی اس راوی کے بارے میں اسی طرح لکھا ہے۔

(مجمع الزوائد ج٩ص٢٠٢ وطبعة أخرىٰ ج٩ص٣٢٧ رقم١٥١٩٩)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع (جعلی) نہیں ہے، علامہ ابن جوزی بھی جزماً (قطعی طور پر) اس

کو موضوع نہیں کہہ سکے۔ چنانچہ ابن عراق الکنانی بعد از بحث ونظر لکھتے ہیں:

ومما يدل على أن الحديث ليس موضوعاً جزماً عند ابن الجوزي، أنه قال: إن ثبت فهو محمول على ذريتها الذين هم أولادها خاصةً.

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ابن جوزی کے نزدیک بھی قطعی طور پر موضوع نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے کہا ہے: اگر یہ حدیث ثابت ہو تو پھر ذریت فاطمہ سے مراد فقط اُن کی اولاد ہو گی''۔

(تنزيه الشريعة المرفوعة ج١ ص ٤١٧)

ذریت سے مراد قیامت تک کل فاطمی اولاد ہے یا فقط وہ پہلی اولاد ہے جسے خود سیدہ نے جنم دیا؟ اس پر آگے متن میں بحث آ رہی ہے۔

اس حدیث کے متابع اور شواہد

متابع: یہ ہے کہ کوئی حدیث ایک راوی کے علاوہ کسی اور شخص نے بھی اُن ہی الفاظ میں اور اُسی مرکزی راوی سے روایت کی ہو، جبکہ ''شاھد'' یہ ہے کہ جو بات کسی حدیث کے متن میں بیان کی گئی ہو وہی مفہوم دوسرے الفاظ میں کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہو۔ جہاں تک اس حدیث کے متابع کا تعلق ہے تو اس کو عمر یا عمرو بن غیاث کے علاوہ تلید بن سلیمان نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے، لیکن ہر چند کہ یہ سنن ترمذی کا راوی ہے مگر اس پر رافضیت کی تہمت ہے اور بعض نے کذاب بھی کہہ دیا ہے، نیز اس حدیث کو عبد الملک بن ولید بن معدان اور سلام بن سلیمان القاری نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں نے حضرت ابن مسعود ﷺ کی بجائے حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ سے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی اور علامہ کنانی نے اس حدیث کا ایک شاھد بھی ذکر کیا ہے اور وہ آگے متن میں آٹھویں حدیث کے طور پر آ رہا ہے۔

(اللآلئ المصنوعة للسيوطي ج١ ص ٣٦٦، ٣٦٧، تنزيه الشريعة المرفوعة للكناني ج١ ص ٤١٧)

رافضی اور شیعی میں فرق

عمر بن غیاث کو شیعی کہا گیا ہے مگر رافضی نہیں۔ متقدمین کی اصطلاح میں شیعی اور رافضی میں بہت فرق ہے۔ اگر اس فرق کی باحوالہ تفصیل درکار ہو تو احقر کی کتاب "شرح خصائص علي ﷺ" اور "شرح أسنى المطالب في مناقب سيدنا على بن أبي طالب ﷺ" کا مطالعہ فرمائیے۔

مسند بزار اور طبرانی کے الفاظ میں فرق

یہ حدیث "المعجم الكبير" میں "ھا" اور حرف "و" کے اضافہ کے ساتھ آئی ہے اور "مسند البزار" میں ان دونوں حرفوں کے بغیر آئی ہے۔ اس سے معنی میں یہ فرق آگیا ہے کہ ان دونوں حرفوں کے ساتھ پوری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سیدہ کی عفت کی بدولت اُن کو اور اُن کی اولاد کو جہنم پر حرام کر دیا ہے" اور یہ دونوں حرف نہ ہوں تو پھر مفہوم یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سیدہ کی عفت کی بدولت اُن کی اولاد کو جہنم پر حرام کر دیا ہے"۔ لطف کی بات تو یہی ہے کہ سیدۂ کائنات علیہا السلام کی عفت کی بدولت اُن کی مکمل ذریت پر جہنم حرام اور جنت واجب ہو لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہے، اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

کیا تمام فاطمیہ کو یہ فضیلت حاصل ہے؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالنار نار جهنم ،فأما هي وابناها فالمراد في حقهم التحريم المطلق .

أما الحديث، فهو محمول على أولادها فقط، وبه فسره أحد رواية أبو كريب وعلى بن موسى الرضى:

ذكروا أن زيد بن موسى الكاظم خرج على المأمون فظفر به فبعث

به لأخيه على الرضى، فوبخه الرضى وقال له: يازيد، ماأنت قائل لرسول الله أذا سفكت الدماء، وأخفت السُبل، وأخذت المال من غير حِلّه؟! غرَّك أنه قال: إن فاطمة أحصنت فرجها فحرمها اللّٰه وذريتها على النار"؟! إنما هذالما خرج من بطنها فقط.

وأخرج أبونعيم والخطيب عن [جعفربن]محمد بن يزيد قال: كنت ببغداد فقال[محمدبن مندة]: هل لك فيمن يدخلك إلى على بن على بن الرضى؟ قلت نعم، فأدخلنى فسلمنا عليه وجلسنا، فقلت له حديثاً: "إن فاطمة أحصنت فرجها......" إلخ عام أو خاص؟ فقال: بل خاص بالحسن والحسين.

نار سے مراد جہنم کی آگ ہے، پس سیدہ اور اُن کی اولاد کے حق میں مطلقاً جہنم کا حرام ہونا مراد ہے۔
رہی حدیث تو وہ فقط ان کی اولاد پر محمول ہے، یہی معنی اس حدیث کے راوی ابوکریب اور سیدنا علی بن موسیٰ رضا نے کیا ہے۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زید بن موسیٰ الکاظم نے مامون کے خلاف خروج کیا تو فتح پائی، پھر اپنے بھائی علی رضا کو کھڑا کیا تو انہوں نے ان کو تنبیہ کی اور کہا: اے زید! تم رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دو گے؟ تم نے خون بہایا، راستے بند کیے اور ناحق مال حاصل کیا، کیا تم اس بات پر مغرور ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ نے اپنی عفت کی حفاظت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کی اولاد کو جہنم پر حرام کر دیا؟ یہ فقط اُن کی اُس اولاد کے لیے ہے جو اُن کے بطنِ اقدس سے ظہور پذیر ہوئی۔
امام ابونعیم اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے کہ جعفر بن محمد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں بغداد میں تھا تو ایک دن مجھ سے محمد بن مندہ نے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ حضرت علی بن علی بن رضا کی خدمت میں حاضری دیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، پس وہ مجھے لے گئے، ہم نے انہیں سلام عرض کیا اور بیٹھ

گئے، پھر میں نے عرض کیا: ایک حدیث ہے کہ: ''فاطمہ نے اپنی عفت کی حفاظت فرمائی......'' آیا یہ حدیث عام ہے یا خاص؟ فرمایا: بلکہ حسن اور حسین علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔

ائمہ اہلِ بیت کی تواضع

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ سیدین حسنین کریمین علیہ السلام جنتی ہی نہیں بلکہ نوجوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں اور اُن کی والدہ ماجدہ سیدۂ نساء العالمین علیہا السلام محض جنتی نہیں بلکہ تمام خواتینِ جنت کی سردارہ ہیں، لہٰذا جب یہ مقام انہیں پہلے ہی حاصل ہے تو پھر زیرِ بحث حدیث میں ذریت کے لفظ سے اگر حسنین کریمین علیہما السلام ہی مراد ہوں تو پھر اس حدیث میں لفظ ذریت کا کیا فائدہ؟ لہٰذا میرا خیال ہے کہ یہ حدیث قیامت تک کے لیے تمام ذریتِ فاطمہ کو شامل ہے، اور اس سلسلے میں جو کچھ سیدنا علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ اُن کی تواضع ہے، اور یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ احقر اس خیال میں تنہا نہیں بلکہ اس کی تائید بعض علماء کرام سے بھی ہوتی ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ کے نام ''فاطمہ'' کی وجہ تسمیہ میں دو حدیثیں لکھی ہیں، ایک مذکورہ بالا اور دوسری حسب ذیل:

لأن الله فطمها ومحبيها عن النار.

''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور اُن کے محبین کو جہنم سے دور کر دیا ہے''۔

ان دونوں حدیثوں کی تشریح میں امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس میں ہر اُس مسلمان کے لیے بشارت عام ہے جو سیدۂ کائنات کو محبوب رکھتا ہے، اور اس میں مذکورہ تاویلات چلیں گی، اور رہی وہ روایت جو امام ابو نعیم اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حدیث میں ہے ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عفت کی حفاظت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کی ذریت کو جہنم پر حرام کر دیا'' تو انہوں نے فرمایا: یہ امام حسن اور حسین علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، اور اس کے علاوہ مؤرخین نے جو علی الرضا بن موسیٰ الکاظم کی اپنے بھائی زید کو مامون کے خلاف خروج کے وقت تنبیہ کا ذکر کیا

ہے اور اُن کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو فرمایا: ''تو اس پر مغرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کی شان میں فرمایا تھا کہ فاطمہ نے اپنی عفت.....تو یہ اُن کی اُس اولاد کے ساتھ خاص ہے جو اُن کے شکم اطہر سے خارج ہوئی، نہ کہ یہ میرے اور تیرے لیے ہے، خدا کی قسم ہم اس مرتبہ کو طاعتِ الٰہی کے بغیر نہیں پا سکتے، اگر تمہارا خیال ہے کہ تم اس مرتبہ کو اپنی معصیت کے ساتھ پا لو گے جس کو انہوں نے اپنی طاعت سے پایا تھا تو پھر تم اللہ کی بارگاہ میں اُن سے زیادہ مکرم ہو۔

یہ کلام تواضع پر مبنی ہے اور اس میں طاعت پر ابھارنا مقصود ہے اور مناقب پر غرور نہ کرنے کی تلقین ہے، اگرچہ مناقب کی کتنی ہی کثرت ہو۔ یہ ایسے ہے جیسا کہ اُن صحابہ کرام ﷺ کی حالت تھی جو قطعی طور پر جنتی تھے اور بوجہ خوف واستغراق ان کی زبان پر ایسے ہی الفاظ جاری ہو جاتے تھے، ورنہ لغتِ عرب میں لفظ ذریت فقط اُن کے ساتھ خاص نہیں جو سیدہ کے شکم اقدس سے ظہور پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ" (اور ابراہیم کی ذریت سے داود اور سلیمان ہیں) حالانکہ اُن کے اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے درمیان کئی زمانوں کا فرق ہے۔ پھر سیدنا علی الرضا جیسی ہستی اپنی فصاحت اور لغت عرب کی معرفت کے باوجود اس قرآنی مفہوم کو کیسے مسترد کر سکتی ہے؟ اگر اس مرتبہ کو اطاعت گزار کے ساتھ مقید کیا جائے تو پھر سیدہ کی ذریت اور اُن کے محبین کی خصوصیت باطل ہو جائے گی، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اطاعت گزار کو بھی عذاب ہوگا (مگر ذریت فاطمہ اور محبانِ فاطمہ کو نہیں، تو پھر درست ہے)۔ پس خصوصیت تو یہ ہے کہ گنہگار کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تکریم کی وجہ سے عذاب نہ دیا جائے، واللہ اعلم''۔

(شرح الزرقاني على المواهب ج٤ ص٣٣٢)

اس مسئلہ میں سادات کرام کے حق میں معقول وموزوں بات یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف عظام کی

سیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے طاعت پر کاربند رہیں اور نسب پر گھمنڈ سے اجتناب فرمائیں جبکہ ہمارے لیے شرعاً اور عقلاً مناسب اور مفید ترین بات یہ ہے کہ ہم اُن کی فضیلت کا اعتراف کریں اور اُن کی تعظیم کو قائم رکھیں، اگرچہ اُن کے اعمال کتنے ہی برے ہوں۔

الحديث الثامن:

الله غير معذبها ولا ولدها:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ لفاطمة: إن الله تعالىٰ غير مُعَذِّبِكِ ولا وَلَدِكِ [يعني الحسن والحسين بالنار].

[رواه الطبراني].

آٹھویں حدیث: اللہ انہیں اور اُن کی اولاد کو عذاب دینے والا نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو عذاب دینے والا نہیں [یعنی حسن اور حسین کو آگ کا]۔

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٥ ص ٣٦٤ رقم ١١٥١٩، مجمع الزوائد ج٩ ص، نزل الأبرار للبدخشاني ص ٨٥، الصواعق المحرقة ص ١٦٠، ٢٣٥، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج٢ ص ٤٦٧، جواهر العقدين للسمهودي ص ٢٩٣، رشفة الصادي ص ١٣٨)

کیا سیدہ کی اولاد میں فقط حسنین کریمین نجات یافتہ ہیں؟

اس حدیث کے عربی متن اور اس کے ترجمہ میں اس شکل [ ] کے بریکٹ میں جو الفاظ ہیں وہ اُس

اصل کتاب (المعجم الکبیر) میں نہیں ہیں جس سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ نہ معلوم مصنف رحمہ اللہ نے یہ الفاظ کیوں بڑھائے ہیں؟ شاید انہوں نے یہ الفاظ بغرضِ تسہیل بڑھائے ہوں، لیکن احقر کی دانست میں اس اضافہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ اِس اضافہ سے عذاب سے نجات حسنین کریمین علیہما السلام تک محدود ہو جاتی ہے، حالانکہ سیدہ کائنات کی اولاد میں اُن کی بیٹیاں بھی ہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس فائدہ میں قیامت تک سیدۂ کائنات علیہا السلام کی تمام اولاد شامل ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور ایک عبد خاص (خضر علیہ السلام) نے دو یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار کو از سرِ نو تعمیر کر دیا، تا کہ اُن کا خزانہ محفوظ رہے۔ پروردگار کی طرف سے ایسا اہتمام کیوں کیا گیا؟ فرمایا: اس لیے کہ اُن دونوں کا باپ صالح تھا۔ چنانچہ امام حُمیدی اور دوسرے محدثین ومفسرین کرام لکھتے ہیں:

عن ابن عباس في قوله تعالىٰ ﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ حفظا بصلاح أبيهما وما ذكر عنهما صلاحاً.

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس ارشادِ الٰہی کی تفسیر میں ہے کہ اُن کے باپ کی نیکی کی بدولت اُن کی حفاظت کی گئی اور خود اُن کی نیکی ذکر نہیں کی گئی''۔

(مسند الحميدي ج١ ص١٨٤ رقم٣٧٢، المستدرك للحاكم ج٢ ص٣٦٨ وطبعة أخرىٰ ج٣ ص١١٨ رقم٣٤٤٧، كتاب الزهد لابن المبارك ص١٢٩ رقم٣٣٢، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج٢ ص٦٧٧، فتح القدير للشوكاني ج٣ ص٣٦١، ٣٦٢)

علماء کرام نے لکھا ہے:

''ان بچوں اور اُن کے نیک باپ کے درمیان سات کا اور ایک قول کے مطابق دس باپوں کا فرق تھا''۔

(التفسير الكبير ج٢١ ص١٣٨، فتح القدير للشوكاني ج٣ ص٣٦٠)

علماء کرام فرماتے ہیں:

''پھر ذریتِ نبوی ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت کی حفاظت کیونکر نہ کی جائے گی، اگر چہ اُن کے اور حضور ﷺ کے مابین کتنے ہی واسطے ہوں؟''۔

(جواهر العقدين ص ٣٥١، الصواعق المحرقة ص ٢٤٢، استجلاب ارتقاء الغرف ج٢ ص ٦٧٩، رشفة الصادي ١٥٣)

کم عمل اولاد اپنے نیک آباء کے ساتھ ہوگی

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صالحین کی اولاد کو اُن کے ساتھ ملا دے گا۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إن الله يرفع ذرية المؤمن معه في درجته في الجنة، وإن كانوا دونه في العمل، ثم قرأ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم﴾ يقول: وما نقصناهم.

''اللہ تعالیٰ مومن کی ذریت کو بلند کر کے جنت میں اُس کے درجہ میں پہنچا دے گا، اگر چہ اُن کے اعمال اُس سے کم ہوں گے، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو اُن کے ساتھ ملا دیں گے، اور اُن کے عمل میں کمی نہیں کریں گے﴾ فرمایا: ''اَلَتْنَا'' کا معنی ''نَقَصْنَا'' ہے، یعنی کمی نہیں کریں گے''۔

(المستدرك للحاكم ج٢ ص ٤٦٧ وطبعة أخرىٰ ج٣ ص ٢٧٤ رقم ٣٧٩٦، استجلاب ارتقاء الغرف ج٢ ص ٦٧٧، الصواعق المحرقة ص ٢٤٢)

سو جب متقین مومنین کی ذریت کو اُن کی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں اُن ہی کے درجہ میں بلند کر دیا جائے گا تو پھر ذریتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

سید بد عمل ہو پھر بھی سید ہے

بعض لوگ خود کو بڑا متقی یا بڑا مضبوط سنی گردانتے ہوئے اُن سادات کرام کی تعظیم سے کتراتے ہیں جو بے عمل ہوں، جبکہ شریعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر سید بے عمل تو کیا بد عمل بھی ہو تو پھر بھی لائق تعظیم ہے، کیونکہ بد عملی سے وہ نسبِ نبوی ﷺ سے محروم نہیں ہو جاتا، اور جب نسب قائم ہے تو اس کی تعظیم بھی قائم رہے گی۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے علماء کرام نے بعض سچے واقعات و مبشرات قلم بند کیے ہیں، بغرضِ تفہیم اُن میں سے بعض کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

امام سمہودی اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

''حضرت علی بن عیسیٰ الوزیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں علویہ حضرات کی خدمت کرتا تھا اور ہر سال مدینۃ السلام (بغداد) میں میں نے ان کے لیے طعام اور لباس جاری کر رکھا تھا اور اُن کے بچوں کی کفالت کیا کرتا تھا، اور میں یہ سب کچھ آغاز رمضان سے لے کر اختتام رمضان تک کرتا تھا، جو لوگ میرے ہاں تشریف لاتے تھے، ان میں ایک شخص امام موسیٰ بن جعفر بن محمد الباقر ﷺ کی اولاد میں سے تھے۔ اس صاحب کو میں ہر سال پانچ ہزار درہم پیش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے کہیں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ سخت سردی کے موسم میں نشہ میں دھت پڑا تھا، منہ سے جھاگ نکل رہی تھی، قے کر رکھی تھی، کیچڑ میں لت پت تھا اور قبیح ترین حالت میں راستے کے وسط میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: افسوس میں ایسے فاسق شخص کو ہر سال پانچ ہزار درہم دیتا ہوں اور یہ اُن پیسوں کو معصیتِ الٰہی میں اُڑا دیتا ہے، اب کے مرتبہ اس کو نہیں دوں گا۔

فرماتے ہیں: پھر جب ماہِ رمضان جلوہ گر ہوا تو وہی شیخ موصوف آ گئے اور دروازے پر رک گئے، میں اُن کی طرف بڑھا تو انہوں نے مجھے سلام کیا اور سالانہ وظیفہ طلب فرمایا۔ میں نے کہا: نہیں ہے، اور نہ ہی یہاں تمہارے لیے کوئی عزت ہے، کیا میں اس لیے

تمہیں مال دوں کہ تم معصیتِ الٰہی میں اڑاؤ؟ میں نے تمہیں سخت سردی کے موسم میں شارعِ عام پر نشہ میں دُھت دیکھا ہے، لوٹ جاؤ! دوبارہ ادھر مت آنا۔ فرماتے ہیں: پس جب میں رات کو سویا تو حالتِ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا، میں آگے بڑھا تو آپ نے مجھ سے رُخِ انور پھیر لیا، مجھے اس سے پریشانی ہوئی اور صدمہ پہنچا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ: یہ غلام بہ کثرت آپ کی اولاد کے ساتھ نیکی کرتا ہے، اُن کی خدمت کرتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرتا ہے تو پھر اس سے اعراض کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: کیا تم نے میرے فلاں بچے کو برے طریقے سے اپنے دروازے سے دھتکار نہیں دیا، اسے رسوا نہیں کیا اور اُس کا سالانہ وظیفہ منقطع نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کو بری حالت میں دیکھا، اور اُس کا پورا منظر پیش کیا اور عرض کیا: میں نے وظیفہ اس لیے روکا ہے تاکہ دوبارہ اسے معصیتِ الٰہی میں نہ دیکھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَكُنْتَ تُعْطِيهِ ذٰلِكَ لِأَجْلِهِ، أَوْ لِأَجْلِي؟ (یعنی تم اس کو وہ وظیفہ میری خاطر دیتے تھے یا اُس کی خاطر؟) میں نے عرض کیا: بلکہ آپ کی خاطر۔ فرمایا: تو پھر تم میری خاطر اُس کا عیب چھپاتے کیونکہ وہ میری اولاد سے ہے۔ میں نے عرض کیا: بڑی کرم نوازی اور شکریہ۔

پھر میری آنکھ کھل گئی اور جب صبح ہوئی تو میں نے اس شیخ کی تلاش میں آدمی بھیجا۔ پھر جب میں اپنے دیوان (آفس) سے گھر آیا تو انہیں اندر لے آنے کا کہا اور لڑکے کو کہا: ان کی خدمت میں دو تھیلیوں میں دس ہزار درہم پیش کیجئے، اور میں نے انہیں اپنے قریب کیا، اُن کی توقیر کی اور کہا: کوئی اور ضرورت ہو تو مجھے حکم فرمانا، اور خوشی خوشی انہیں رخصت کیا، وہ دروازہ تک جا کر واپس مڑآئے اور کہنے لگے: وزیر صاحب! کل مجھے دھتکار نے، آج مجھے تلاش کرا کے قرب بخشنے اور نذرانے ڈبل کرنے کا سبب کیا ہے؟ میں نے کہا: خیر ہے، آپ بے فکر تشریف لیجائیں۔ کہنے لگے: خدا کی قسم میں

نہیں جاؤں گا جب تک کہ سبب معلوم نہ کرلوں۔ اس پر میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا سب بتایا تو اُن کی آنکھیں چھلک پڑیں اور کہنے لگے: میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ عہد کرتا ہوں کہ کبھی اس حالت کی طرف نہیں پلٹوں گا جس پر آپ نے مجھے دیکھا تھا اور کبھی معصیت کا ارتکاب نہیں کروں گا کہ میرے نانا کریم ﷺ کو آپ کے ساتھ اس مکالمہ کی ضرورت پیش آئی، پھر انہوں نے توبہ کی اور اچھی توبہ کی"۔ ❁

(جواهر العقدين للسمهودي ص ٣٧٣، ٣٧٤، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج ٢ ص ٦٨٠، ٦٨١)

❁ وزیرِ موصوف انتہائی متقی، عبادت گزار اور کثیر الصدقات بزرگ تھے۔ خطیب بغدادی، امام ذہبی اور دوسرے محدثین و مؤرخین نے ان کے کافی اوصاف لکھے ہیں، امام طبرانی اور دوسرے محدثین نے ان سے حدیث روایت کی ہے، امام ذہبی نے ان کو "الإمام المحدث الصادق الوزير العادل" لکھا ہے، اور کہا ہے کہ مکمل عباسی دور میں عفت، زہد، حفظ قرآن، علم قرآن، صائم الدہر، قائم اللیل اور عادل ہونے میں کوئی وزیر ان جیسا نہیں ہوا، یہ خلیفہ مقتدر باللہ اور قاہر باللہ دونوں کے وزیر رہے، اور نوے [۹۰] سال کی عمر میں ۳۳۴ھ میں ان کا وصال ہوا"۔

(سير أعلام النبلاء للذهبي ملخصاً ج ١٢ ص ٤٠٣)

انہوں نے یہ کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں: (۱) معاني القرآن (۲) جامع الدعاء (۳) الكُتّابُ وسياسة المملكة وسيرة الخلفاء.

یہ بارگاہِ رسالت میں بہت مقبول تھے، حتیٰ کہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ ضرورت مندوں کو نشانی اور علامت دے کر ان کی طرف بھیجا کرتے تھے اور یہ اُن کے کام کر دیتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک سائل کو فرمایا: تم انہیں یہ نشانی دے دینا کہ تم ہر جمعرات کو مجھ پر ہزار مرتبہ درود بھیجتے ہو لیکن گزشتہ جمعرات کو تم ابھی سات سو تک پہنچے تھے کہ تمہیں خلیفہ کا آدمی بلانے آگیا تو تم اس کی طرف چلے گئے اور واپس آکر بقیہ حصہ پورا کیا۔ سائل نے جب یہ سب کچھ بتلایا تو موصوف رو پڑے اور کہا: خدا کی قسم میرے اس معمول کا کسی کو بھی علم نہیں، پھر سائل کو سو اشرفیوں کی بجائے ہزار اشرفیاں پیش کیں تو اُس نے سو اشرفیاں لے لیں اور باقی نو سو یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ حضور ﷺ نے مجھے سو اشرفیوں کا ہی فرمایا تھا۔ مکمل واقعہ درج ذیل کتب میں پڑھیے:

(القول البديع للسخاوي ص ٣٢٧، فضائل درود شريف لمولانا زكريا سهارنبوري ص ١٧٣ رقم الحكاية

یہ واقعہ تو بدعمل سید کا تھا جبکہ بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید کے نظریات میں بھی اگر معمولی سا فرق ہو تو پھر بھی وہ قابلِ تعظیم ہے۔ چنانچہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام تقی الدین المقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ یعقوب بن یوسف بن علی بن محمد المغربی نے ذکر کیا کہ وہ ۸۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں روضہ مقدسہ کے پاس بیٹھے تھے کہ انہیں شیخ العابد ابو عبداللہ محمد الفاسی نے بتلایا کہ وہ امام حسین ﷺ کی اولاد میں سے بعض سادات کرام کے ساتھ بغض رکھتے تھے، کیونکہ وہ اہل سنت کے خلاف تعصب کا اظہار کرتے تھے اور بدعات کا ارتکاب کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں پھر میں نے عالم خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جبکہ میں مسجد نبوی میں روضہ مقدسہ کے سامنے سویا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام لے کر فرمایا: اے فلاں! کیا وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں تو ہماری اولاد کے ساتھ بغض رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی پناہ کہ میں اُن سے بغض رکھوں، میں تو انہیں اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ میں نے دیکھا وہ اہل سنت سے تعصب رکھتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے مجھے ایک فقہی مسئلہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ''أَلَيْسَ الْوَلَدُ الْعَاقُّ يُلْحَقُ بِالنَّسَبِ؟'' (کیا نافرمان اولاد نسب میں شامل نہیں ہوتی؟) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیوں نہیں۔ فرمایا:

۳۹، فضائل اعمال ص ۸۵۸، تبلیغی نصاب، رسالہ فضائل درود شریف ص ۱۰۸)

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور شخص کا واقعہ بھی بیان کیا ہے، جو اس وزیر کی طرف حضور ﷺ کی جانب سے ایک اور نشانی لے کر آیا تھا اور وہ حق ثابت ہوئی تھی......

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۸ ص ۱۴۲، ۱۴۳)

حافظ ابن کثیر نے ایک تیسرے شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سید العالمین ﷺ نے وزیر موصوف کو پہلے خواب میں حکم فرمایا کہ تمہارے پاس ہم فلاں شخص کو بھیج رہے ہیں اور دوسری طرف اُس شخص کو فرمایا کہ تم یہ علامت لے کر وزیر موصوف کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہیں چار سو دینار دے گا......

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۱۷۴، ۱۷۵)

یہ نافرمان اولاد ہی ہے۔ پھر میں بیدار ہو گیا، اب میں سادات کرام میں سے جس کو بھی ملتا ہوں تو اُس کی غایت درجہ تعظیم کرتا ہوں"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج۲ ص ٦٨٣، ٦٨٤، معرفة مايجب لآل البيت النبوي للمقريزي ص ٨١)

سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات اور ذریتِ فاطمہ کی نجات

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا احادیث میں جو ذریت کا لفظ آیا ہے وہ سیدین حسنین کریمین علیہما السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اُس میں قیامت تک تمام اہل بیت کرام شامل ہیں، اور اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام سادات کرام کو جنت میں داخل فرما دے، خواہ وہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ آخر جس ذات نے اولیاء کرام کی نسبت کی قدر کرتے ہوئے سو[۱۰۰] افراد کے قاتل کو معاف کر دیا تو وہ حضور ﷺ اور سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی عصمت کے طفیل اُن کی اولاد کے گنہگاروں کو کیوں نہیں معاف فرمائے گا؟

اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو خواب ہیں اور شریعت کا دارومدار خوابوں پر نہیں تو اُس کی خدمت میں گزارش ہے کہ سچے خوابوں کو قرآن کریم میں دنیا میں ایک بشارت قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ.

"اُن کے لیے بشارت ہے دنیا کی زندگی اور آخرت میں"۔

(یونس: ٦٤)

اور حدیث شریف میں مومن کے سچے خواب کو وحی کا چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا ہے، تاہم اس مسئلہ کی بنیاد محض خواب پر نہیں بلکہ اس سلسلہ میں صریح ارشاد نبوی ہے کہ:

أحبوا أهل بيتي بحبي.

"مجھ سے محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو"۔

(سنن الترمذي ص ٨٦٩ رقم ٣٧٨٩، المستدرك للحاكم ج ٣ ص ١٤٩ وطبعة أخرىٰ ج ٤ ص ١٣١ رقم ٤٧٧٠، المعجم الكبير ج ٥ ص ١٩٥، ١٩٦ رقم ١٠٥١٦، شرف المصطفىٰ ج ٥ ص ٣١٥، شعب الإيمان للبيهقي ج ١ ص ٣٦٦ رقم ٤٠٨ وج ٢ ص ١٣٠ رقم ١٣٧٨، الآداب للبيهقي ص ٥٢١ رقم ١١٧٧، الإعتقاد للبيهقي ص ٤٥٥ وطبعة أخرىٰ ص ٤٥٠، حلية الأولياء ج ٣ ص ٢٤٤، مشكاة ج ٢ ص ٥١٩ رقم ٦١٨٢، الجامع الصغير رقم ٢٢٤، جمع الجوامع ج ١ ص ١٠١ رقم ٥٧٠، إحياء الميت بفضائل أهل البيت ص ١٧ رقم ٩، استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول وذوي الشرف ج ١ ص ٣٩٢)

مقامِ غور ہے کہ صحیح معنوں میں نیک وصالح انسان اگر غیر سید بھی ہو تو مسلمان شخص اُس سے محبت کرتا ہے، لہٰذا اگر سادات کرام میں سے بھی فقط اُس سید کے ساتھ محبت کی جائے جو نیک وصالح ہو اور گنہگار سید سے نفرت کی جائے تو پھر حضور ﷺ کی نسبت کی تعظیم کہاں گئی؟

علاوہ ازیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سورۃ الفتح کی آیت "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" میں نبی کریم ﷺ کی جس مغفرت کا ذکر ہے اُس میں اہل بیت کرام علیہم السلام بھی شامل ہیں، شاید اسی لیے امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مترجمین کے برعکس اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے"۔

(کنز الإیمان ص ٨١٣، الفتح: ٢)

یوں تو تمام مومنین ہی حضور ﷺ کے اپنے ہیں لیکن جو اپنائیت اہل بیت کرام علیہم السلام کو حاصل ہے وہ اُن ہی کی خصوصیت ہے۔

سید تفضیلی ہو پھر بھی قابلِ تعظیم ہے

تفضیلی اُس شخص کو کہتے ہیں جو سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل مانے اور اُن سب سے زیادہ محبوب جانے، لیکن بشرطیکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو برحق مانے اور اُن کی تعظیم وتوقیر میں کمی نہ

کرے۔ یہ عقیدہ کچھ صحابہ کرام، تابعین عظام، محدثین کرام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے لے کر آخر تک اکثر اہل بیت کرام علیہم السلام کا تھا۔ مطالعہ کی کمی کے باعث ہمارے دور میں ایسے شخص سے نفرت کی جاتی ہے اور اس کو روافض سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ رویہ نہ صرف یہ کہ نادرست ہے بلکہ سراسر ظلم ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف بھونکتا ہے تو وہ ہر لحاظ سے قابلِ نفرت ہے۔ ہمارے اسلاف کرام محض تفضیلی سے اس قدر نفرت نہیں کرتے تھے جس قدر بعد والے لوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص عبدالرحمان بن صالح کو اپنے قریب کیا تو اُس کی شیعیت کی وجہ سے امام صاحب پر اعتراض کیا گیا، اس پر انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کرتا ہے اور وہ ثقہ ہے"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج١ ص ٥٧٥)

بعض لوگوں نے اس شخص کو رافضی (شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی کرنے والا) بھی لکھا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی شخص کی وثاقت (ثقاہت) پر اعتماد کیا گیا ہے اور کوئی رافضی شخص معتمد اور سچا نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ قدماء کی اصطلاح کے مطابق شیعی (محب اہل بیت) ہی ہوگا۔ سو جب غیر سید تفضیلی سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نفرت نہیں کی تو سید تفضیلی سے کیونکر نفرت کی جاسکتی ہے؟

ایک دردمندانہ التماس

یہاں راقم اپنے اہل سنت حضرات سے دست بستہ گزارش کرتا ہے کہ سید ہو غیر سید کسی بھی تفضیلی شخص سے نفرت کے اظہار سے اجتناب فرمائیں تاکہ وہ آپ کے قریب آئے اور پھر آپ کی وساطت سے اُس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں اور اُن کے فضائل آشکار ہوں، بلکہ اگر ہوسکے تو اُس کے سامنے اہل بیت کرام کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کے واقعات رکھیں، اور آپ کو بھی جو اہل بیت کرام کے فضائل معلوم ہوں اُس کے سامنے بیان فرمائیں۔ نیز اگر کسی حدیث سے اہل بیت کے کسی فرد کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کوئی فضیلت عیاں ہوتی ہو تو فرض نہیں ہے کہ آپ اُس کی تاویل کرنے بیٹھ جائیں اور جزوی اور کلی کے چکر میں

پڑ جائیں بلکہ بلا تاویل دل کھول کر بیان کر دیں، کیونکہ صحابہ کرام ﷡ بھی دل کھول کر اہل بیت کی شان بیان کرتے تھے اور اُن پر قربان ہوتے تھے۔ خود غور فرمایئے کہ فضائل اہل بیت میں جس قدر احادیث ہیں وہ ہم تک کس ذریعے سے پہنچیں؟ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ﷡ کے ذریعے ہی پہنچی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ایسی احادیث بلا تاویل بیان کیا کریں۔ یقیناً اس سے ایسے تفضیلی شخص کا دل نرم ہوگا اور زیادہ بھی نہیں تو اتنا اثر ضرور ہوگا کہ اُس کے قدم تفضیل سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

تفضیلی تو کیا سختی سے تو کوئی بدعقیدہ شخص بھی اپنا نہیں بنتا، اسی لیے قرآن حکیم میں دانائی اور بہتر نصیحت سے دعوت دینے کا حکم ہے۔ فرعون سے بڑھ کر کون شخص بد بخت ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اُس کے پاس سیدنا موسیٰ اور ھارون علیہما السلام کو بھیجا تو فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. (طٰہٰ: ٤٤)

''اُس سے نرمی سے بات کریں، شاید نصیحت مان لے یا ڈر جائے''۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں:

''حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیات تلاوت کی گئیں تو اُن پر گریہ طاری ہو گیا اور وہ کہنے لگے: الٰہی! تیری یہ نرمی اُس شخص کے ساتھ ہے جس نے دعویٰ کیا ''میں الٰہ ہوں'' تو پھر اُس شخص کے ساتھ تیری نرمی کا کیا عالم ہوگا جو کہتا ہے تو الٰہ ہے؟''۔

(السراج المنیر ج ٤ ص ١٧١)

یاد رکھیے! آج کا مبلغ اپنے مرتبہ اور مقام میں سیدنا موسیٰ اور ھارون علیہما السلام سے افضل نہیں اور جس کو وہ تبلیغ کر رہا ہے وہ فرعون سے زیادہ بد بخت نہیں تو پھر اس قدر سختی کیوں؟ اس مقام پر حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ انمول الفاظ قابل توجہ ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ہر مبلغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے، مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی

نہریں بہہ رہی ہیں۔ اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔ قلتُ: القول اللین الذي لاخشونة فیه، فإذا کان موسیٰ أمر بأن یقول لفرعون قولاً لیناً فمن دونه احریٰ" (قرطبی) یعنی میں کہتا ہوں: قول لین وہ ہے جس میں سختی نہ ہو، پس جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے لیے نرم گفتگو کریں تو جو فرعون سے کم ہے وہ اس نرمی کا زیادہ حقدار ہے"۔

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۱۲)

اس فرمانِ الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ فرمائیے کہ جو مبلغین ومقررین کلمہ گو لوگوں کو کافر، گمراہ اور کتا تک کہہ جاتے ہیں اُن کی تبلیغ کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟ حال ہی میں بعض مقررین نے ایک عالمِ حق اور فاطمی سید کو تفضیلی گمان کرتے ہوئے بہت بڑی گالی دے دی۔ ایمان سے بتلائیے! کیا یہی قرآنی اصول ہے، کیا یہی اسلاف کا طریقہ ہے اور کیا یہی دین داری ہے؟ ایسی بدتمیزی تو کسی رافضی اور کافر کے ساتھ بھی روا نہیں چہ جائیکہ تفضیل کے گمان پر سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے لختِ جگر کے ساتھ کی جائے۔

یہاں ہم بلا تبصرہ امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اُن کے پاس درجِ ذیل الفاظ میں ایک سوال آیا:

> "ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سید کے مقابل کوئی غیر مثلاً: شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال ہو تو اس کو سید پر بحیثیت اعمال کے ترجیح ہو سکتی کہ نہیں؟ شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟
>
> الجواب: سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے، اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، اُن اعمال کے سبب اُس سے تنفر نہ کیا جائے، نفسِ اعمال سے تنفر ہو بلکہ اُس کے مذہب

میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اُس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی...... اس فضلِ انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے، اِلیٰ ان قال"۔

(فتاوی رضویہ ج۲۲ ص ٤٢٢، ٤٢٣)

سوال وجواب میں جن مقامات پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے اُن میں بار بار غور فرمائیں: پہلے اور دوسرے مقام میں غور کرتے ہوئے گزشتہ سطور میں جو حضرت علی بن عیسیٰ الوزیر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا جا چکا ہے اُس میں بھی ایک مرتبہ پھر غور فرمالیجے۔

تیسرے مقام میں غور فرمایئے کہ تفضیل کو مذھب میں قلیل فرق لکھا ہے، جبکہ متشدد لوگ اس قلیل پر کثیرا اودھم مچاتے ہیں۔

چوتھے مقام پر لکھا ہے: ہر مسلمان پر ہی نہیں بلکہ ہر متقی پر نسب نبوی ﷺ کی تعظیم فرض ہے۔

بناء المصطفى ﷺ عليها وتحذيره من إيذائها وبغضها والأذى لها

الحديث التاسع رعاية مشاعرها:

عن المِسْوَر بن مَخْرَمَةَ قال: إن علياً خطب بنت أبي جهل فقال المصطفى ﷺ: إن فاطمةَ بضعة مني وأنا أتخوف أن تُفْتَنَ في دينها، وإني لستُ أحرم حلالاً، ولا أحل حراماً، ولكن والله، لا تجتمع بنت رسول الله، وبنت عدو الله عند رجل وَاحد أبداً.

(رواه أحمد والشيخان وأبوداود وابن ماجه)

نویں حدیث: سیدہ پر سوکن ڈالنے کا وبال

اور انہیں اذیت پہنچانے پر تنبیہ

حضرت مِسْوَر بن مَخرَمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجا تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اور میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ اپنے دین کے بارے میں آزمائش سے دوچار ہو جائے گی، اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی کو اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے ہاں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

(مسند أحمد ج٤ ص٣٢٦ وطبعة أخرىٰ ج٦ ص٤٢٠ رقم ١٩١٢٠، فضائل الصحابة ج٢ ص٩٥١ رقم ١٣٣٥، بخاري ص٦٢٨ رقم ٣٧٢٩، صحيح مسلم ص١٠٧٧ رقم ٦٣٠٩، سنن أبي داود ج٢ ص٣١٠، ٣١١ رقم ٢٠٦٩، سنن ابن ماجه ج٢ ص٤٨٩ رقم ١٩٩٩)

ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت کیوں؟

ابو جہل کی جس بیٹی کے نام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیغام نکاح کا ذکر کیا جاتا ہے صحیح قول کے مطابق اُس کا نام جویریہ بنت ابی جہل ہے، یہ مسلمان ہو گئی تھیں اور اچھی مسلمان تھیں۔

(الإصابة ج٨ ص٧٢)

تاہم جب کسی انسان کو اپنی حد تک اختیار و اقتدار مل جائے تو وہ مسائل بھی پیدا کر سکتا ہے اور قبل از واسطہ و تعلق کسی انسان کا روپ و مزاج کچھ اور ہوتا ہے مگر بعد میں کچھ اور ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح مرد ہو یا عورت قبل از ملازمت یا شادی اُس کے طور اطوار، چال ڈھال اور حرکات و سکنات کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے اور بعد میں کچھ اور۔ کوئی گئی گذری عورت ہی کیوں نہ ہو بعد از نکاح اُس کے طور و اطوار میں تبدیلی آ ہی جاتی ہے، کیونکہ اُسے ایک طرح کا اختیار و اقتدار مل جاتا ہے اور وہ اسے استعمال بھی کر سکتی ہے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور تھا، کیا تھا؟ یقین فرمایئے اس کا تذکرہ ہم سے کبھی نہ ہوتا لیکن چونکہ اُس معاملہ کے متعلق زبانِ نبوت پر ہی الفاظ جاری ہو گئے اس لیے ہم اُس پر کچھ روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

"لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰه وبنتُ عدوِّ اللّٰه" کا مطلب

"لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰه وبنتُ عدوِّ اللّٰه" (رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹیاں جمع نہیں ہوسکتیں) چونکہ یہ الفاظِ نبوی ہیں اس لیے ان کی گہرائی اور گیرائی سے صرفِ نظر کرنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے محدثین کرام نے بھی ان پر خاص توجہ کی ہے اور ان سے ایک ضابطہ اخذ کیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

وفيه أن ولد العدو عدو، وأن أولاد المتعادين لهم حكم آبائهم، وابنة أبي جهل وإن كانت مسلمة فقد خاف منها النبي عليه الصلاة والسلام على ابنته.

"اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ دشمن کی اولاد دشمن ہوتی ہے، اور عداوت رکھنے والوں کی اولاد کا حکم اُن کے آباء کے حکم کی طرح ہوگا، بنت ابوجہل اگرچہ مسلمان عورت تھی لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنی لختِ جگر کے معاملہ میں اُس سے خدشہ محسوس فرمایا"۔

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ج۷ ص۴۷۳)

امام ابوالعباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دليل على: أن ولد الحبيب حبيبٌ، وولد العدو عدوٌ، إلى أن يتيقن خلاف ذلك.

"اس میں دلیل ہے کہ دوست کی اولاد دوست اور دشمن کی اولاد دشمن، جب تک کہ اس کے برعکس کا یقین حاصل ہو"۔

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج٦ ص٣٥٤)

علامہ ابن القیم الجوزیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

وفيه بقاء عار الآباء في أعقابهم لقوله: بنت عدو اللّٰه.

''اوراس میں ماں باپ کی عار اُن کی نسل میں باقی ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''دشمن کی بیٹی''۔

(شرح سنن أبي داود لابن القيم بهامش عون المعبود ج٦ ص ٥٥، فتح الباري ج١٠ ص ٤١٢، عمدة القاري ج٢٠ ص ٣٠١، عون المعبود ج٦ ص ٥٧)

اس فرمانِ نبوی ﷺ کی اور اس کی روشنی میں محدثین کرام کے اس استنباط کی حقانیت پر اگر آپ کو کسی واقعاتی شاہد کی ضرورت ہو تو حضرت ھاشم کی وجاھت اور مرتبہ کے خلاف جو اُن کے بھتیجے امیہ بن عبد شمس کے دل میں حسد پیدا ہوا تھا اور بعد میں وہ عداوت کی شکل اختیار کر گیا تھا، اُس میں آپ غور فرمائیں کہ وہ کہاں تک چلا؟ سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں:

فكانت هذه أول عداوة وقعت بين هاشم وأمية، وتوارثت ذلك بنوهما

''سو یہ پہلی عداوت تھی جو حضرت ھاشم اور اُمیہ کے مابین واقع ہوئی اور اُن دونوں کی اولاد میں چلی''۔

(أعلام النبوة للماوردي ص ٢٥٢، ٢٥٣، إنسان العيون (سيرة حلبي) ج١ ص ٧، السيرة النبوية لابن زيني دحلان مكي ج١ ص ٢٠، سبل الهدى ج١ ص ٢٧١، بلوغ الأرب لمحمود شكري الآلوسي ج١ ص ٢٨٣)

تاہم استثنائی صورتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ امام ابو العباس القرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ''إلىٰ أن يتيقن خلاف ذلك'' میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

''لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ وبنتُ عدوِّ اللّٰه'' میں ایک اور حکمت

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اس حدیث کے تحت ایک اچھی حکمت بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''سیدہ فاطمہ اور بنت ابی جہل کو جمع کرنے میں حضرت علی ﷺ کو جو ممانعت فرمائی گئی اُس میں ایک عجیب حکمت ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے تابع ہونے کے لحاظ سے اُسی کے ساتھ اُس کے درجہ میں ہوگی، پس اگر وہ ذاتی طور پر درجۂ عالیہ کی مالک ہو اور اُس کا شوہر بھی اسی طرح ہو تو وہ ذاتی حیثیت سے بھی اور شوہر کی وجہ سے بھی اُس کے ساتھ ہوگی، اور یہی سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی ﷺ کی صورتِ حال ہے، اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ ایک ہی درجہ میں بنت ابی جہل کو اُس کی ذاتی حیثیت سے یا شوہر کی تابعیت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جمع کردے، ان دونوں کے مابین ایک فرق ہے جو فرق ہے، پس سیدۂ نساء العالمین پر اُس کا نکاح شرعی لحاظ سے بھی اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی مستحسن نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد ''لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسولِ اللّٰہِ وبنتُ عدوِّ اللّٰہ'' (رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی جمع نہیں ہوسکتیں) میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے''۔

(زاد المعاد في هدي خير العباد ج ٥ ص ١٠٨)

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا اور دوسری طرف فرمایا ''لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسولِ اللّٰہِ وبنتُ عدوِّ اللّٰہ'' (رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی جمع نہیں ہوسکتیں) تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ مسلمان خاتون نہیں تھی؟ اگر تھی تو کیا پھر ایک سے زائد شادیاں کرنا حرام ہے؟ جواب ہرگز حرام نہیں اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے حرام قرار دیا بلکہ فرمایا: یہ اجتماع ہوگا نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ بات حضور ﷺ اور سیدۂ کائنات علیہا السلام کو پسند نہیں اور جو انہیں پسند نہیں وہ ان کے رب کو پسند نہیں کیونکہ رب تبارک وتعالیٰ کو ان کی رضا مطلوب ہے۔ اس مفہوم کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ادا کیا ہے:

ليس المراد به النهي عن جمعهما، بل معناه: أعلم من فضل الله أنهما لا

تَجْتَمِعَانِ.

''اس سے مراد ان دونوں کو جمع کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ میں اللہ کے فضل سے جانتا ہوں کہ یہ دونوں جمع نہیں ہوں گی''۔

(المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ج١٦ ص٢٢٢)

قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی رضا چاہتا ہے، اور حضور ﷺ کو سیدہ کی رضا مطلوب ہے بلکہ آگے حدیث نمبر پندرہ میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی سیدہ کی رضا مطلوب ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تو محب ومحبوبِ الٰہی ہیں تو اُن کی رضا کا کیا ہوگا؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اُن کی رضا کے مقابلہ میں دو رضائیں جمع ہوگئیں اور جب سیدہ کی رضا میں حضور ﷺ کی رضا شامل ہوگئی تو رضائے مرتضوی مغلوب ہوگئی، لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کا اس بارے میں کوئی عزم تھا ہی نہیں۔ چنانچہ اگر تمام احادیث کو سامنے رکھا جائے تو لب لباب یہ سامنے آتا ہے کہ ابتداً میں کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ صورت رکھی اور قرآن کریم کے عمومی جواز کے پیشِ نظر مولیٰ علی علیہ السلام کی زبان اقدس پر کوئی بات آئی، جس کی بازگشت سیدہ اور حضور اکرم ﷺ تک پہنچی تو سیدہ کی خوشنودی کی خاطر سرورِ عالم ﷺ نے کھلے بندوں تردید فرمانا مناسب سمجھا، ورنہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی منع کر دیا جاتا۔ سو نبی کریم ﷺ کا اس ممانعت میں خاصا اہتمام فرمانا حتیٰ کہ اس کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عزم مصمم کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ سیدہ کی خوشنودی اور اُن کے مرتبہ کے اظہار کی وجہ سے تھا۔

اس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام افواہ پھیلی ہی مشیتِ الٰہی سے تھی۔ اگر یہ افواہ نہ پھیلتی تو اس کی تردید کیونکر ہوتی اور جب اس کی تردید نہ ہوتی تو سیدۂ کائنات علیہا السلام کے مرتبۂ عظمیٰ کا اظہار کیسے ہوتا؟ آگے حدیث نمبر بارہ کے متن سے بالکل عیاں ہے کہ اس مسئلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کوئی عزم نہیں تھا بلکہ انہیں مبہم سا خیال آیا تھا اور سرسری طور پر زبان سے اُسی کا اظہار ہو گیا تھا۔

اہل بیت پر مصاہرت میں احتیاط

اس حدیث میں سادات کرام کے لیے ایک نصیحت موجود ہے کہ وہ رشتہ لینے اور دینے میں خاص خیال رکھا کریں اور ایسے لوگوں کے ساتھ رشتہ داری قائم کرنے سے اجتناب فرمایا کریں جن کے حسب ونسب اور کردار و اعمال پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہوں، تا کہ خونِ نبوی ﷺ ہر طرح کی رجس اور آلودگی سے پاک حالت میں آگے بڑھتا رہے۔ یقین فرمایئے! اُس وقت دل کو بہت صدمہ پہنچتا ہے جب بعض سادات کرام دوسرے لوگوں سے اُن کے افعال و کردار، خاندانی اطوار اور مذہبی اقدار جانچے بغیر رشتہ قبول کر لیتے ہیں، اور اس سے زیادہ قلق و اضطراب اُس وقت ہوتا ہے جب کسی فاطمہ زادی کا نکاح دوسری قوموں میں کر دیا جاتا ہے۔ سادات کرام سے ہماری اپیل ہے کہ بیشک اُن کی شہزادیوں کا رشتہ مسافت بعیدہ پر ہو لیکن وہ اپنی بچیاں غیر سادات کو دینے سے کلیۃً اجتناب فرمائیں۔

دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے قیامت تک قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے لیکن قرآن کی حفاظت کا ظاہری ذریعہ بھی ہے، اور وہ ہے قرآن کو یاد کرنا اور حفاظ کرام کا پیدا ہونا۔ اسی طرح اگر چہ قرآن کے ساتھ اہل بیت کے باقی رہنے کی بھی گارنٹی دی گئی ہے مگر اس حفاظت کے کچھ ظاہری تقاضے بھی تو ہیں، اور وہ یہی ہیں کہ رشتہ لینے اور دینے میں مکمل احتیاط ملحوظ رکھی جائے، اور زیر تشریح حدیث میں اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ جامعہ ریاض کے شیخ الحدیث علامہ عبداللہ بن صالح بن محمد العبید لکھتے ہیں:

الرابعة: فيه أن الآل لاينبغي لهم أن يصاهروا مَن حوله القيل والقال، لئلايتطرق إلى البيت الطاهر مايدنسه.

”اس حدیث میں چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اہل بیت کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے خاندان کے ساتھ رشتہ داری نہ کریں جس میں قیل وقال ہو، تا کہ اُن کے پاک گھر میں اُس چیز کو راہ نہ ملے جو اُن کے شایانِ شان نہیں“۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ٣١)

یاد رکھیے! کوئی سید شخص اس بات کا جتنا خیال رکھے گا اُسی قدر وہ اجر و ثواب کا حق دار ہوگا، کیونکہ

یہ ایک طرح اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد ہے، اس لیے کہ اسی اہتمام ہی کی بدولت یہ مقدس خاندان کسی قسم کی آمیزش کے بغیر آگے بڑھ سکتا ہے اور زمین کے امن کا باعث ہو سکتا ہے اور اسی طہارت پر ہی امام مہدی علیہ السلام کا ظہور موقوف ہے، مگر افسوس کہ آج کل کے سادات (الا ماشاء اللہ) اس مقدس خون کی حفاظت سے غافل ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

الحديث العاشر

عظم مكانتها

عن عُمَربن الخطاب عنه عليه الصلوٰة والسلام: إن فاطمةَ وعلياً والحسن والحسين في حَظيرة القدس في قبة بيضاء سقفها عرش الرحمٰن.

[رواه ابن عساكر بإسناد ضعيف جداً، بل قيل بوضعه].

دسویں حدیث: سیدہ کا حظیرۃ القدس میں ہونا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک فاطمہ، علی اور حسن وحسین رحمان کے عرش کے سائے میں حظیرۃ القدس میں سفید قبہ کے اندر ہوں گے۔

اس کو امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی ضعیف سند سے روایت کیا ہے بلکہ اس کو موضوع بھی کہا گیا ہے۔

یہ حدیث موضوع ہے

یہ حدیث انتہائی ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہے، چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کی سند میں ایک شخص عمر بن زیاد الثوبانی ہے اور امام دار قطنی نے کہا ہے: وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ٥٣ رقم ٧٨)

لہٰذا ہم اس موضوع روایت کو مسترد کرتے ہوئے اس کی جگہ ایسی حدیث نقل کر رہے ہیں جس میں

اس سے زیادہ واضح فضیلت موجود ہے۔ چنانچہ سیدنا علی ؓ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت حسن یا حسین نے پانی مانگا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہماری ایک بکری کی طرف گئے جس کا دودھ منقطع ہو چکا تھا، اُسے دوہنا چاہا تو اُس نے دودھ اتار دیا، پھر حضرت حسن قریب آئے تو آپ نے انہیں دیا۔ اس پر سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: گویا آپ کو ان دونوں سے زیادہ محبوب یہ ہے؟ فرمایا: نہیں لیکن اس نے پہلے پانی مانگا تھا، پھر فرمایا:

إني وإياكِ وهذين وهذا الراقد في مكان واحد يوم القيامة.

''بیشک میں اور تم اور یہ دونوں اور یہ سونے والا قیامت کے دن ایک ہی مقام میں ہوں گے''۔

(مسند أحمد ج١ ص١٠١ رقم٧٩٢، فضائل الصحابة ج٢ ص٨٦٢ رقم١١٨٣، مسند أبي يعلىٰ ج١ ص٢٤٠ رقم٥٠٦، وطبعة أخرىٰ ج١ ص٣٩٣ رقم٥١٠، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج٣ ص٣٠ رقم٧٧٩، مسند أبي داود الطيالسي ص٢٦ رقم١٩٠ وطبعة محققة ج١ ص١٠٥ رقم١٨٦، كتاب السنة لابن أبي عاصم ص٥٨٤ رقم١٣٢٢، المعجم الكبير ج٢٢ ص٤٠٦ رقم١٠١٧، وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٣٦٦ رقم١٨٤٤٩، ١٨٤٥٠، جامع المسانيد لابن الجوزي ج٦ ص١٩٦ رقم٥٥٩٩، كشف الأستار ج٣ ص٢٢٣ رقم٢٦١٦، مجمع الزوائد ج٩ ص١٦٩ رقم ١٤٩٩١)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

''امام احمد کی سند میں ایک شخص قیس بن ربیع ہے اور اس میں اختلاف ہے اور امام احمد کے باقی راوی ثقہ ہیں''۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص١٦٩، ١٧٠ رقم١٤٩٩١)

یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الکبیر ج۹ ص۳٦٦ رقم ۱۸٤٤۹، ۱۸٤٥۰)

حافظ ہیثمی اس کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس میں ایک شخص کثیر بن یحییٰ ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن امام ابن حبان نے اُس کی توثیق کی ہے''۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص۱۷۱ رقم ۱۵۰۰٤)

الحديث الحادي عشر:

الحفاظ عليها

عن المسور بن مَخرَمة قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول وهو على المنبر: إن بني هاشم بن المغيرة استأذنوني أن ينكحوا ابنتهم علي بن أبي طالب فلا آذن لهم ثم لا آذن لهم ثم لا آذن لهم إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق ابنتي وينكح ابنتهم، وإني لست أحرّم حلالاً، ولا أُحلل حراماً ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله أبداً.

[رواه الشيخان].

زاد في رواية: فإنما فاطمة بَضعَةٌ مِني يريبُني ما رابَها، ويؤذيني ما أذاها.

گیارھویں حدیث: سیدہ کا خیال رکھنا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بیشک بنو ھاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے کریں، تو میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دوں گا، پھر میں اجازت نہیں دوں گا مگر یہ

کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدے اور اُن کی بیٹی سے نکاح کرلے، اور میں کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔

اس کو شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما) نے روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: بیشک فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، مجھے وہ چیز بے قرار کرتی ہے جو اُسے بے قرار کرتی ہے اور مجھے وہ چیز اذیت پہنچاتی ہے جو اُسے اذیت پہنچاتی ہے۔

(بخاري ص٩٣٤ رقم ٥٢٣٠، صحيح مسلم ص١٠٧٦ رقم ٦٣٠٧، الجمع بين الصحيحين ج٣ ص٣٧٢ رقم ٢٨٥٨، فضائل الصحابة ج٢ ص ٩٤٧، جامع الترمذي ص٨٧٣ رقم ٣٨٦٧، سنن أبي داود ج٢ ص٣١١ رقم ٢٠٧١، سنن ابن ماجه ج٢ ص ٤٨٩ رقم ١٩٩٨، مناقب علي والحسنين للقلعجي ص٢٤٦ رقم ٤٦٨)

مصنفؒ سے دو حدیثوں کا خلط ملط ہونا

بوجہ سبقتِ نظر مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں دو حدیثوں کی عبارت باہم مل جل گئی، دراصل ''إني لست أحرّم حلالاً......'' اُس حدیث کا جملہ ہے جس میں پیغامِ نکاح کی نسبت سیدنا علی ﷛ کی طرف ہے، جیسا کہ اس سے قبل پوری حدیث آچکی ہے۔ دوسری سبقتِ نظر یہ ہوگئی کہ مصنف رحمہ اللہ نے ''رواه الشيخان'' کے بعد ''زاد في رواية'' سے جو اضافہ نقل کیا ہے درحقیقت وہ اضافہ نہیں بلکہ صحیحین کی اِسی حدیث کے ہی الفاظ ہیں۔ غالباً مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بڑے سائز میں بخاری یا مسلم میں سے کوئی کتاب ہوگی اور ایک ہی صفحہ پر دونوں حدیثیں ہوں گی، اور یہ سبقتِ نظر ہوگئی ہوگی، یا پھر مصنف رحمہ اللہ نے یہ الفاظ زبانی یعنی حدیث بالمعنیٰ کے طور پر املاء کرائے ہوں گے، کیونکہ بڑے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اکثر احادیث یاد ہوتی تھیں جنہیں وہ اکثر بعینہٖ الفاظ میں املاء کرادیتے اور کبھی بالالفاظ کی بجائے بالمعنیٰ لکھوادیتے، اور بلاشبہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے، جیسا کہ اُن کی تصانیف (فيض القدير، التيسير، كنوز الحقائق، شرح الشمائل وغيرها) سے ظاہر ہے۔

بنتِ ابی جہل کے ساتھ نکاح کی بات چیت کا آغاز کیسے ہوا؟

حدیث میں جن بنوھشام کے اجازت مانگنے کا ذکر ہے وہ ابوجہل کی لڑکی کے چچے ہیں، ہشام ابو جہل کا باپ تھا۔ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ اُس وقت اُس لڑکی کے وکیل یہی چچے تھے۔ اگر فقط اسی حدیث کو پیش نظر رکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس رشتے کی بات چیت کا آغاز سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ کی طرف سے نہیں بلکہ لڑکی والوں کی طرف سے ہوا، لیکن بعض احادیث سے اس کا آغاز مولیٰ علی ﷤ سے ہی معلوم ہوتا ہے مگر یہ کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کب اور کیوں ہوا؟ جیسے بھی ہوا یہ بات طے ہے کہ اس سلسلہ میں سیدنا علی مرتضیٰ ﷛ نے کوئی پختہ ارادہ نہیں کیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضور ﷺ کو یہ کیوں فرمانا پڑا:

"ہاں ابن ابی طالب ہماری بیٹی کو طلاق دے دے اور اُن کی بیٹی سے نکاح کر لے؟"

یوں معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی ﷛ کے خیر خواہوں نے کچھ اس حد تک بات بڑھادی ہوگی کہ حضور اکرم ﷺ کو اس حد تک الفاظ ادا کرنا پڑے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

هذا محمول على أن بعض من يبغض عليا وشى به أنه مصمم على ذلك.

"یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی ﷛ کے ساتھ بغض رکھنے والے بعض لوگوں نے پھیلا دیا تھا کہ وہ نکاح کا عزم مصمم رکھتے ہیں"۔

(فتح الباري ج١٠ ص ٤١١)

سو چونکہ یہ مکروہ افواہ پھیل ہی گئی تھی اس لیے جہاں اس کو حکمت عملی سے دبانا ضروری تھا وہیں سیدہ کی دلداری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

ولعله إنما جهر بمعاتبة علي مبالغة في رضا فاطمة عليها السلام.

"شاید سیدنا علی ﷛ پر علی الاعلان عتاب میں سیدہ فاطمہ کی خوشنودی مقصودی تھی"۔

(فتح الباري ج٧ ص ٤٥٣)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضورا کرم ﷺ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلوص یا اُن کی نیت عیاں نہیں تھی؟ جواباً عرض ہے کہ عیاں تھی اور آپ اُن کی نیت سے بھی باخبر تھے اور آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ ایسا ہونے والا نہیں، جیسا کہ گزشتہ حدیث میں آپ نے حلفاً فرمایا کہ بنت رسول اللہ اور بنت عدو اللہ ایک شخص کے ہاں جمع نہیں ہوں گی، لیکن دنیوی معاملات کو ظاہر داری کے مطابق ہی حل کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقعہ پر جب سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے قتل ہو جانے کی افواہ اڑائی گئی تو اُس کو ایک طرف ظاہر کے مطابق حل کیا گیا اور دوسری طرف اپنے ہی دستِ اقدس سے سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے لی، اور اس سے عظیم ترین فائدہ یہ ہوا کہ سفیر کشی بڑی غداری ہوتی ہے، سو اس غداری پر جو فطری غصہ آنا تھا وہ صحابہ میں بھڑک اٹھا اور اُس کو غنیمت جانتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کو مزید ابھارا اور پھر اُس کو یکجا مجتمع کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم موت پر بیعت کرتے ہو؟ سب نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: پھر آؤ! جب سب بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تو ارشادِ الٰہی ہوا: یہ آپ کے ہاتھ پر نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، مزید فرمایا: درخت تلے اِس والہانہ بیعت سے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا کہ عثمان تو زندہ ہے پھر آپ لوگ یہ کیا اور کیوں کر رہے ہیں؟

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا تھا کہ بعض لوگ اس بیعت کے موقعہ پر اپنے اونٹ کے کجاوے کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے، اس سے اُن کی منافقت عیاں ہو گئی تھی۔ ایسا ہی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہو جانے کے موقعہ پر جو افواہ اڑائی گئی تھی اُسے بھی کچھ وقت تک ظاہری طور پر قبول کرنے اور بتدریج حل کرنے میں بہت فوائد حاصل ہوئے تھے۔ عقل مند لوگوں کی نگاہ ایسے فوائد پر جاتی ہے کم عقل لوگوں کو اس میں نبی کی کم علمی یا بے خبری نظر آتی ہے۔ نگاہ اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی۔

جائز عمل حرام کیوں؟

قرآن کریم میں مرد کے لیے اجازت ہے کہ وہ چار عورتوں کو اپنے نکاح میں بیک وقت رکھ سکتا ہے، لیکن علماء کرام نے لکھا ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے سیدۂ کائنات کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ دوسری عورت سے شادی کرنا ناجائز تھا بلکہ حرام تھا۔ کیوں؟ اس کی توجیہ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اہل علم نے کہا ہے:اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کواذیت پہنچانے کی حرمت کا ذکر ہے،خواہ وہ کسی وجہ سے ہو،اگرچہ شریعت میں انسان کے لیے وہ عمل جائز ہو، بخلاف دوسرے لوگوں کے،کہ انہیں اگرکسی جائز کام کی وجہ سے اذیت پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں،لیکن نبی کریم ﷺ کا حق اس سے بلند ہے،آپ کوکسی طور بھی اذیت پہنچانا حلال نہیں ہے،اگرچہ وہ کام جائز ہی کیوں نہ ہو''۔

(إكمال المعلم للقاضي عياض ج٧ص٤٧٢،٤٧٣)

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

وفيه تحريم أذى النبي ﷺ بكل وجه من الوجوه،وإن كان بفعل مباح،فإذاتأذى به رسول الله ﷺ لم يجز فعله،لقوله تعالىٰ:وَمَاكَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوارَسُوْلَ اللّٰهِ.

''اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی بھی وجہ سے نبی کریم ﷺ کواذیت پہنچا حرام ہے،اگرچہ جائز عمل ہی کیوں نہ ہو۔پس جب وہ اذیتِ مصطفیٰ ﷺ کا سبب بنتا ہے تو اُس کا کرنا جائز ہی نہیں،اس لیے کہ ارشادِالٰہی ہے:تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کواذیت پہنچاؤ''۔

(شرح سنن أبي داودبهامش عون المعبود ج٦ص٥٥)

امام ابوالعباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وإن كان في أصله مباحاً،لكنه إن أدىٰ إلىٰ أذى النبي ﷺ ارتفعت الإباحةولزم التحريم.

''اگرچہ حقیقت میں وہ کام مباح ہولیکن جب اُس سے نبی کریم ﷺ کواذیت پہنچے تو جواز اٹھ جائے گااورحرمت لازم ہوجائے گی''۔

(المفهم لابى العباس القرطبي ج٦ص٣٥٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس بات میں رضا مندی ہوتی تو سیدنا علی ﷜ کو بنت ابی جہل یا کسی بھی عورت کے ساتھ نکاح سے منع نہ کیا جاتا، اور اس حدیث سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ ہر اُس بندے کو اذیت پہنچانا حرام ہے، جس کی اذیت حضور ﷺ کی اذیت کا سبب بن جائے، اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانا حرام ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور بلاشبہ آپ نے واضح فرمادیا ہے کہ کسی بھی طریقے سے سیدتنا فاطمہ کو جو اذیت پہنچتی ہے وہی اذیت حضور ﷺ کو ہی پہنچتی ہے، لہٰذا اس صحیح حدیث کی رو سے سیدہ فاطمہ کا موذی (اذیت پہنچانے والا) حضور ﷺ کا موذی ٹھہرا، اور اس سے بڑی کوئی اذیت نہیں جو سیدہ کو اُن کی اولاد کے قتل سے پہنچی، یہی وجہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے جانا جاچکا ہے کہ جو لوگ اس اذیت رسانی میں شریک ہوئے تھے انہیں دنیا میں سخت سزا ملی اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے''۔

(فتح الباري ج١٠ ص٤١٢)

الحديث الثاني عشر:

الحرس على فعل ما يرضيها

عن سويد بن غفلة قال: خطب عليٌّ ابنة أبي جهل إلىٰ عمها الحارث بن هشام، فاستشار رسول الله ﷺ فقال: أعن حسبها تسألني؟ قال علي: قد أعلم ما حسبها ولكن أتأمرني بها؟ فقال: لا، فاطمة بضعة مني ولا أحسب إلا وإنها تحزن أو تجزع! فقال علي: لا آتي شيئًا تكرهه.

بارھویں حدیث: سیدہ کی خوشنودی میں کوشش

حضرت سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷛ نے بنت ابی جہل کے نکاح کا پیغام اُس کے چچا حارث بن ہشام کو بھیجا تو رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کرنے لگے، آپ نے فرمایا: کیا تم اُس کے حسب کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو؟ حضرت علی ﷛ نے عرض کیا: میں اس کے حسب کو جانتا ہوں، لیکن کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟ فرمایا: نہیں، فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ غمگین یا پریشان ہوگی۔ اس پر حضرت علی ﷛ نے عرض کیا: میں ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کرتا جس کو وہ ناپسند کریں۔

(فضائل الصحابة ج۲ ص ۹۴۴، ۹۴۵ رقم ۱۳۲۳، المصنف لابن أبي شيبة ج۱۷ ص ۲۱۵ رقم ۲۳۹۴۰، المستدرك للحاكم ج۳ ص ۱۵۷ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ۱٤۵ رقم ٤۸۰۳، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ۷٤ رقم ۱۸۷، الثغور الباسمة ص ۲۵)

نوٹ

اس حدیث کے متن کے املاء میں غلطیاں ہیں اور کئی الفاظ رہ بھی گئے ہیں، اگر ہر ایک غلطی کی الگ نشاندہی کی جاتی تو یہ بات دشوار بھی ہوتی اور بے ذوقی کا باعث بھی، اس لیے راقم نے تقریباً پورا متن ہی "المستدرك" سے نقل کر دیا ہے۔

مولیٰ علی کا حضور ﷺ سے مشورہ کرنا

اس سے قبل آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ سیدنا علی ﷤ کا بنت ابو جہل کے ساتھ نکاح کا کوئی عزم مصمم نہیں تھا، اس حدیث سے اس حقیقت کی مزید تائید ہوگئی اور معلوم ہو گیا کہ اگر عزم مصمم ہوتا تو پھر مشورہ کیوں کیا جاتا، لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اس قدر زوردار انداز میں مزاحمت یا اعلان کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو اس کا جواب وہی ہے کہ بات کو جس انداز سے اٹھایا گیا اُسی انداز سے اُس کی تردید لازم تھی۔ ورنہ مولیٰ علی ﷤ اس مسئلہ میں اس قدر آگے نہیں بڑھے تھے، اگر وہ اتنا آگے بڑھے ہوتے تو یہ

کیوں عرض کرتے: "لا آتي شيئا تكرهه" (میں ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کرتا جس کو وہ ناپسند کریں) بھلا اس ہستی سے محبوب کریم ﷺ کو اذیت پہنچنے کا تصور ہی کیونکر کیا جاسکتا ہے، جس ہستی نے اپنے محبوب کے آرام کی خاطر نماز وسطیٰ تک کو ترک کر دیا تھا۔

سیدہ خاتون پر سوکن ڈالنے میں خطرہ

یہ اور اس سے قبل اس مضمون کی جتنی احادیث گزری ہیں اُن سب میں اس بات کی تصریح ہے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام پر سوکن ڈالنا حرام ہے، اس لیے کہ اس سے سیدۂ کائنات کو اذیت پہنچے گی اور سیدہ کی اذیت حضور ﷺ کی اذیت کا باعث ہے، لیکن اس تصریح کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کسی بھی سیدزادی لڑکی پر سوکن ڈالنا حرام ہے، کیونکہ اس سے بھی سیدہ اور سید الکونین ﷺ کو اذیت پہنچے گی۔ چنانچہ محدثین کرام لکھتے ہیں:

"علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہر حال اور ہر صورت میں نبی کریم ﷺ کو ایذا دینے کی حرمت کا بیان ہے، اگرچہ یہ اذیت ایسے عمل سے جنم لے جو اصلاً جائز ہو، اور یہ اُصول نبی کریم ﷺ کے لیے خاص ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ حضرت علی ﷺ کا نکاح حلال تھا کیونکہ آپ نے فرمایا: "لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا" (میں حلال کو حرام نہیں کرتا) لیکن آپ نے اس کے باوجود سیدہ فاطمہ علیہا السلام اور بنتِ ابی جہل کو دو واضح اسباب کے پیشِ نظر جمع کرنے سے منع کر دیا:

۱۔ اولاً اس لیے کہ اس سے سیدہ کو اذیت پہنچے گی اور یہ اذیت حضور اکرم ﷺ کی ایذا کا باعث ہوگی اور اِس اذیت کا مرتکب ہلاک ہوجائے گا۔ سو آپ نے حضرت علی اور سیدہ فاطمہ علیہما السلام پر کمال شفقت کے پیشِ نظر اس اقدام سے منع کر دیا۔

۲۔ ثانیاً اس لیے منع کیا کہ سیدہ ازراہِ غیرت محبت آزمائش میں مبتلا نہ ہوں۔

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي ج١٦ ص٢٢٢، إكمال المُعْلِم بفوائد

مسلم للقاضي عياض ج٧ ص٤٧٢، عمدة القاري ج١٥ ص٤٧)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہما اس حرمت کی مختلف وجوہ بیان کرنے کے بعد اپنا مختار یوں لکھتے ہیں:

والذي يظهر لي أنه لا يبعد أن يعد في خصائص النبي ﷺ أن لا يتزوج على بناته ويحتمل أن يكون ذلك خاصاً بفاطمة عليها السلام.

''اور مجھ پر جو بات ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہو کہ آپ کی بنات (مقدس بیٹیوں) پر سوکن نہ ڈالی جائے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ خاص ہو''۔

(فتح الباري للعسقلاني ج١٠ ص٤١٢، إرشاد الساري للقسطلاني ج١١ ص٥١٧)

اس حدیث سے جہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کی مقدس بیٹیوں پر سوکن ڈالنا حرام ہے، وہاں یہ دلیل بھی حاصل ہوتی ہے کہ آگے اُن کی بچیوں پر بھی سوکن ڈالنا حرام ہے۔ اس لیے کہ نسبِ نبوی قیامت تک متصل ہے اور سوکن کے باعث کسی بھی فاطمہ زادی کو جو اذیت پہنچے گی وہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اذیت کا باعث ہوگی اور چونکہ سیدۂ کائنات جسمِ نبوی ﷺ کا حصہ ہیں اس لیے یہ اذیت حضور اکرم ﷺ کو پہنچے گی، اور اس کا حرام ہونا واضح ہے۔ چنانچہ سیرت نگار علماء کرام نے خصائص مصطفوی کے ابواب میں تصریح فرمائی ہے کہ:

أنه لا يجوز التزوج على بناته لأن ذلك يؤذيه وأذيته ﷺ حرام بالإتفاق.

''اور بیشک حضور ﷺ کی بیٹیوں پر سوکن ڈالنا حرام ہے، اس لیے کہ اس سے آپ ﷺ کو اذیت ہوتی ہے اور آپ کو اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے''۔

(الإنسان الكامل للعلوي المالكي ص١٥٧، المواهب اللدنية ج٢ ص٦٦٠، سبل الهدى ج١٠ ص٤٤٩)

حضرت مسوَر بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے تو سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے فرزند کو اپنی بیٹی دینے سے اس لیے معذرت کر لی تھی کہ اُن کے نکاح میں اُس وقت سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام کی لختِ جگر موجود تھیں۔ جیسا کہ یہ حدیث باحوالہ پہلے آچکی ہے۔

الحديث الثالث عشر

ماكان لأحدأن يؤذي رسولَ اللّٰه ﷺ

عن أسماءَ بنتِ عُمَيْسٍ قالت: خطبني عليٌّ فبلغ ذلك فاطمة، فأتَتْ رَسولَ اللّٰهِ ﷺ وقالت: إن أسماء متزوجة عليّاً، قال: ما كان لها أن تُؤْذِيَ اللّٰه ورسولَه.

[رواه الطبراني].

تیرھویں حدیث: حضور کو اذیت پہنچانا کسی کے لیے درست نہیں

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا تو یہ بات سیدہ فاطمہ کو معلوم ہوئی، وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اسماء بنت عمیس علی کے ساتھ نکاح کرنے والی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ ﷻ اور اُس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچائے۔

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٩ ص٣٦٥ رقم١٨٤٤٨، المعجم الأوسط ج٥ ص٤٦٣ رقم٤٨٨٩، الآحاد والمثاني ج٥ ص٣٦٢ رقم٢٩٥٨، مجمع البحرين للهيثمي ج٣ ص٤١٥ رقم٣٨٠٤)

حضرت اسماء بنت عمیس کا مختصر تعارف

یہ ام المومنین سیدہ میمونہ کی بہن ہیں، اولین اہل اسلام سے ہیں، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ ابھی دار ارقم

میں نہیں گئے تھے اور یہ مسلمان ہو چکی تھیں، انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں: ایک حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی طرف۔ سب سے پہلے ان کا نکاح سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب ﷺ کے ساتھ ہوا تھا، پھر اُن کی شہادت کے بعد یہ سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں اور اِن سے پروردۂ مرتضیٰ حضرت سیدنا محمد بن ابی بکر صدیق ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ پھر یہ سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا علی مرتضیٰ ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں اور ان سے حضرت عون ﷺ پیدا ہوئے تھے۔

(الإصابة ج۸ ص ١٤، ١٥ ملخصاً)

اس سے قبل سیدنا علی ﷺ نے ان کو کب نکاح کا پیغام بھیجا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اپنے بھائی سیدنا جعفر طیار محبوب پروردگار ﷺ کی شہادتِ عظمیٰ کے بعد بھیجا ہوگا، لیکن اس سلسلے میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث درج کی ہے اُس کی صحت محل نظر ہے، چنانچہ حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی سند میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں پہچان سکا"۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۰۳ وطبعة أخرى ج۹ ص ۳۲۷ رقم ۱۵۲۰۲)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے "الأوسط" میں لکھا ہے: اس میں ایک راوی ھارون بن سعد سے سلیمان بن قرم کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے سلیمان بن قرم کے بارے میں "سيء الحفظ" (بگڑی ہوئی یادداشت والا) کے الفاظ لکھے ہیں۔

(تقریب التهذيب ج١ ص ٢٢٨)

تاہم اگر یہ روایت سنداً ثابت بھی ہوتی تو اس میں سیدہ کی خوشنودی کے حوالے سے کوئی نئی بات نہیں بلکہ وہی مفہوم ہے، جو صحیح احادیث میں آچکا ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس کی سیدہ سے محبت

حضرت اسماء بنت عمیس سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما سے بے حد محبت فرماتی تھیں، بعض لوگوں نے روایت کیا ہے کہ سیدۂ کائنات کی شادی کے موقعہ پر سیدہ کی خدمت اور دیکھ بھال انہوں نے کی تھی، مصنف نے بھی ایسی روایات درج فرمائی ہیں جیسا کہ آپ اس سے قبل پڑھ چکے ہیں تاہم یہ روایات

درست نہیں، کیونکہ سیدہ کی شادی کے موقعہ پر یہ اپنے شوہر سیدنا جعفر طیار ﷺ کے ساتھ حبشہ میں تھیں، اور غالبًا ان کی بہن سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں مشغول تھیں ۔ اس کی تحقیق ہم "شرح خصائص علي ﷺ" میں کر چکے ہیں ۔ بہر حال ان کی سیدہ کے ساتھ والہانہ محبت اور اُن کی خدمت مسلّم ہے، ان شاء اللہ اس کا کچھ تذکرہ سیدۂ کائنات علیہا السلام کے غسل کے ذکر میں آئے گا۔

الحديث الرابع عشر:

توفير الهدوء النفسي لها

عن ابن عباس أن عليًا خطب بنت أبي جهل ،فقال النبيُ ﷺ: إن كنت تزوجتَها فَرُدَّ علينا ابنتنا، واللّٰه لا تجتمعُ بنتُ رسولِ اللّٰه وبنتُ عدوِّ اللّٰه تحت رَجُلٍ"

[رواه الطبراني في معاجيمه]

چودھویں حدیث: سیدہ کی خاطر ہمت صرف کرنا

حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی ﷺ نے ابوجہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: اگر تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو تو ہمیں ہماری بیٹی لوٹا دو! خدا کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے تحت نہیں رہیں گی۔

(المعجم الكبير ج٥ ص٤٠٩ رقم١١٨٠٦ ،المعجم الأوسط١٥٣ رقم٥٣١٢ ،المعجم الصغير ج٢ ص٧٣ رقم٨٠٤ ،مجمع البحرين ج٣ ص٣١٥ رقم٣٨٠٥ ،مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٣ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص١٥٢٠١ ،الثغور الباسمة ص٢٦ رقم٣٢)

مسند بزار میں انتہائی سخت الفاظ منقول ہیں:

إن كنت مؤذينا بها فرد علينا ابنتنا.

"اگر تم اس کے ذریعے ہمیں اذیت پہنچانا چاہتے ہو تو ہمیں ہماری بچی لوٹا دو"۔

(کشف الأستار ج۳ ص۲۳۵ رقم ۲۶۵۲)

لاحول ولا قوة إلا باللہ! یہ روایت جہاں سنداً ضعیف ہے وہیں درایۃً بھی درست معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی سلیم الفطرت ہستی سے یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں اتنا آگے چلے گئے کہ حضور ﷺ کو لوگوں کے سامنے تو کیا بلکہ براہ راست انہیں کو ایسے الفاظ کہنا پڑ گئے؟۔ بفرضِ محال اگر وہ اس حد تک آگے چلے گئے تھے تو یہ اصل اذیت سے قبل ہی ایک اذیت ہے۔

اذیت کے بارے میں حضور ﷺ اور دوسروں کے مابین فرق

اوپر والی حدیث میں ہے کہ اسماء بنت عمیس کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت پہنچائے۔ اس پر راقم کہتا ہے کہ یوں تو کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اذیت پہنچائے لیکن اس سلسلے میں عام مخلوق اور حضور ﷺ کا معاملہ برابر نہیں۔ بہت باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ عام مخلوق کے حوالہ سے باعث اذیت نہیں ہوتیں لیکن کچھ خاص لوگوں کے حوالہ سے اذیت میں شمار ہوتی ہیں، مثلاً: ماں باپ کو اُف تک کہنا باعث اذیت بات ہے، حتیٰ کہ اُن کی ضروری خدمت کے مقابلہ میں نوافل کو ترجیح دینا اُن کی اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام اور دوسرے بزرگانِ دین کی بھی اپنی اپنی حیثیت ہے، اسی لیے اولیاء کرام کی توہین واذیت کی مذمت میں باقاعدہ احادیث آئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کا معاملہ پوری مخلوق سے زیادہ حساس ہے، اس بارگاہ میں اونچی آواز سے بولنا باعثِ اذیت ہے، نام لے کر پکارنا توہین ہے اور ذومعنیٰ لفظ استعمال کرنا توہین ہے، اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اگر اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنا ہو تو سورۃ الأحزاب کی آیت ۵۳ اور اس کی شانِ نزول کا مطالعہ

فرمائیں۔ کتبِ صحاح میں اس کی شانِ نزول کافی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے، یہاں ہم اُس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

''ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں لوگوں کو مدعو کیا گیا تو ایک گروہ آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا، جب گروہ در گروہ سب لوگ فارغ ہو گئے تو کچھ لوگ فارغ ہو جانے کے باوجود وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور رسول اللہ ﷺ اُن کے وہاں سے چلے جانے کی انتظار کرتے رہے، اور بوجہ مروت انہیں یہ فرمانے سے اجتناب کیا کہ چلے جاؤ! بالآخر آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ اندر داخل ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ......''۔

(بخاری ص ۸۴۲ رقم ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، مسلم رقم ۳۴۳۹، ۳۴۴۳، ۳۴۴۴)

اب آپ پہلے با ترجمہ آیت کو ملاحظہ فرمائیں پھر اس میں غور فرمائیں! ارشادِ الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا.

''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو، تمہاری یہ حرکتیں (میرے)

نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں)، اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں، اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہوکر، یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے، اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی، بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے"۔

(الأحزاب: ٥٣)

ذرا سوچئے کہ جس خالق کائنات ﷻ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کی اتنی سی انتظار زحمت پر اس قدر طویل آیت نازل کردی اور فرمایا کہ وہ حق بات سے شرماتا نہیں تو بتلایئے کیا وہ اپنے محبوب کے کسی لختِ جگر کی تکلیف پر خاموش رہے گا؟ نہیں، ہر گز نہیں۔

ہر انسان کے اندر جگر ہوتا ہے

بعض لوگ عقل وخرد سے محروم ہوتے ہیں مگر اُن کی زبانیں بہت تیز چلتی ہیں، اور وہ کہتے ہیں: ارے میاں! سب انسان برابر ہیں، سب کے اندر جگر ہوتا ہے اور سب کو برابر تکلیف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں مساوات ہے یہ اونچ نیچ نہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے پوچھتے ہیں: کیا ماں باپ اور دوسرے انسان برابر ہیں؟ کیا اپنی اولاد اور دوسرے بچے برابر ہیں؟ کیا اپنی ہی اولاد میں فرماں بردار اور خوبیوں والی اولاد نافرمان اور بے اوصاف اولاد کے برابر ہوتی ہے؟ کیا مخلص و دیانتدار ملازم اور طمع پرست ملازم میں کوئی فرق نہیں ہوتا؟ کیا مسلم اور مجرم برابر ہیں؟ کیا عالم اور جاہل برابر ہیں؟ کیا یہ امت اور گزشتہ امتیں فضیلت میں برابر ہیں؟ نہیں، ہر گز نہیں! یہ امت فسق وفجور اور عصیاں وزیاں میں تو مکمل طور پر پچھلی امتوں کے برابر ہے لیکن حضور ﷺ کے طفیل مرتبہ میں اُن سے بلند ہے۔ پھر جس طرح کسی کے طفیل مرتبہ میں بلند ہے اسی طرح مراعات بھی اس کے لیے زیادہ ہیں۔

حضور ﷺ نے اس امت کی اور دوسری امتوں کی فضیلت کو سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان

فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی شخص نے تین مزدور جمع کیے اور فرمایا: تم میں سے کون فجر سے لے کر ظہر تک ایک روپے میں کام کرے گا؟ یہودی نے قبول کرلیا اور اُسے طے شدہ معاوضہ دے دیا گیا۔ پھر کہا: ظہر سے عصر تک کون ایک روپے میں کام کرے گا؟ عیسائیوں نے قبول کیا اور انہیں طے شدہ معاوضہ دے دیا گیا۔ فرمایا: پھر عصر سے مغرب تک تم نے کام کیا تو تمہیں دو روپے دیے گئے۔ اس پر پہلے دونوں مزدور چیخ اٹھے: "نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا" (کام ہم نے زیادہ کیا ہے) ارشاد ہوا: "هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوا: لَا" (کیا میں نے تمہارا حق مارا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں) فرمایا: "فَذَالِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ" (تو پھر وہ میرا فضل ہے، میں جس کو جو چاہوں دوں)۔

(بخاري ص ٣٦١ رقم ٢٢٦٩)

اگر آخری مزدور کو فقط چار آنے (پچیس پیسے) ہی دیے جاتے تب بھی پہلے مزدوروں کے مقابلہ میں اُس کی مزدوری زیادہ ہوتی چہ جائیکہ دو روپے دیے گئے۔ لہٰذا اگر کسی محمدی کو دوسری امتوں کے مقابلہ میں یہ فضلِ الٰہی قبول ہے تو اُمت کے مقابلہ میں حضور ﷺ کے اہل بیت پر جو خصوصی فضلِ الٰہی ہے اُسے بھی قبول کرنا چاہیے، اور زبانِ طعن دراز کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ورنہ اگر کسی زبان دراز نے یہود و نصاریٰ کی طرح "نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا" (کام ہم نے زیادہ کیا ہے) کا نعرہ لگایا تو اُس کو خالق کی طرف سے "هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟" (کیا میں نے تمہارا حق مارا ہے؟) کا برجستہ جملہ اور اُس کے ساتھ ساتھ "فَذَالِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ" (وہ میرا فضل ہے، میں جس کو جو چاہتا ہوں دیتا ہوں) کا دو ٹوک ارشاد بھی سننا پڑے گا۔

الحديث الخامس العشر: رضى الله لرضاها وغضبه لغضبها

عن علي ﷺ قال: قال رسولُ الله ﷺ لفاطمة: إن الله يرضى لرضاكِ ويغضب لغضبكِ.

[رواه الطبراني بإسناد حسن].

پندرھویں حدیث: سیدہ کی رضا میں رضاءِ الٰہی اور غضب میں غضبِ الٰہی

سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے غصہ کی وجہ سے غصہ فرماتا ہے اور تمہاری رضا کے باعث راضی ہوتا ہے''۔

اس کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سندِ حسن سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج١ ص٦٨ رقم ١٨٠، وج٩ ص٣٦٣ رقم ١٨٤٣٤، الذرية الطاهرة للدولابي ص١٢٠ رقم ٢٣٥، المستدرك للحاكم ج٣ ص١٥٣ رقم ٤٧٨٣، الأحاد والمثاني لابن أبي عاصم ج٥ ص٣٦٣ رقم ٢٩٥٩، شرف المصطفىٰ ج٥ ص٣٥٠ رقم ٢٣٠٨، ذخائر العقبىٰ ص٥٢، أسد الغابة في معرفة الصحابة ج٧ ص٢٤٢، الإصابة في تميز الصحابة ج٨ ص٢٦٥، تهذيب التهذيب ج١٠ ص٤٩٥ رقم الترجمة ٨٩٤٦، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٨، ٧٤ رقم ١١٨، ١١٩، ١٨٦، جمع الجوامع ج٩ ص١٧٥ رقم ٢٨٠٢٧، الثغور الباسمة ص٣٠ رقم ٤٢، در السحابة للشوكاني ص٢٧٧،)

مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کی سند حسن ہے اور حافظ ہیثمی نے بھی لکھا ہے: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٣ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٣٢٨ رقم ١٥٢٠٤)

سیدہ کی رضا میں رب کی رضا کیوں؟

بعض لوگوں کو اس حدیث کی سند میں کلام ہے لیکن اس کے مفہوم ومطلب پر کسی کو اعتراض ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس معنیٰ میں متعدد احادیثِ صحیحہ موجود ہیں۔ مثلاً ارشادِ نبوی ﷺ ہے: **''يغضبني مايغضبها ويبسطني مايبسطها''** (جو بات سیدہ کو غضب ناک کرتی ہے وہ مجھے غضب ناک کرتی ہے

اور جو بات انہیں خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے) جب سیدہ کا غصہ اور خوشی حضور ﷺ کا غصہ اور خوشی ہے تو حضور ﷺ کا غصہ اور خوشی خالقِ کائنات ﷻ کا غصہ اور خوشی ہے، اور زیرِ تشریح حدیث میں اس کے سوا اور کس چیز کا بیان ہے؟

یہ ایسی حقیقت ہے جس پر تمام اسلاف کرام کاربند رہے اور سیدہ کو خوش کرنے میں کوشاں رہے اور اُن کی ناراضگی سے اجتناب کرتے رہے اور امان مانگتے رہے، جیسا کہ ہم خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے واقعات بیان کر چکے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو حضور ﷺ کی بارگاہ میں رسائی کا آسان اور فوری قبولیت کا ذریعہ بھی سیدہ کی خوشنودی کو سمجھا اور بامراد ہوئے۔ اس حقیقت پر بھی ماضی بعید کے بہت سے شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن یہاں ہم اپنے دور کے مجھ ایسے مادہ پرست لوگوں کے سامنے ایک ایسے شخص کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو بڑے بڑے دنیوی مناصب پر فائز رہنے کے باوجود سیدہ کی وساطت سے اپنے مطلوب کو پانے میں بھی خاصا کامیاب رہا۔ اس سے میری مراد ماضی قریب میں بیوروکریٹ کی معروف شخصیت جناب قدرت اللہ شہاب ہیں۔ وہ اپنی آپ بیتی کے تسلسل میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"ایک بار میں کسی دور دراز علاقے میں گیا ہوا تھا، وہاں پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوسیدہ سی مسجد تھی۔ میں جمعہ کی نماز پڑھنے اس مسجد میں گیا، تو ایک نیم خواندہ سے مولوی صاحب اردو میں بے حد طویل خطبہ دے رہے تھے، ان کا خطبہ گزرے ہوئے زمانوں کی عجیب وغریب داستانوں سے اٹا اٹ بھرا ہوا تھا۔ کسی کہانی پر ہنسنے کو جی چاہتا تھا، کسی پر حیرت ہوتی تھی، لیکن انہوں نے ایک داستان کچھ ایسے انداز سے سنائی کہ تھوڑی سی رقت طاری کر کے وہ سیدھی میرے دل میں اُتر گئی یہ قصہ ایک باپ اور بیٹی کی باہمی محبت واحترام کا تھا، باپ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ حضور رسول کریم ﷺ جب اپنے صحابہ کرام کی کوئی درخواست یا فرمائش منظور نہ فرماتے

تھے، تو بڑے بڑے برگزیدہ صحابہ کرام بی بی فاطمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی منت کرتے تھے کہ وہ ان کی درخواست حضور ﷺ کی خدمت میں لے جائیں اور اسے منظور کروا لائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دل میں بیٹی کا اتنا پیار اور احترام تھا کہ اکثر اوقات جب بی بی فاطمہ ایسی کوئی درخواست یا فرمائش لے کر حاضر خدمت ہوتی تھیں تو حضور ﷺ خوش دلی سے اسے منظور فرما لیتے تھے۔ اس کہانی کو قبول کرنے کے لئے میرا دل بے اختیار آمادہ ہو گیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں اسی بوسیدہ سی مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتا رہا۔ کچھ نفل میں نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح مبارک کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھے، پھر میں نے پوری یکسوئی سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی: "یا اللہ میں نہیں جانتا کہ یہ داستان صحیح ہے یا غلط لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرے آخری رسول ﷺ کے دل میں اپنی بیٹی خاتونِ جنت کے لئے اس سے بھی زیادہ محبت اور عزت کا جذبہ موجزن ہوگا۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست اپنے والدِ گرامی ﷺ کے حضور میں پیش کر کے منظور کروا لیں۔ درخواست یہ ہے کہ اللہ کی راہ کا متلاشی ہوں، سیدھے سادھے مروّجہ راستوں پر چلنے کی سکت نہیں رکھتا، اگر سلسلہ اویسیہ واقعی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اللہ کی اجازت سے مجھے اس سلسلہ سے استفادہ کرنے کی ترکیب اور توفیق عطا فرمائی جائے"۔

اس بات کا میں نے اپنے گھر میں یا باہر کسی سے ذکر تک نہ کیا، چھ سات ہفتے گزر گئے اور میں اس واقعہ کو بھول بھال گیا، پھر اچانک سات سمندر پار کی میری ایک جرمن بھابھی کا ایک عجیب خط موصول ہوا، وہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی پابندِ صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں، انہوں نے لکھا تھا:

The other night I had the good fortune to see "Fatimah"daughter of the Holy prophet (peace be upon him) in my dream.She talked to me most graciously and said "Tell your brother in-law Qudrat ullah Shahab,that I have submitted his request to my exalted Father who has very kindly accepted it".

اگلی رات میں نے خوش قسمتی سے فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا انہوں نے میرے ساتھ نہایت تواضع اور شفقت سے باتیں کیں اور فرمایا کہ اپنے دیور قدرت اللہ شہاب کو بتادو کہ میں نے اس کی درخواست اپنے برگزیدہ والد گرامی ﷺ کی خدمت میں پیش کردی تھی، انہوں نے ازراہ نوازش اسے منظور فرمالیا ہے۔

یہ خط پڑھتے ہی میرے ہوش وحواس پر خوشی اور حیرت کی دیوانگی سی طاری ہوگئی مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے بلکہ ہوا میں چل رہے ہیں، یہ تصور کہ اس برگزیدہ محفل میں ان باپ بیٹی کے درمیان میرا ذکر ہوا، میرے روئیں روئیں پر ایک تیز وتند نشے کی طرح چھا جاتا تھا، کیسا عظیم باپ ﷺ! کیسی عظیم بیٹی! دو تین دن میں اپنے کمرے میں بند ہو کر دیوانوں کی طرح اس مصرعہ کی مجسم صورت بنا بیٹھا رہا: ع

"مجھ سے بہتر ذکر میرا ہے کہ اس محفل میں ہے"۔

(شہاب نامہ ص ۱۱۸۰ تا ۱۱۸۲)

یہ عمل ہمارے بعض احباب نے بھی آزمایا ہے اور تیر بہدف پایا ہے۔

الحديث السادس عشر

سيدة نساء أهل الجنة:

عن فاطمة الزهراء قالت: قال لي رسول الله ﷺ: يافاطمة! أما ترضين أن تأتي يوم القيامة سيدة نساء المؤمنين؟

[رواه الديلمي].

سولھویں حدیث: سیدہ کی خواتینِ مومنین پر سیادت

سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے فاطمہ! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ قیامت کے دن مومنین کی خواتین کی سردار کے طور پر آئیں گی؟

اس کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

میدانِ محشر میں سیدہ کی سیادت

آخرت میں سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو اہلِ جنت خواتین پر جو سیادت حاصل ہوگی اُس کا ذکر کتب صحاح اور معتبر مسانید میں بہ کثرت آیا ہے، نہ معلوم ان تمام کتابوں کو چھوڑ کر مصنف رحمہ اللہ کی نظر انتخاب امام دیلمی کی کتاب پر کیوں جا پہنچی؟ شاید مصنف کے نزدیک اس سے بالخصوص سیدہ کی اُس شان کا اظہار مقصود ہو جو انہیں میدانِ محشر میں حاصل ہوگی۔ ورنہ جنت میں جو سیدہ کو سیادت حاصل ہوگی اُس کا ذکر تو آگے متن میں صحاح و مسانیدِ معتبرہ سے آ رہا ہے۔

اس حدیث کا معنی و مفہوم بالکل بے غبار ہے اور یقیناً قیامت کے دن سیدۂ کائنات علیہا السلام اسی شان سے آئیں گی، تاہم تاحال یہ حدیث مجھے "مسند الفردوس" میں نہیں مل سکی۔

الحديث السابع عشر:

استجابتهاللّٰه ورسوله

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال عليه الصلوٰة والسلام: يافاطمة! اشتري من اللّٰه ولو بشقِ تمرة. [رواه الديلمي].

سترھویں حدیث: سیدہ کی بارگاہِ خدائی ومصطفائی میں مقبولیت

حضرت ابوھریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ سے سودا طے کرلو، اگرچہ کھجور کے آدھے ٹکڑے کے عوض۔ اس کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "مسند الفردوس للديلمي" میں ہمیں یہ حدیث نہیں ملی، البتہ اسی مفہوم میں دوسرے الفاظ کے ساتھ ایک اور حدیث ملی ہے اور وہ آگے متن میں ۲۱ ویں نمبر پر آرہی ہے، لہٰذا اِس حدیث کی تشریح بھی وہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحديث الثامن عشر:

صبرهاعلى مرارة الدنيا

عن جابر بن عبد اللّٰه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: يافاطمة اصبري على مرارة الدنيا. [رواه ابن لال في المكارم].

اٹھارھویں حدیث: دنیا کی تلخیوں پر سیدہ کا صبر

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! دنیا کی تلخیوں پر صبر کرنا۔ اس کو ابن لال نے مکارم میں روایت کیا ہے۔

آخرت کے لیے دنیا میں صبر

مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کا دوسرا جملہ رہ گیا ہے، پوری حدیث یوں ہے:

یافاطمة اصبري علی مرارة الدنیالنعیم الآخرة غداً.

''اے فاطمہ! کل آخرت کی نعمتوں کے لیے دنیا کی تلخیوں پر صبر کرو''۔

(مسند الفردوس ج۵ ص۴۳۵ رقم ۸۶۶۰)

ابھی بھی یہ حدیث مختصر ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو امام عسکری، ابن مردویہ، ابن لال اور ابن النجار سے اس کی شان ورود کے ساتھ یوں روایت کیا ہے:

عن جابر أن رسول اللہ ﷺ رأی علیٰ فاطمة کساء من أوبار الإبل وھي تطحن فبکیٰ وقال: یافاطمة اصبري علیٰ مرارة الدنیالنعیم الآخرة غداً، ونزلت ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾.

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کو دیکھا تو اُن کے جسم اقدس پر اونٹ کی اون کا لباس تھا اور وہ چکی پیس رہی تھیں، اس پر آپ رو پڑے اور فرمایا: ''اے فاطمہ! کل آخرت کی نعمتوں کے لیے دنیا کی تلخیوں پر صبر کرو، اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿اور آپ کا رب عنقریب آپ کو عطا فرمائے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے﴾''۔

(مسند فاطمة الزھراء للسیوطي ص ٦٢ رقم ١٤٦، الدر المنثور للسیوطي ج٨ ص ٥٤٣، کتاب المعجم لابن الإعرابي ج١ ص ٢٤٢ رقن ٤٤٥، روح المعاني ج١٦ جز ٣٢ ص ٢٨٨)

فقر و فاقہ ہو، یا افلاس و تنگدستی بلاشبہ جس قدر دنیا کی مصیبتیں اور تلخیاں اہل بیت کرام علیہم السلام پر آئیں اتنا کسی دوسرے انسان پر نہیں آئیں، اور جس طرح مصائب و آلام پر اہل بیت کرام نے صبر فرمایا اتنا کسی دوسرے کے بس کی بات ہی نہیں۔ سیدۂ کائنات علیہا السلام کے صبر کی تو حد ہی نہیں۔ اُن پر دنیا میں ہی روشن ہو گیا تھا کہ اُن کے شوہر، اُن کے لختِ جگر اور کنبہ کے دوسرے افراد بڑی بے دردی سے قتل کیے جائیں

گے لیکن کبھی وہ بارگاہِ الٰہی میں شکوہ کناں نہیں ہوئیں، شکوہ تو کیا انہوں نے ان مصائب کے ٹل جانے کی دعا حتیٰ کہ آرزو تک نہیں فرمائی۔ یاد رہے کہ دوسرے حضرات کے شہید ہونے کی پیش گوئی بھی احادیث میں آئی ہے لیکن قبل از وقت کسی کے شہید ہونے کی ایسی منظر کشی نہیں فرمائی گئی جیسی اہل بیت کرام علیہم السلام کے بارے میں فرمائی گئی۔

پھر وصالِ نبوی ﷺ کی صورت میں سیدہ پر جو غم واندوہ کے پہاڑ نازل ہوئے اور اُس پر انہوں نے جو صبر فرمایا، کیا کوئی مخلوق اُس مصیبت اور اُس پر صبر کا اندازہ کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے خود ہی فرمایا تھا:

صُبَّتْ عَلَيَّ مصائبٌ لو أنها

صُبّت على الأيام عُدْنَ لَيَالِيَا

''مجھ پر جو مصائب آپڑے اگر وہ دنوں پر آتے تو وہ راتوں سے بدل جاتے''۔

(الوفا بأحوال المصطفىٰ لابن الجوزي ص ۸۱۹ رقم ۱۵۳۸، عيون الأثر لابن سيد الناس ص ۴۵۱، جامع الآثار للدمشقي ص ۶۰۵)

الحديث التاسع عشر:

حسن اختيار الزوج لها

عن عكرمة قال: قال رسول الله ﷺ: يافاطمة! إني ما ألَيْتُ أن أنكحتكِ خير أهلي. [رواه ابن سعد عنه مرسلاً].

انیسویں حدیث: سیدہ کے لیے اچھے شوہر کا انتخاب

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس بات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ تمہارا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین شخص کے ساتھ کروں۔ اس کو امام ابن سعد نے عکرمہ سے مرسلاً

روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ایک مفصل حدیث کے آخری حصے کا ایک جملہ ہے، اور وہ مکمل حدیث اس سے قبل متن میں آچکی ہے، اور ہم اس کی تشریح میں "سیدہ کے شوہر سب سے بہتر" کے عنوان سے سیدہ کے شوہر علیہ السلام کی افضلیت پر مختصر کلام کر چکے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ابن سعد نے ذکر کیا ہے اور یہ مرسل ہے، یعنی اس کی سند میں اُس صحابی کا ذکر نہیں ہے جس سے عکرمہ نے یہ حدیث سنی تھی۔ بلاشبہ ابن سعد کی سند مرسل ہے لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی سند متصل ہے، چنانچہ اُس میں ہے کہ عکرمہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٥٣ رقم ٨٤٥٦ وطبعة أخرى ج٥ ص ١٤٤ رقم ٨١٠٥، خصائص علي بتحقيق الطهطاوي ص١٦٣ رقم ١٢٥، وبتحقيق البلوشي ص١٣٨ رقم ١٢٥)

یہ حدیث حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بھی روایت کی ہے اور اُس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ ہیں:

انكحتك أحب أهل بيتي إليَّ.

"میں نے تمہارا نکاح اپنے اہل بیت کے محبوب ترین شخص سے کیا ہے"۔

اور یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

أما أني لم آلك أن انكحتك أحب أهلي إليَّ.

"میں نے کوئی کمی نہیں کی کہ تیرا نکاح اپنے اہل بیت کے محبوب ترین شخص سے کروں"۔

اس حدیث کو امام نسائی، امام احمد، امام عبدالرزاق الصنعانی، امام حاکم، امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٥٢ رقم ٨٤٥٥ وطبعة أخرى ج٥ ص١٤٣ رقم ٨٥٠٩، خصائص علي بتحقيق البلوشي ص١٣٧ رقم ١٢٤، خصائص علي بتحقيق محمود الكاظم ص رقم، خصائص علي بتحقيق الطهطاوي ص١٦٢ رقم ١٢٤، فضائل الصحابة ج٢ ص

٩٥٤ رقم ١٣٤٢، المصنف لعبد الرزاق ج٥ ص ٣٢٨ رقم (٢٧٣٢) ٩٨٤٤، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٨ رقم ٤٨٠٦، المعجم الكبير ج٢٤ ص ٣٦، تاريخ دمشق ج٤٢ ص ١٣٣، مختصر تاريخ دمشق ج١٧ ص ٣٤١، مجمع الزوائد ج٩ ص ٢١٠ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص ٣٣٧ رقم ١٥٢١٦)

حضرت ابن عباس ﷺ سے ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ کے رونے پر انہیں فرمایا:

ما یبکیک؟ فما ألوتک في نفسي، وقد طلبت لک خیر أهلي، والذي نفسي بیده لقد زوجتکه سعیداً في الدنیا، وإنه في الآخرة لمن الصالحین.

"تمہیں کیا چیز رلاتی ہے، میں نے تو اپنے نزدیک کوئی کمی نہیں کی اور میں نے تمہارے لیے اپنے اہل بیت کے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے تمہارا نکاح دنیا میں سعادت مند شخص کے ساتھ کیا ہے اور وہ آخرت میں صالحین سے ہے"۔

(المصنف لعبد الرزاق ج٥ ص ٣٤٠ رقم (٢٧٣٣) ٩٨٤٥، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٥١ رقم ٦٨)

منبع افضلیت اہل بیت یا غیر اہل بیت

اہل بیت کرام علیہم السلام میں سے جب بھی کسی کی کوئی ایسی شان سامنے آتی ہے جس سے اُس کی دوسرے مسلمانوں پر برتری ظاہر ہوتی ہو تو کچھ لوگ فوراً یہ بات لکھ دیتے یا کہہ دیتے ہیں کہ اُن کی یہ افضلیت فقط اہل بیت میں ہے اور اس سے فلاں فلاں حضرات مستثنیٰ ہیں۔ اللہ ﷻ اس بات کا شاہد ہے کہ جب میرا یہ موضوع نہیں تھا اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی کچھ تحریر کرنے کی اہلیت تھی، فقط جمعہ کی تقریر تیار کرنے کے لیے مطالعہ کرتا اور اس قسم کی تاویل میرے سامنے آتی تو میں مرعوب تو ہو جاتا لیکن مطمئن کبھی

نہ ہوتا، مگر اب مجھ پر روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہوگیا ہے کہ یہ تاویلات جس کسی نے بھی کی ہیں فاسد و باطل تاویلات ہیں۔ اس لیے کہ منبع و مصدرِ فضیلت اہل بیت ہیں، غیر اہل بیت نہیں۔

اس قسم کی تاویلات اُن لوگوں کے نزدیک انتہائی ضروری سمجھی جاتی ہیں جو ترتیب افضلیت کو ترتیب خلافت کے مطابق لازم گردانتے ہیں، اسی لیے ان لوگوں کو خصوصاً سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت و خصوصیت پر ایسی تاویلات فوراً یاد آجاتی ہیں۔ لیکن متعدد احادیث کے الفاظ ایسی تاویلات کو قبول نہیں کرتے۔ مثلاً ابو اسحاق سے ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کے شکوہ پر فرمایا:

لقد زوجتكه وإنه لأول أصحابي سلماً، وأكثرهم علماً وأعظمهم حلماً.

''یقیناً میں نے تمہارا نکاح اپنے صحابہ میں اسلام کے لحاظ سے اول، علم کے لحاظ سے اکثر اور حلم کے لحاظ سے اعظم شخص کے ساتھ کیا ہے''۔

(المصنف لعبد الرزاق ج ٥ ص ٣٤١ رقم (٢٧٣٤) ٩٨٤٦، المعجم الكبير ج ١ ص ٥٧ رقم ١٥٤، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٥١ رقم ٦٨)

حافظ ھیثمی نے لکھا ہے: اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل صحیح السند حدیث ہے۔

(مجمع الزوائد ج ٩ ص ١٠٢ وطبعة أخرى ج ٩ ص ١٢٣ رقم ١٤٥٩٦)

اس حدیث میں مولیٰ علی علیہ السلام کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسلام، علم اور وقار میں مقدم فرمایا ہے اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے منقول ایک متصل حدیث میں ان ہی باتوں میں پوری امت سے افضل فرمایا ہے، اور وہ حدیث اس سے قبل نقل ہو چکی ہے۔ امام سیوطی نے ایسی ایک حدیث خطیب بغدادی کی ''المتفق والمفترق'' سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

(مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٦٣ رقم ١٥٢)

بناتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شوہر کس کا افضل؟

سیدہ زینب بنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوہر تو دیر سے مسلمان ہوئے تھے اس لیے اُن کے ساتھ تقابل کا تو سوچا ہی نہیں جاسکتا البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری دو بیٹیاں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے

شوہر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے اور ہر چند کہ وہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کافی عرصہ بعد مسلمان ہوئے تھے تاہم السابقون الأولون میں سے تھے، اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق تفاضل وتقابل کی بات ہوتی تھی، حتیٰ کہ صحابہ کرام کی ازواج رضی اللہ عنہن میں بھی اپنے اپنے شوہروں کی افضلیت کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ یہ احساس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ ام کلثوم علیہا السلام کے دل میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ!

زوج فاطمة خير من زوجي، فأسكت رسولُ اللّٰه ﷺ مليًّا، ثم قال: زوجكِ يحبه اللّٰه ورسوله ويحب الله ورسوله، وأزيدك، لو قد دخلتِ الجنة فرأيت منزله لم تري أحداً من أصحابي يعلوه في منزلته.

''فاطمہ کا شوہر میرے شوہر سے بہتر ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: تمہارے شوہر کو اللہ اور اُس کا رسول محبوب رکھتے ہیں اور وہ اللہ اور اُس کے رسول کو محبوب رکھتے ہیں، اور مزید یہ کہ اگر تم جنت میں داخل ہوئی پھر تم نے اُس کی منزل کو دیکھا تو تم میرے کسی صحابی کو اس کی منزل میں اتنا بلند نہیں دیکھو گی''۔

(المعجم الأوسط ج٢ ص٤٥٤ رقم ١٧٨٥، مجمع البحرين في زوائد المعجمين للهيثمي ج٣ ص٣٦٨ رقم ٣٦٧٠، مختصر تاريخ دمشق ج١٦ ص١٢١، ١٢٢، مسند فاطمة الزهراء ص٦٢، ٦٣ رقم ١٤٨، ١٤٩)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

''اس کو امام طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور ان کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، اور اُن میں کلام بھی ہے''۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٨٨ وطبعة أخرى ج٩ ص١٠٠ رقم ١٤٥٣٢)

اہل عقل وعلم غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خاموشی اختیار فرمائی ہے اور پھر کیسے مناسب

جواب سے اپنی لختِ جگر کو خوش فرمادیا۔ ابن عساکر میں تو ہے کہ حضور ﷺ جواب کا پہلا حصہ جب ادا فرما چکے اور سیدہ ام کلثوم چلی گئیں تو حضور ﷺ نے انہیں آواز لگا کر واپس بلایا اور جنت کے محل کی بات ارشاد فرمائی۔ اگر سیدنا عثمان غنی سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہوتے تو حضور ﷺ قطعاً خاموش نہ رہتے، اس لیے کہ نبی کو ناجائز بات پر خاموش رہنا جائز نہیں۔ چنانچہ دسویں حدیث کے تحت آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب ایک شب نبی کریم ﷺ نے امام حسین سے قبل امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام کو دودھ پیش کیا اور اس پر سیدہ بول اٹھیں: ''گویا آپ کو یہ اُس سے زیادہ محبوب ہے'' تو آپ نے فوراً فرمایا: لا نہیں! لیکن اِس نے اُس سے پہلے مانگا تھا۔ معلوم ہوا کہ سیدہ ام کلثوم کے احساس پر جو آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی وہ معنیٰ خیز ہے۔ آخر کیوں نہ خاموشی اختیار فرماتے جبکہ سیدہ کائنات کے نکاح کے موقعہ پر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ اور پوری امت سے اسلام، علم اور حلم میں افضل فرما چکے تھے۔

اس حقیقت کو ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ کی شادی حضرت علی علیہما السلام کے ساتھ کردی تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا:

یارسول اللّٰہ زوّجتني من رجل فقیر لیس له شيء، فقال النبي ﷺ: أما ترضین أن اللّٰہ اختار من أهل الأرض رجلین أحدهما أبوکِ والآخر زوجک.

''یارسول اللہ! آپ نے میری شادی ایک فقیر شخص کے ساتھ کردی ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز بھی نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ اللہ عزوجل نے اہلِ زمین سے دو شخصوں کو منتخب فرمایا ہے، ایک اُن میں سے آپ کا بابا ہے اور دوسرا آپ کا شوہر ہے''۔

(المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۷۷ رقم ۱۰۹۹۰، ۱۰۹۹۱)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

''یہ حدیث امام طبرانی نے ابراہیم بن حجاج از عبدالرزاق روایت کی ہے، ذہبی کہتے ہیں: یہ ابراہیم غیر معروف ہے، اور اس کے باقی راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، اور امام طبرانی نے اس کو ایک اور ضعیف سند سے بھی روایت کیا ہے''۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص۱۱۲ وطبعة أخرى ج۹ ص۱۴۳، ۱۴۴ رقم ۱۴۶۵۹)

امام سیوطی نے اس حدیث کو خطیب بغدادی سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

(تاریخ بغداد ج ٤ ص ٤١٨، مسند فاطمة الزهراء ص ٦٣ رقم ١٥١)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ کے لیے رفیقِ حیات کے انتخاب میں نبی کریم ﷺ نے واقعی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، عمر کی باہمی مناسبت، نسب کی برتری، اسلام، علم اور حلم کونسی ایسی خوبی ہے، جس میں علی مرتضیٰ علیہ السلام سب پر فائق نہ ہوں؟ ماسوا مال و دولت کے۔ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ بالکل بجا ہے کہ اہل زمین سے دو ہستیاں منتخب ہیں ایک زہرا کے بابا دوسرے اُن کے شوہر دلربا۔ غالباً حضرت علامہ سید پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے۔

ہیں مرتضیٰ! ترے شوہر تو مصطفیٰ بابا
زہے یہ اوج وشرفِ عزّ وجاہ یا زہراؑ
ہیں جن کے نور سے امت کے روز وشب روشن
حسنؑ حسینؑ تیرے مہر وماہ یا زہراؑ

(متاع زیست ص ٤٩)

الحديث العشرون: متابعتها بالتوجيه النبي الكريم ﷺ

عن أبي هريرة رضي الله عنه عليه الصلوٰة والسلام، أنه قال: يافاطمة! مالي لا أسمعكِ بالغداة والعشي تقولين: يَاحَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ، أَصْلِحْ لِي

شَأْنِي كُلَّهُ، وَلَا تَكِلْنِي إِلَىٰ نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ.

[رواه الخطيب].

بیسویں حدیث: نبی کریم ﷺ کا انہیں اپنے مولیٰ کی طرف مائل کرنا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا وجہ ہے کہ ہم تمہیں صبح وشام یہ ورد کرتے ہوئے نہیں سنتے: اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے! میں تیری رحمت کی محتاج ہوں، تو کلی طور پر میری اصلاح فرما اور پلک جھپکنے جتنی دیر بھی مجھے میرے حال پر نہ چھوڑ۔

اس حدیث کو خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ج۸ص۴۸رقم ۴۱۰۶ جمع الجوامع ج۹ص ۱۷۴ رقم ۲۸۰۲۱، مسند فاطمة الزهراء ص ۲۴ رقم۳)

نوٹ

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور متعدد کتب میں موجود ہے، اور متن میں آگے ۲۳ ویں نمبر پر آرہی ہے، لہٰذا اس کی مکمل تخریج، تحقیق اور تشریح وہیں کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحديث الحادي والعشرون: دعوتها إلى تحمل المسئولية

عن أبي هريرة عنه عليه الصلوٰة والسلام قال: يافاطمة بنت محمد، اشتري نفسك من النار، فإني لا أملك لك من الله شيئاً.

[رواه البيهقي].

اکیسویں حدیث: سیدہ کو جوابدہی کے لیے تیار کرنا

حضرت ابوھریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، بیشک میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

(شعب الإيمان ج٣ص٢٢٨رقم١٤٠١، جمع الجوامع ج٩ص١٧٤رقم٢٨٠٢٥، مسند فاطمة الزهراء ص٩٩رقم٢٦٦)

کیا قرابتِ نبوی ﷺ کا فائدہ ہوگا؟

یہ ایک حدیث شریف کا پہلا جملہ ہے، آگے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب اور حضور ﷺ کی محبوبہ زوجہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کو بھی اسی طرح فرمایا گیا ہے۔ بعض احادیث میں ایسی تلقین تمام قریش اور اولادِ عبدالمطلب ﷺ کو فرمائی گئی ہے اور آخر میں سیدہ فاطمہ کو فرمایا گیا ہے:

> يا فاطمة بنت محمد! أنقذي نفسك من النار، فإني لا أملك لكم من الله شيئاً.
>
> ”اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، بیشک میں تمہارے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا“۔

(صحيح مسلم ص١٠٨رقم٥٠١، مسند أحمد ج٢ص٣٣٣وطبعة أخرىٰ ج٣ص٢٧٦رقم ٨٣٨٣، الأدب المفرد رقم ٤٨)

علاوہ ازیں حضور ﷺ کے قرابت داروں کو بہت سی احادیث میں ایسا واضح اور دوٹوک انداز میں خطاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی قرابت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی ان حضرات کو قرابتِ نبوی ﷺ سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا؟ جواباً عرض ہے کہ اگر انسان ان

احادیث کے ان ہی جملوں تک محدود رہے اور اگلے استثنائی جملوں سے نگاہیں پھیر لے اور دوسری احادیث کو سامنے رکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے تو پھر تو یہی سمجھ آتا ہے کہ قرابتِ نبوی ﷺ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور بہت سے منفی ذہنیت کے لوگوں کا وطیرہ ہی یہی ہے کہ وہ آیات واحادیث کے ایسے ہی جملوں تک محدود رہتے ہیں، نہ آگے بڑھتے ہیں اور نہ آگے پڑھتے ہیں۔ مثلاً وہ اتنا تو پڑھتے ہیں: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ'' (کون ہے جو اُس کی بارگاہ میں سفارش کر سکے) اور آگے ''اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' (مگر اُس کی اجازت سے) [البقرة: ٢٥٥] نہیں پڑھتے۔ وہ یہ تو پڑھتے ہیں: ''قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا'' (آپ فرمایئے: میں اپنے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں) لیکن آگے ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' (مگر جو اللہ چاہے) [الأعراف: ١٨٨] نہیں پڑھتے۔ یہ تو بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' (نماز کے قریب نہ جاؤ) کی رٹ لگاتا رہے اور آگے ''وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى'' (جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو) [النساء: ٤٣] کو نہ پڑھے۔

ایسی ہی صورتِ حال ان احادیث کی ہے، اگر کوئی شخص ان احادیث کے ان ہی جملوں تک محدود رہے اور تقریر وتحریر میں کہتا رہے کہ پاک پیغمبر نے اپنی بیٹی تک کو فرما دیا تھا:

یا فاطمة بنت محمد! أنقذي نفسک من النار، فإني لا أملک لکم من الله شیئاً.

''اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، بیشک میں تمہارے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا''۔

تو کون شخص اُس کی زبان وقلم کو پکڑ سکتا ہے؟ بلکہ اگر وہ چاہے تو یہاں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ لگا سکتا ہے، مثلاً جامع ترمذی کے یہ الفاظ فٹ کر سکتا ہے:

یا فاطمة بنت محمد! أنقذي نفسک من النار، فإني لا أملک لکِ ضراً ولا نفعاً.

''اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، بیشک میں تمہارے لیے کسی نفع

ونقصان کا مالک نہیں ہوں''۔

(جامع الترمذي ص ۷۲۳ رقم ۳۱۸۵)

لیکن اگر اگلے الفاظ پڑھے جائیں تو نرے منفی رجحان کی کمر ٹوٹ جائے گی، اور وہ الفاظ یہ ہیں:

غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا.

''ماسوا اس کے کہ تمہارے لیے صلہ رحمی ہے، جس کی طراوت میں عنقریب پہنچاؤں گا''۔

وہ طراوت کیا ہوگی؟ اس کی توضیح دوسری احادیث میں یوں آئی ہے:

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرمارہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قیامت کے دن اُن کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی، کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میری قرابت دنیا اور آخرت میں متصل ہے اور اے لوگو! جب تم آؤ گے تو میں حوض پر تمہارے آرام کے لیے موجود ہوں گا''۔

(مسند أحمد ج ۳ ص ۱۸، ۶۲ وطبعة أخرىٰ ج ٤ ص ٥٠، ١٥٦ رقم ١١١٥٥، ١١٦١٢، مسند أبي داود الطيالسي ص ٢٩٤ رقم ٢٢٢١، وطبعة أخرىٰ ج ٢ ص ٥٩٢ رقم ٢٣٣٥، مسند أبي يعلىٰ ج ١ ص ٥٢٣ رقم ١٢٣٣، المستدرك للحاكم ج ٤ ص ٧٤ وطبعة أخرىٰ ج ٥ ص ١٠١ رقم ٧٠٤١، إتحاف الخيرة المهرة ج ٥ ص ٤٧٧ رقم ٥٠٤١، كشف الأستار ج ٣ ص ١٥٣ رقم ٢٤٥٧، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج ١ ص ٤١١)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، پھر قریش میں سے جو ان سے زیادہ قریب ہیں، اور پھر اُن کی جو اُن سے زیادہ قریب ہیں، پھر انصار کی شفاعت کروں گا، پھر اُن کی جو یمن میں سے مجھ پر ایمان لائے اور میری اتباع کی، پھر باقی عرب کی، پھر عجمیوں کی، اور میں جن کی پہلے

شفاعت کروں گا وہی افضل ہیں"۔

(المعجم الكبير ج٦ ص٢٤٢ رقم١٣٣٧٤، أطراف الغرائب والأفراد للدار قطني ج١ ص ٥٥٣ رقم٣١٧٦، الكامل لابن عدي ج٣ ص ٢٧٣، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٣٨٠، ٣٨١، وطبعة أخرىٰ ج ١٠ ص ٦٩١ رقم ١٨٥٣٨، الفردوس بمأثور الخطاب ص ٢٣ رقم ٢٩، وطبعة أخرىٰ ج١ ص ٥٤ رقم٢٨، الجامع الصغير ص ٢١٠ رقم ٢٨٣٠، جمع الجوامع ج٣ ص ٢٧٠ رقم ٨٧٧٤، استجلاب ارتقاء الغرف ج١ ص ٤٧٢ رقم ٢٠٨، الصواعق المحرقة ص ١٦٠، ١٨٦، جواهر العقدين ص ٢٩٢، العلم الظاهر في نفع النسب الطاهر لابن عابدين الشامي ص ٤، در السحابة للشوكاني ص ٢٦٨)

امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، لیکن مؤخر الذکر سے اس حدیث کا آخری جملہ رہ گیا ہے۔ وہ "**المعجم الكبير**" میں یوں ہے:

وأول من أشفع له أولوا الفضل.

"اور میں جن کی پہلے شفاعت کروں گا وہ فضیلت والے ہیں"۔

اور دوسری کتب میں اس جملہ کے الفاظ یوں ہیں:

ومن أشفع له أولاً أفضل.

"اور میں جن کی پہلے شفاعت کروں گا وہ افضل ہیں"۔

(فتاوی رضویہ ج٢٣ ص ٢٣٢، تبیان القرآن ج٤ ص ٤٦٤)

اس حدیث کی سند میں حفص بن سلیمان ہیں اور ان پر شدید جرح کی گئی ہے، لہٰذا ہم اس کا تحقیقی جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

حفص بن سلیمان کی طرف کذب کی نسبت کا جائزہ

امام حفص بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ: ان کو ابن ابی داود بھی کہا جاتا ہے، یہ کوفی ہیں، امام عاصم کے سوتیلے بیٹے ہیں، اُن کے عظیم شاگرد ہیں اور علم قراءت کے عظیم امام ہیں۔ ان سے کافی احادیث مروی ہیں،

امام احمد، امام ترمذی، امام دار قطنی اور دوسرے محدثین کرام نے ان سے حدیث لی ہے۔ شیخین کریمین کے فضائل، قرآن کریم کے فضائل اور دوسرے موضاعات میں ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ زیارتِ روضۂ نبویہ علیٰ صاحبھا الصلاۃ والتسلیم کے بارے میں حسب ذیل مشہور حدیث کے راویوں میں بھی ان کا نام آتا ہے:

من حج فزار قبري بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي.

"جس نے حج کیا پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے میری حیات میں میری زیارت کی"۔

(سنن الدارقطني ج٢ ص ٢٧٩ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص ٢٤٤ رقم ٢٦٦٧، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٥ ص ٢٤٦ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ٤٠٢ رقم ١٠٢٧٤)

لیکن محدث ابن خراش نے ان کو کذاب اور حدیث گھڑنے والا کہا ہے اور کچھ محدثین نے ان کو متروک قرار دیا ہے۔

(تهذيب التهذيب ج٢ ص ٣٦٥)

یہ دو الزام یا عیب ہیں: [١] کذاب ہونا [٢] متروک ہونا۔

اصل الزام یا عیب تو کذب ہی ہے، کیونکہ جو کذاب ہو وہ از خود متروک ہو جاتا ہے، لیکن ہم الگ الگ ان دونوں باتوں کا جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جس حدیث کی سند میں بھی ان کا نام آیا ہے، آج کل کے لکھاری نے جھٹ پٹ کہہ دیا ہے: اس کی سند میں حفص بن سلیمان ہے اور وہ کذاب، متروک اور واضع حدیث ہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

١۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک متروک نہیں ہیں، کیونکہ امام ترمذی، امام دار قطنی، امام بیہقی اور دوسرے محدثین نے ان سے حدیث لی ہے، اور چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے متروک ہونے پر سب جمع نہ ہو جائیں اُس کی حدیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال يعقوب: وقال لي أحمد: مذهبي في الرجال أني لا أترک حديث محدث حتى يجتمع أهل مصر على ترک حديثه.

''محدث یعقوب بیان کرتے ہیں: مجھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: راویانِ حدیث میں میرا مذہب یہ ہے کہ میں کسی راوی کی حدیث کو ترک نہیں کرتا جب تک کہ شہر کے تمام لوگ اس کی حدیث کے ترک پر جمع نہ ہوں''۔

(تهذيب التهذيب ج ٤ ص ٤٥٢)

امام ابن الصلاح اور دوسرے علماءِ اصولِ حدیث نے لکھا ہے کہ مشہور محدث احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(الشذا الفياح من علوم ابن الصلاح للأبناسي ج ١ ص ٢٧٠، فتح المغيث للسخاوي ج ١ ص ٣٩٨، الرفع والتكميل ص ١٤٠)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال النسائي: لايترک الرجل عندي حتىٰ يجتمع الجميع على تركه، فأما إذا وثقه ابن مهدي، وضعفه يحيى القطان مثلاً، فإنه لايترک لما عرف من تشديد يحيى، ومن هو مثله في النقد.

''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے مذہب کے مطابق کسی راوی کو اس وقت تک ترک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ سب اس کے ترک پر جمع نہ ہوں۔ مثال کے طور پر کسی راوی کو ابن مہدی ثقہ قرار دیں اور یحیٰ القطان اسے ضعیف قرار دیں تو اسے ترک نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یحیٰ کی شدت معروف ہے، اور یہی حکم اُن ناقدین کے بارے میں ہے جو اُن کی طرح تنقید میں سخت ہیں''۔

(زهر الربىٰ على المجتبىٰ للسيوطي ج ١ ص ٤)

اس قاعدہ کی رو سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا اِن کو جھٹ پٹ متروک قرار دینا غیر درست ہے۔

۲۔ رہا ابن خراش کا انہیں کذاب اور واضع (حدیث گھڑنے والا) کہنا تو اس کے لیے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ خود ابن خراش کون ہے اور اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابن خراش کا نام عبدالرحمان بن یوسف ہے۔

(شفاء السقام ص ۱۲۲)

امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کنیت ابو محمد لکھی ہے اور اس کا نام عبدالرحمان بن یوسف بن سعید بن خراش لکھا ہے، اس شخص نے حدیث کے لیے انتہائی طویل سفر کیے، حتیٰ کہ کئی بار اس کو دوران سفر حرام چیزیں تک کھانا پینا پڑ گئیں، یہ بڑا حافظ الحدیث تھا لیکن رافضی تھا، اس نے شیخین کریمین ﷺ کی برائی میں دو حصوں میں ایک کتاب لکھی تھی، اس پر اس کو بعض لوگوں نے دو ہزار درہم انعام دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک حجرہ تعمیر کرائے اور اس میں بیٹھ کر حدیث کا درس دے لیکن جب حجرہ تعمیر ہو گیا تو یہ مر گیا۔ یہ مرسل احادیث کو متصل اور موقوف کو مرفوع ظاہر کرتا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا ہے:

قلتُ: هذا معثر مخذول، كان علمه وبالاً، وسعيه ضلالاً، نعوذ بالله من الشقاء.

''میں کہتا ہوں: یہ پھسلا ہوا، رسوا شخص تھا، اس کا علم اُس پر وبال ہے اور اُس کی کوشش رائیگاں ہے، ہم بدبختی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں''۔

(سير أعلام النبلاء للذهبي ج ۱۱ ص ۵۸، ميزان الاعتدال ج ٤ ص ۳۳۰، لسان الميزان للعسقلاني ج ٤ ص ۳۲۳)

ایک اور مقام پر علامہ ذھبی نے اس کی قابلیت و تجربہ اور اس کے دور دراز کے سفر کے تذکرہ کے بعد اس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تیری اس محنت کا کیا فائدہ؟ اور مزید لکھا ہے:

فانتَ زنديق معاند للحق فلا رضي الله عنک. مات ابن خراش إلىٰ غير رحمة الله، سنة ثلاث وثمانين ومائتين.

''تو زندیق ہے، حق کا مخالف ہے، اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی نہیں ہے۔ ابن خراش ۲۸۳ھ میں مر گیا اور اللہ کی رحمت کی طرف نہیں گیا''۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۸٦)

خود سوچئے کہ جس شخص کی اپنی یہ حالت ہو تو دوسرے شخص کے بارے میں اُس کے قول کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ اس کے برعکس امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا حفص بن سلیمان کے بارے میں یہ موقف ہے:

قال حنبل بن إسحاق عن أحمد: مابه بأس.

''حنبل بن اسحاق نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں''۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص۳۲۰، معرفة القراء الكبار للذهبي ١٤١، تهذيب التهذيب ج۲ ص ۳٦٥، شفاء السقام في زيارة خير الأنام ص ١٢٤، وفاء الوفا للسمهودي ج٤ ص ٤٤٥)

حافظ ہیثمی حدیث "من حج فزار قبري......" کے تحت لکھتے ہیں:

فيه حفص بن أبي داود القاري، وثقه أحمد، وضعّفه جماعة من الأئمة.

''اس میں حفص بن ابی داود القاری ہے، امام احمد نے اس کی توثیق فرمائی ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے''۔

(مجمع الزوائد ج٤ ص٦٦٦ رقم ٥٨٤٣)

خیال رہے کہ ائمہ حدیث کا ان کو ضعیف کہنا یا بعض محدثین کا ان کو متروک قرار دینا سراسر زیادتی نہیں، کیونکہ حدیث کے معاملہ میں ان کی پوزیشن مضبوط نہیں تھی، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کذاب تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ یہ علم قراءت میں مشغول تھے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وأقرأ الناسَ مدةً، وكان ثبتاً في القراءة واهياً في الحديث، لأنه كان لايتقن الحديث ويتقن القرآن ويجوّده، وإلا فهو في نفسه صادق.

''انہوں نے مدت تک لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی، وہ قراءت میں مضبوط اور حدیث میں کمزور تھے، اس لیے کہ انہوں نے حدیث میں خوب توجہ نہیں کی اور قرآن میں

خوب توجہ فرمائی اور اسے عمدہ بنایا، ورنہ فی نفسہٖ وہ صادق تھے"۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص۳۱۹)

امام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ابن خراش کے قول کولغو قرار دیا ہے پھر آگے امام ذھبی کی یہی عبارت نقل فرمائی ہے۔

(شفاء السقام ص۱۲۲)

اللہ تعالیٰ نے ان کی قراءت کو بہت مقبولیت عطا فرمائی، حتیٰ کہ اب تک دنیا میں جو قرآن کریم لکھے ہوئے ہیں وہ ان کی قراءت کے مطابق ہیں اور پورے عالم اسلام میں ان کی قراءت مروج ہے۔ مولانا قاری محمد طاہر رحیمی لکھتے ہیں:

"گو اس وقت دس قراءتیں مشہور و متواتر اور بالکل صحیح امت کے پاس موجود ہیں، اور سبعہ (سات قراءات) کے خلاف تو کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا اور ان میں سے مکہ اور مدینہ (حجاز) والوں کی قراءت خالص قریشی ہونے کی وجہ سے زیادہ امتیاز رکھتی ہے، لیکن اس پر بھی یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب اور مدارس میں حفص ہی کی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اور ایک ہزار حافظوں میں نوسو ننانوے [۹۹۹] کو یہی ایک روایت یاد ہے، اور ایسا کوئی بھی نہ نکلے گا جس کو یہ روایت یاد نہ ہو اور دوسری یاد ہو۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ"۔

(کشف النظر ج۱ ص۳۴۳)

یہ انتہائی اہم بات ہے کہ ایک ہزار قاریوں میں سے [۹۹۹] نوسو ننانوے قاری ان کی قراءت کے مطابق پڑھتے ہیں۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی کہ اس قدر مقبولیت کا سبب کیا ہوگا؟ لیکن یہ حیرت اُس وقت اطمینان میں بدل گئی جب امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت سامنے آئی:

وكانت القراءة التي أخذها عن عاصم ترتفع إلى علي رضي الله عنه.

"انہوں نے حضرت عاصم سے جو قراءت حاصل کی وہ مولیٰ علی ؑ تک پہنچتی ہے"۔

(معرفة القراء الكبار ص ١٤١)

یعنی یہ مقبولیت "أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" کے ارشاد کی عملی تکمیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم میں انہماک اور استغراق کی وجہ سے علم حدیث کی طرف مکمل توجہ نہیں دے سکے، اس لحاظ سے انہیں علم حدیث میں ضعیف تو کہا جاسکتا ہے مگر کذاب نہیں کہا جاسکتا۔ سو جب اُن سے کذب وغیرہ کا الزام ساقط ہوگیا تو ان سے مروی دونوں احادیث "من حج فزار قبري...." اور "أول من أشفع......" سے موضوع اور "ضَعِيفٌ جِدًّا" کا حکم بھی ساقط ہوگیا۔

حیرت ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "اللآلي المصنوعة" میں اس حدیث پر حکم لگانے میں ابن جوزی کی تائید کر بیٹھے اور امام حفص بن سلیمان کو متہم قرار دے دیا، حالانکہ وہ اس حدیث کو اپنی اُس مشہور کتاب "الجامع الصغیر" میں بھی نقل کر چکے ہیں جس کے مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے:

وصنته عما تفرد به وضاع أو كذاب.

"اور میں نے اس کتاب کو اُس حدیث سے محفوظ رکھا ہے جس کی سند میں کوئی حدیث گھڑنے والا یا جھوٹا شخص ہو"۔

(مقدمة: الجامع الصغير ص ٧)

یقیناً یہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے۔

پھر اس حدیث کے کافی شواہد بھی ہیں، مثلاً اہل بیت کی پہلے شفاعت کرنے کے متعلق مسلم کی حدیث اور مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری ﷺ کی حدیث ہے جنہیں ہم اس حدیث سے قبل ذکر کر چکے ہیں۔ نیز ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي.

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے بہتر ہوں"۔

(جامع الترمذي ص ٨٧٨، رقم ٣٨٩٥)

اس حدیث کی روشنی میں ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت فرمائیں، اور ایک حدیث میں اس حقیقت کی تصریح بھی آئی ہے۔ چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا معشر بني هاشم او الذي بعثني بالحق، لو اخذت بحلقة باب الجنة مابدأت إلا بكم.

"اے بنو ھاشم کی جماعت! اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر میں نے جنت کے دروازے کی کنڈی کو تھاما تو آغاز تم سے ہی کروں گا"۔

(فضائل الصحابة ج۲ ص۷۶۷ رقم۱۰۵۸، استجلاب ارتقاء الغرف ج۲ ص۴۶۹ رقم۲۰۶، الصواعق المحرقة ص۱۶۰)

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(الشريعة للآجري ج۵ ص۲۲۸۰ رقم۱۷۶۵، تعلیقات: استجلاب ج۲ ص۴۷۰)

بعض حضرات نے اس حدیث کو شدید ضعیف کہا ہے لیکن اوپر والی صحیح حدیث "خیرکم......" سے اس کے مفہوم کی مکمل تائید ہوتی ہے، لہٰذا سند کا ضعف اسے مضر نہیں۔ نیز گزشتہ سطور میں حدیث نمبر ۸ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کو قرابتِ نبوی ﷺ کا بھرپور فائدہ حاصل ہوگا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں کیوں فرمایا کہ تم اپنی فکر کرو میں تمہارے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے تاکہ وہ حضرات عمل میں مزید کوشش فرمائیں اور اُن کا معاملہ بیم ورجاء کے درمیان رہے، اور یہی ایک روحانی مربّی کی تربیت کا کمال ہوتا ہے کہ اُس کے تربیت یافتہ لوگوں کا اُن کے پروردگار کے ساتھ معاملہ خوف وامّید کے مابین رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دنیا میں قطعی جنتی قرار دیا گیا تھا اُن کی سیرت سے بھی بے پروائی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ شیخین کریمین، سیدنا ذی النورین اور دوسرے تمام بشارت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کیجئے آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو

جائے گی۔ بلاشبہ ایسے ہی قدسی صفات حضرات کے بارے میں آیا ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ.

”اُن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف و امید سے پکارتے ہیں اور ہم نے جو انہیں رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں“۔

(الٓمٓ السجدة:١٦)

دیکھئے! حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں رفاقت مانگی تھی تو آپ نے اُن کی درخواست کو قبول فرمایا تھا لیکن ساتھ ہی فرمایا تھا ”فَأَعِنِّيْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ“ (خود کو سجدوں کی کثرت میں رکھتے ہوئے میری مدد کرو)۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی قطعی جنتی ہو یا اہل جنت کا سردار ہو، کمال یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کے ساتھ تعلق بندگی قائم رکھے۔

الحديث الثاني والعشرون:

الثناء على زوجها

عن ابن مسعود قال: أصابت فاطمة صبيحة العرس رِعدَة، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: يافاطمة! زوجك سيد في الدنيا، وإنه في الآخرة لمن الصالحين.

بائیسویں حدیث: سیدہ کے شوہر کی تعریف

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ کو شادی والے دن صبح کو کپکپی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: اے فاطمہ! تمہارا شوہر دنیا میں سید ہے اور وہ آخرت میں صالحین سے ہے۔

(الفردوس بمأثور الخطاب ج٥ ص٤٣٤ رقم ٨٦٥٧)

”**الفردوس بمأثور الخطاب**“ میں یہ حدیث اس سے آگے بھی ہے لیکن اس کے متن سے لگتا

ہے کہ یہ موضوع ہے، واللہ اعلم۔ تاہم جو کچھ اس جملہ میں بیان ہوا وہ حق ہے، بلاشبہ سیدنا علی علیہ السلام دنیا اور آخرت دونوں میں سید ہیں اور صالحین سے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث میں یہی ارشاد منقول ہے، اور وہ حدیث مفصلاً اس سے قبل متن میں آچکی ہے، اُس کے آخر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کے رونے پر انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

ما يبكيك؟ فما ألوتك في نفسي، وقد أصبتک لک خير أهلي، والذي نفسي بيده لقد زوجتک سيداً في الدنيا وإنه في الآخرة لمن الصالحين.

''کیوں روتی ہو؟ میں نے تو اپنے طور پر کوئی کمی نہیں کی، اور میں نے تمہارے لیے اپنے اہل بیت کے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے تمہارا نکاح دنیا میں سردار شخص کے ساتھ کیا ہے اور وہ آخرت میں صالحین سے ہے''۔

(المعجم الكبير ج٩ ص٣٦٨، ٣٦٩ رقم ١٨٤٥٥، المصنف لعبدالرزاق ج٥ ص٣٣٧ رقم (٢٧٣٢) ٩٨٤٤، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٨ وطبعة أخرىٰ ج ٩ ص٣٣٢ رقم ١٥٢١٣، جامع الآثار في السير ومولد المختار صلی اللہ علیہ وسلم ج٣ ص٤٨٨)

فائدہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سیادت پر سیر حاصل اور مدلل گفتگو کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''شرح أسنى المطالب في مناقب سيدنا علي بن ابی طالب رضی اللہ عنہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

سیدہ کے فضائل میں مرتضیٰ کی تعریف کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدتنا فاطمہ زہراء کے فضائل میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف کیوں؟ اس لیے کہ اِن میں سے ہر ایک کی فضیلت دوسرے کی فضیلت ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام سیدنا علی علیہ السلام

کے فضائل وخصائص میں سیدہ کے فضائل لاتے ہیں جیسا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اور سیدہ کے فضائل میں مولیٰ علی علیہما السلام کے فضائل لاتے ہیں جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ اگر شوہر کی فضیلت زوجہ کے لیے وجہِ افتخار نہ ہوتی تو سیدہ ام کلثوم بنتِ رسول اپنے بابا کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت لے کر کیوں آتیں کہ اُن کے شوہر سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شوہر افضل ہے؟ اور اگر بیوی کی فضیلت شوہر کے لیے باعث افتخار وفضیلت نہ ہوتی تو حضرت عمر بن خطاب، ابن عمر، سعد بن ابی وقاص اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی علیہ السلام پر کیوں رشک کرتے کہ اُن کے نکاح میں سیدہ فاطمہ آئیں؟

الحديث الثالث والعشرون: الحرص علىٰ تعلقها بربها والالتجاء إليه

عن أنس عنه عليه الصلوٰة والسلام: يا فاطمةُ! مايمنعك أن تسمعي ماأوصيك به أن تقولي: يَا حيُّ يا قَيُّوْمُ برحمَتك أستغيثُ، فلا تكلني إلى نفسي طرفَةَ عَيْنٍ، وأصلح لي شأني كُلَّه.

[رواه البيهقي وابن عدي].

تیئسویں حدیث: سیدہ کو اُن کے رب کی طرف متوجہ کرنے میں اہتمامِ نبوی ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا وجہ ہے کہ صبح وشام ہمیں تمہاری یہ آواز سننے میں نہیں آرہی: "يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ أَسْتَغِيْثُ، فَلَا تَكِلْنِيْ إِلىٰ نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ".

اس کو امام بیہقی اور امام ابن عدی نے روایت کیا ہے۔

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج١٣ ص٤٩ رقم٦٣٦٨، عمل اليوم والليلة لابن السني

ص ٢٢ رقم ٤٨، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٩ ص ٢١١، ٢١٢ رقم ١٠٣٣٠، الأسماء والصفات للبيهقي ج١ ص ١٩٢، المستدرك للحاكم ج١ ص ٥٤٥ رقم ٢٠٤٤، شعب الإيمان للبيهقي ج١ ص ٤٧٦ رقم ٤٦٠، ٤٦١، الفردوس بمأثور الخطاب ج٥ ص ٤٣٣ رقم ٨٦٥٣، الأحاديث المختارة لضياء المقدسي ج٦ ص ٣٠٠، ٣٠١، ٣٠٢ رقم ٢٣١٩، ٢٣٢٠، ٢٣٢١، ٢٣٢٢، كشف الأستار عن زوائد البزار ج٤ ص ٢٥ رقم ٣١٠٧، مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج٢ ص ٤١٦ رقم ٢١٢١، نتائج الأفكار ج٢ ص ٤٠٧، ٤٠٨)

بندہ اپنے رب کا کب محتاج ہوتا ہے اور کب نہیں؟

اس حدیث کے ان الفاظ میں غور فرمایئے "فَلَا تَكِلْنِي إِلَىٰ نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ" کہ (پلک جھپکنے کے برابر بھی مجھے میرے حال پر نہ چھوڑنا) ایسا کیوں عرض کیا؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ "رب" ہے، اور رب تربیت کرنے والے، دیکھ بھال کرنے والے اور سنبھالنے والے کو کہتے ہیں، اور پوری کائنات کو سنبھالنے والی ذات اللہ ﷻ کی ذات ہے۔ اسی لیے اُس نے قرآن میں اپنے تعارف میں پہلے مقام پر بھی "رب العالمین" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور پہلی وحی میں بھی۔ ماں باپ کو بھی قرآن کریم میں اسی لیے رب کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بچے کی تربیت کرتے ہیں، نگہداشت رکھتے ہیں اور اسے سنبھالتے ہیں۔ اگر ماں باپ بچے کو اُس کے بچپن میں اُس کے حال پر چھوڑ دیں جبکہ وہ پیشاب وغیرہ نہ خود کر سکتا ہے اور نہ اُن سے بچ سکتا ہے، دھوپ وسایہ سے نہ بچ سکتا ہے اور نہ ہی اُن سے از خود فائدہ اٹھا سکتا ہے، اُسے یہ تمیز بھی نہیں ہوتی کہ اُس نے کیا کھانا ہے اور کیا نہیں، کس چیز کو ہاتھ لگانا ہے اور کس کو نہیں۔ بلیڈ، چاقو، چھری، سانپ اور بچھو وغیرہ کے نفع وضرر کی اُسے کوئی تمیز نہیں ہوتی اور ایک خاص مدت تک ہر نفع کے حصول اور ہر ضرر سے محفوظ رہنے میں وہ کلیۃً اپنے تربیت کرنے والوں کا محتاج ہوتا ہے۔ خود سوچئے اگر اس حال میں ماں باپ بچے کو اُس کے حال پر چھوڑ دیں تو کیا وہ از خود اپنے آپ کو چلا سکے گا؟

پھر ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کی تربیت کرنے والے (نعوذ باللہ من ذلک الوقت) ہی اس کے محتاج ہو جاتے ہیں، کیونکہ اُس وقت وہ دونوں رب بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں، اُن کی جسمانی قوت

جواب دے چکی ہوتی ہے، وہ کمائی کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اگر وہ اپنی جوانی میں کمائے ہوئے مال کو محفوظ بھی رکھے ہوئے ہوں تب بھی مال کی فراوانی کے باوجود بڑھاپا اور بیماری تو آ ہی جاتے ہیں، جبکہ اُس وقت یہ جوان ہوتا ہے اور ماں باپ کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اس گبھرو کو فرمایا گیا:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا.

''اور جھکا دے اُن کے لیے تواضع وانکسار کے پر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرا ے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے (رحم کرتے ہوئے) میری تربیت کی تھی جب میں بچہ تھا''۔

(بني إسرائيل: ٢٤)

یہ وہ مجازی رب ہیں جو اپنی جوانی میں اپنی اولاد کے حق میں رب ہوتے ہیں اور اولاد اُن کی محتاج ہوتی ہے اور پھر بڑھاپے میں یہ اُسی اولاد کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ بتلایئے! کیا حقیقی رب ﷻ بھی ایسا ہی رب ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! وہ ''اَلْآنَ كَمَا كَانَ'' (اب بھی ایسا ہے جیسا تھا) وہ غنی حمید ہے، وہ ہر عاجزی سے پاک اور بے نیاز ہے، اور بندہ فقط اپنے بچپن میں اُس کا محتاج نہیں بلکہ ہر حال میں، ہر دور میں اور ہر عالم میں اُس کا محتاج ہے، اسی لیے میرے آقا ﷺ نے اپنی لختِ جگر کو فرمایا تھا: بیٹی! ہر صبح وشام کو اُس بے نیاز کی بارگاہ میں یوں عرض کیا کرو:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ، فَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهٗ.

''اے از خود زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، لہٰذا تو مجھے پلک جھپکتے جتنی دیر بھی میرے حال پر نہ چھوڑ، اور میرے حال کی مکمل اصلاح فرما''۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ بھی ہر صبح وشام نہ صرف یہ کہ یہ الفاظ ادا کیا کریں بلکہ ان کے مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا کریں۔

الحديث الرابع و العشرون:

حسن لقاء الرسول ﷺ لها

عن أم سلمة قالت: بينا رسول الله ﷺ في بيتي إذ قال الخادم: إن عليًا وفاطمة بالباب فقال: قومي فتنحي عن أهل بيتي، فدخل عليّ وفاطمة ومعهما الحسن والحسين، فأخذ الصبيين فوضعهما في حجره، واعتنق عليها بإحدى يديه، وفاطمة بالأخرى فقبل فاطمة وقبل عليًا.

[رواه أحمد وغيره].

چوبیسویں حدیث: نبی کریم ﷺ کا سیدہ سے ملنے کا شفقت بھرا انداز

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں جلوہ افروز تھے کہ خادم نے آ کر کہا: دروازے پر علی اور فاطمہ آئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اٹھ کر میرے اہل بیت سے الگ ہو جاؤ، پس حضرت علی اور سیدہ فاطمہ اندر آئیں اور اُن کے ساتھ حسن اور حسین بھی تھے، نبی کریم ﷺ نے بچوں کو پکڑ کر اپنی گود میں بٹھایا اور ایک بازو سے سیدنا علی کو پہلو میں لیا اور دوسرے بازو سے سیدہ فاطمہ کو پہلو میں لیا، پھر سیدہ فاطمہ کو چوما اور حضرت علی کو چوما۔

اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج٦ ص٢٩٦، ٣٠٥ وطبعة أخرىٰ ج٨ص ٥٩٤، ٦١٢ رقم ٢٧٠٧٥، ٢٧١٣٥، فضائل الصحابة ج٢ ص ٧٢٠ رقم ٩٨٦، الكنىٰ والألقاب للدولابي ج٣ ص١٠٣٦ رقم ١٨١٨، ١٨٢٠، الذرية الطاهرة للدولابي ص١٠٨ رقم ٢٠٣، ذخائر العقبىٰ ص ٣٢)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس کے باعث چند اہم جملے اُن سے رہ گئے۔ مثلاً ایک جملہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ آپ ذرا ہٹ جائیں تو ام المومنین فرماتی ہیں:

فتنحيتُ في البيت قريباً.

''تو میں گھر میں قریب ہی الگ ہو بیٹھی''۔

دوسرا جملہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بچوں کو اپنی گود میں بٹھایا ''**فَقَبَّلَهُمَا**'' (تو انہیں چوما) اس جملہ کے رہ جانے سے ذوق کی تسکین ہی رہ جاتی ہے، اس لیے کہ چومے جانے کے زیادہ حقدار تو بچے ہوتے ہیں، ہر چند کہ علی و فاطمہ بھی مصطفےٰ کریم ﷺ کے سامنے بچے ہی تھے لیکن یہ بات تو فطرت کے ہی خلاف ہے کہ داماد اور بیٹی کو تو چوما جائے مگر اُن کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے۔

تیسرا جملہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بچوں کو اپنی آغوش میں بٹھایا اور علی و فاطمہ علیہم السلام کو اپنے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگایا اور انہیں چوما:

فاغدق عليهم خميصة سوداء، فقال: اللّٰهم إليک لا إلى النار أنا و أهل بيتي.

''تو اُن پر ایک کالی چادر ڈال کر عرض کیا: اے اللہ! میں اور میرے اہل بیت تیری طرف ہیں آگ کی طرف نہیں''۔

اس جملہ پر سیدہ ام سلمہ پکار اٹھیں:

وأنا يا رسول اللّٰه؟ فقال: وأنتِ.

''یارسول اللہ! میں بھی؟ فرمایا: اور تم بھی''۔

(مسند أحمد ج٦ ص٢٩٦ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٥٩٤ رقم ٢٧٠٧٥، الذرية الطاهرة ص ١٠٩ رقم ٢٠٣)

داماد، بیٹی اور نواسوں پر شفقتِ کا نبوی انداز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نواسے، نواسیاں اور پوتے پوتیاں کم عمر ہوں تو انہیں گود میں لینا اور انہیں چومنا سنت ہے، اسی طرح کسی شخص کا اپنے داماد اور بیٹی سے معانقہ کرنا اور انہیں چومنا بھی سنت ہے۔ لہٰذا جو بزرگ لوگ فطری طور پر پہلے سے ہی اپنے داماد، بیٹی، نواسوں اور پوتوں سے ایسی ہی شفقت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ یہ شفقت سنت کی نیت سے فرمایا کریں۔

اپنے گھر والوں کے لیے اجتماعی دعا کا طریقہ

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی دور و نزدیک کے سب بچے اور داماد وغیرہ گھر میں جمع ہو جائیں تو ایسی دعا بھی کرنا چاہیے کہ "یا اللہ تو ہمیں اپنا بنالے اور جہنم سے بچالے"۔ اس سے بچوں کی تربیت ہوگی، وہ رب تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے اور چونکہ گھر کا ایسا ماحول ریاکاری سے یکسر پاک ہوتا ہے اس لیے اخلاص کی بدولت دعا قبول بھی ہوگی۔

چار نفوسِ مقدسہ کا مخصوص ہونا

اوپر ہم نے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے جو متروک جملے پیش کیے ہیں اُن میں سے پہلے جملہ کو آخری جملہ سے ملا کر غور فرمائیں تو واضح ہوگا کہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا چادر میں داخل نہیں تھیں مگر دعا میں داخل تھیں۔ اس سے واضح ہوا کہ چادر والے مخصوص ہیں، ہر چند کہ قرآن کریم کی رو سے امہات المومنین اہل بیت میں شامل ہیں لیکن جو شان اِن چار نفوس مقدسہ کو حاصل ہے اُس میں اُن کا کوئی شریک نہیں۔

چادر تطہیر میں فقط چار لیے گئے

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے اور بھی کئی مقامات پر ان ہی چار نفوس کو جمع کیا اور انہیں مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ان ہی ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"فرماتی ہیں: میں اپنے گھر میں تھی کہ سیدہ فاطمہ ایک برتن میں خزیرہ (گوشت کو باریک کاٹ کر پانی اور نمک میں گلایا جائے پھر اُس پر باریک آٹا چھڑک کر پکایا جائے

تو وہ خزیرہ ہے) لے کر آئیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں، آپ نے فرمایا: اپنے شوہر اور بچوں کو بلاؤ، پس حضرت علی اور حسن وحسین آئے، پھر بیٹھ کر وہ خزیرہ کھانے لگے، حضور ﷺ اُس وقت اپنے چبوترہ کی آرام گاہ میں تھے، آپ کے نیچے ایک خیبری چادر بچھی ہوئی تھی اور میں اپنے حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الأحزاب: ۳۳) فرماتی ہیں: اس پر حضور ﷺ نے چادر کا بقیہ حصہ لے کر انہیں اڑھا دیا پھر ایک ہاتھ نکال کر آسماں کی طرف بلند کیا اور دعا فرمائی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور یہ میرے خاص ہیں ان سے ہر عیب دار چیز کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے خاص ہیں ان سے ہر عیب دار چیز کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے خاص ہیں ان سے ہر عیب دار چیز کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے۔ فرماتی ہیں: میں نے گھر میں سر داخل کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ اور میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ فرمایا: تم خیر کی جانب ہو، تم خیر کی جانب ہو"۔

(مسند أحمد ج٦ ص ٢٩٢، ٢٩٨، ٣٠٤، ٣٢٣ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص ٥٨٤ رقم ٢٧٠٤١، وص ٥٩٧ رقم ٢٧٠٨٥، وص ٦١١ رقم ٢٧١٣٢، البيان والتعريف ص ١٥٧ رقم ٤٠٣، مجمع الزوائد ج٩ ص ١٦٦ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص ٢٦٢ رقم ١٤٩٦٩، جامع الترمذي ص ٨٧٤ رقم ٣٨٧١، المستدرك ج٢ ص ٤١٥ وطبعة أخرىٰ ج٣ ص ١٩٠ رقم ٣٦١١ وج٣ ص ١٤٦ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ١٢٦ رقم ٤٧٥٩)

ا۔ بعض احادیث میں فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:
وأنا منهم، قال: لا، وأنت علىٰ خير.

''اور میں بھی ان میں سے ہوں، فرمایا: نہیں، اور تم خیر پر ہو''۔

(مسند أبي يعلى الموصلي ج٦ ص ٧٣ رقم٦٥٢ ٨وطبعة أخرىٰ ج١٢ ص٣١٣ رقم٦٨٨٨)

٢۔ بعض احادیث میں فرماتی ہیں:

فرفعت الكساء لأدخل معهم، فجذبه من يدي، وقال: إنك علىٰ خير.

''میں نے چادر اٹھائی تا کہ اُن کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو نبی کریم ﷺ نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی اور فرمایا: تم بھلائی پر ہو''۔

(مسند أحمد ج٦ ص ٣٢٣ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٦٤٩ رقم٢٧٢٨٢، فضائل الصحابة ج ٢ ص٧٤٥ رقم١٠٢٩، مسند أبي يعلىٰ ج ٦ ص٨٦ رقم٦٨٧٦، وص١٢٣ رقم٦٩٩١، وطبعة أخرىٰ ج١٢ ص٢٦ ٧٠ وص٣٤٤ رقم٦٩١٢، المعجم الكبير ج١٠ ص٨٨ رقم ١٩٢٣١، الذرية الطاهرة للدولابي ص١٠٨ رقم٢٠٢)

٣۔ بعض احادیث میں فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی:

يارسول الله، أدخِلني معهم، قال: إنك من أهلي.

''یارسول اللہ! مجھے بھی اُن کے ساتھ داخل فرمائیے، فرمایا: تم میرے اہل بیت سے ہو''۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص٧٣ رقم١٩١٧٤)

٤۔ بعض احادیث میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

وأنامعهم يارسول الله؟ قال: أنت زوج النبي، وإليَّ أو علىٰ خير.

''یارسول اللہ! اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم نبی کی زوجہ ہو، اور میری طرف ہو یا خیر پر ہو''۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص٦٠ رقم١٩١٠٦)

٥۔ بعض احادیث میں ام المومنین کے الفاظ ہیں:

يارسول الله أنامن أهل البيت، قال: إن شاء الله.

''یارسول اللہ! میں اہل بیت سے ہوں، فرمایا: ان شاء اللہ''۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ٦٢ رقم ١٩١٢١)

٦۔ بعض احادیث میں ہے کہ ام المومنین نے عرض کیا:

یارسول اللّٰہ! ألست من أهلک؟ قال: بلیٰ، فأدخلي في الكساء، قالت: فدخلت في الكساء بعد ما قضیٰ دعاءہ لابن عمه علي وابنيه وابنته فاطمة رضي اللّٰہ عنهم.

''یارسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل بیت سے نہیں ہوں؟ فرمایا: کیوں نہیں، چادر میں داخل ہو جاؤ، فرماتی ہیں: میں چادر میں داخل ہو گئی، بعد اس کے کہ حضور ﷺ اپنے چچازاد علی، اپنے دونوں بیٹوں اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں دعا مانگ چکے تھے''۔

(مسند أحمد ج ٦ ص ٢٩٨ وطبعة أخریٰ ج ٨ ص ٥٩٧، ٥٩٨ رقم ٢٧٠٨٥)

بہ ظاہر ان احادیث میں تعارض (ٹکراؤ) معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ اول الذکر چار احادیث میں ام المومنین کے الفاظ "مِنهُمْ" اور "مَعَهُمْ" سے ہیں، یعنی میں ان میں سے ہوں، میں ان کے ساتھ ہوں۔ ان الفاظ کے جواب میں نفی ہے، اور بعد والی احادیث میں ہے کہ کیا میں آپ کے اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو ان الفاظ کا جواب اثبات میں ہے۔ پانچویں حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بیوی کو طلاق ہو جائے تو وہ انسان کے اہل بیت سے نہیں رہتی۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، اُن سے سوال ہوا:

مَنْ أهل بيته؟ نساءہ؟ قال: لا، وأيم اللّٰہ إن المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر، ثم يطلقها فترجع إلیٰ أبيها وقومها، أهل بيته أصله، وعصبته الذين حرموا الصدقة بعده.

''حضور ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں؟ انہوں نے کہا: نہیں، اللہ

کی قسم! عورت ایک مدت تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے پھر وہ اُسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے باپ اور قوم کی طرف لوٹ جاتی ہے، حضور ﷺ کے اہل بیت آپ کی اصل اور آپ کے ددھیالی رشتہ دار ہیں، جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے"۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶۱ رقم ۶۲۲۸، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۹۹ رقم ۴۸۸۶)

اس سے حضرت زید بن ارقم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ حقیقی اہل بیت یہ حضرات ہیں، ورنہ کتاب وسنت کی روشنی میں ازواج بھی انسان کے اہل بیت سے ہوتی ہیں، اگرچہ عارضی ہونے کا خطرہ اُن کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ اسی بات کو دوسری حدیث میں حضرت زید بن ارقم ﷺ نے خود بھی بیان کیا ہے، اُن سے دریافت کیا گیا:

یا زید أليس نساء ہ من أهل بيته؟ قال: نساء ہ من أهل بيته، ولكن أهل بيته من حرم الصدقة بعده، قال: ومن هم؟ قال: هم آل علي، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل عباس، قال: كل هؤلاء حرم الصدقة؟ قال: نعم.

"اے زید کیا حضور ﷺ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے نہیں؟ انہوں نے فرمایا: آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں، لیکن آپ کے (حقیقی اور نسبی) اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے، سائل نے عرض کیا: کون ہیں وہ؟ فرمایا: حضرات علی، عقیل، جعفر طیار اور عباس ﷺ کی اولاد۔ سائل نے کہا: ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں"۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶۱ رقم ۶۲۲۵، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۹۹، ۳۰۰ رقم ۴۸۸۸)

اگر اس حدیث کے ابتدائی حصے کو اس کے متعدد الفاظ کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو پھر حقیقی اہل بیت اہل کساء ہی بنتے ہیں، کیونکہ ابتدائی حصہ میں ارشاد ہے: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں: کتابِ الٰہی اور اپنے اہل بیت، اور یہ دونوں چیزیں قیامت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ نہ امہات ہمیشہ رہیں اور نہ کسی صحابی سے کوئی دوسرا اصحابی بن سکا، البتہ حضور ﷺ کا خون، آپ کی ذریت

اور آپ کا ہاشمی خانوادہ مسلسل چل رہا ہے، اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ آخر میں جو ہستی پوری دنیا کو قرآن کے مطابق چلائے گی اور قرآن اور وہ اکٹھے ہوں گے وہ ہستی بضعہ مصطفیٰ جگر گوشہ زھراء امام مھدی علیہ السلام کی ذات پاک ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اہل بیت کے دامن میں بلاشبہ ازواج مقدسہ اور دوسرے حضرات بھی آتے ہیں اور لفظ آل اِس سے بھی وسیع ہے لیکن اصل آل اور حقیقی اہل بیت وہ ہستیاں ہیں جنہیں آقا نے فقط ساتھ بٹھا کر دعا نہیں فرمائی بلکہ پہلے انہیں چادر میں لیا اور کسی دوسرے انسان کو اندر نہ آنے دیا اور پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یہ ہیں میرے اہل بیت اور یہ ہیں میرے خاص۔

مباہلہ کے لیے فقط چار لیے گئے

نبی کریم ﷺ نے جس طرح چادر تطہیر میں اپنے ساتھ چار کو لیا اسی طرح جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو اُس وقت بھی نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھ انہیں چار نفوسِ مقدسہ کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لما نزلت هذه الآية "ندع ابناء نا وابناء كم" دعا رسولُ اللّٰه علياً و فاطمةَ وحسناً وحسيناً فقال: اللّٰهم هؤلاءِ أهلي.

"جب یہ آیت نازل ہوئی "ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو" تو نبی کریم ﷺ نے حضرات علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، پھر عرض کیا: اے اللہ! یہ میرے اہل (بیت) ہیں"۔

(صحيح مسلم رقم المسلسل ٦٢٢٠، الجمع بين الصحيحين ج١ ص١٩٧ رقم ٢٠٨، مسند أحمد ج١ ص١٨٥ رقم ١٦٠٨، سنن الترمذي رقم ٢٩٩٩، ٣٧٢٤، المستدرك للحاكم ج ٣ ص١٤٩ رقم ٤٧٧٣، معرفة علوم الحديث للحاكم ص ٥٠، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج ٧ ص ٦٣ رقم ١٣٣٩٢، إعتقاد أهل السنة للالكائي ج٢ ص٣٠٨ رقم ٢٦٣٤، مختصر تاريخ دمشق ج٧ ص ١٢٣، عن علي وج١٧ ص ٣٠٠، ٣٣٢، مصابيح السنة ج٤ ص١٨٣ رقم ٤٧٩٥، مشكاة رقم ٦١٣٥، الشفا، ج٢ ص ٦٠٦ و طبعة أخرىٰ ص ٢٨٠، جلاء الأفهام ص ٢٩٩،

سير أعلام النبلاء للذهبي (سيرة) ص ٦٢٠، الإصابة ج٤ ص٤٦٨، الفتح المبين لابن زيني دحلان مكي ص٢٤٨، جواهر العقدين ص ١٩٥، فتح القدير للشوكاني ج١ ص٣٩٩)

وقتاً فوقتاً چار نفوس کو ہی چادر میں لینا

ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان چار نفوس مقدسہ کو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع کر رکھا تھا کہ آیت تطہیر نازل ہوگئی تو حضور ﷺ نے ان کو چادر میں لے لیا، یہ نزول آیت کا موقعہ تھا لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ کے علاوہ بھی لوگوں کو باور کرانے کے لیے نبی کریم ﷺ ان نفوس مقدسہ پر چادر ڈال لیتے اور ان کے حق میں دعا فرماتے یا آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو اُس وقت آپ کے جسم اقدس پر کالے بالوں سے بُنی ہوئی ایک چادر تھی اور اُس پر اونٹ کے پالان کے نشان تھے، پس حضرت حسن آئے تو آپ نے انہیں اُس میں لے لیا، پھر حسین آئے تو انہیں بھی داخل فرمالیا، پھر فاطمہ آئیں تو انہیں بھی داخل فرمالیا، پھر علی آئے تو انہیں بھی داخل فرمالیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ''إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا''۔

(صحيح مسلم ص١٠٦٧ رقم٦٢٦١، مسند إسحاق بن راهويه ج٣ ص٦٧٨ رقم١٢٧١، المصنف لابن أبي شيبة ج١٧ ص١١٧ رقم٣٢٧٦٥، الجمع بين الصحيحين ج٤ ص٢٢٥ رقم ٣٤٣٥، المستدرك ج٣ ص١٤٦ وطبعة أخرى ج٤ ص١٢٧ رقم ٤٧٦١، جامع المسانيد لابن الجوزي ج٨ ص١٣٧ رقم ٧٢٠٠)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فرق ملحوظ رہے، سیدہ ام سلمہ کی حدیث میں ہے کہ اُن کے گھر میں آیت اتری، اور اُس میں ہے کہ چادر کا وہ حصہ ڈالا گیا جو حضور ﷺ کے نیچے بچھا ہوا تھا، اور دعا مانگ رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی، جبکہ ام المومنین سیدہ عائشہ کی

حدیث میں ہے حضور ﷺ نے چادر اوڑھ رکھی تھی اور گھر سے باہر نکلے تھے اور ایک ایک کر کے یہ نفوس آتے گئے تو حضور انہیں چادر میں داخل فرماتے گئے اور آخر میں آیت پڑھی۔

اسی طرح یہ حدیث حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اُس میں یہ بات ظاہر ہے کہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی مگر حضور ﷺ نے پھر بھی ان نفوس مقدسہ پر چادر ڈال کر دعا مانگی۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ابو عمار شداد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک قوم وہاں موجود تھی جو سیدنا علی پر سب وشتم کر رہی تھی تو میں بھی اُن کے ساتھ سب وشتم کرنے لگا، پھر جب وہ لوگ چلے گئے تو حضرت واثلہ نے مجھ سے دریافت فرمایا: تم کیوں اس شخص کو برا کہہ رہے تھے؟ میں نے کہا: میں نے دیکھا کہ قوم انہیں برا کہہ رہی ہے تو میں بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا۔ فرمایا: کیا میں تمہیں اُس واقعہ سے آگاہ نہ کروں جو میں نے بارگاہِ نبوی میں خود مشاہدہ کیا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا: ایک مرتبہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گئے ہوئے ہیں، میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا حتی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے، آپ نے ان دونوں کو اپنے مقدس ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا، آپ اندر تشریف لائے تو حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو قریب کر کے اُنہیں اپنے آگے بٹھایا اور حسنین کریمین کو اپنی رانوں پر بٹھایا پھر ان سب پر کپڑا یا چادر ڈالی، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' اور عرض کیا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہل بیت زیادہ حق دار ہیں''۔

(فضائل الصحابة ج ٢ ص ٧١٥ رقم ٩٧٨، وص ٨٨٩ رقم ١٤٠٤، مسند أحمد ج ٤ ص ١٠٧ و

طبعة أخرىٰ ج٦ ص ٧٩٤ رقم ١٧١١٣، المصنف لابن أبي شيبة ج١٧ ص ١١٧ رقم ٣٢٧٦٦، المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٤٦ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ١٢٧ رقم ٤٧٦٠، صحيح ابن حبان ج ١٥ ص ٤٣٢ رقم ٦٩٧٦، المعجم الكبير ج٩ ص ١٧١، ١٧٢ رقم ١٧٦٢٥، ١٧٦٢٦، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٢ ص ١٥٢ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص ٢١٧ رقم ٢٨٧٠، مسند أبي يعلىٰ ج٦ ص ٢٨٧ رقم ٧٤٤٨)

بعینہ اسی طرح آیت درود نازل ہونے کے بعد ایک عرصہ تک ان نفوس مقدسہ کے دروازے سے گزرتے ہوئے ان کو بیدار کرنے کی غرض سے اور لوگوں کو آگاہ کرنے کے مقصد سے نبی کریم ﷺ آیت درود کی تلاوت فرماتے رہے اور ان پر سلام بھیجتے رہے۔ سو جب حضور ﷺ ہر خیر و خوبی میں ان چار نفوسِ مقدسہ کو یاد رکھتے ہیں اور انہیں مخصوص فرماتے ہیں حتیٰ کہ فرمایا: قیامت کے دن بھی یہ چار میرے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گے تو ہمیں چاہیے کہ ہم بھی حضور ﷺ کے ساتھ ان چار نفوسِ مقدسہ کو مخصوص طور پر اپنی تحریر، تقریر اور زبان و دل میں جگہ دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنی معیت بخشیں گے۔ چنانچہ فضائل الصحابۃ میں ہے:

حدثنا عبد الله، قال: حدثني نصر بن علي الجهضمي، قال: أخبرني علي بن جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي، قال: أخبرني أخي موسىٰ بن جعفر، عن أبيه جعفر بن محمد، عن أبيه، عن علي بن حسين، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ أخذ بيد حسن وحسين، فقال: من أحبني وأحب هذين وأباهما وأمهما كان معي في درجتي يوم القيامة.

''امام عبداللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت نصر بن علی الجہضمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے علی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی نے بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی موسیٰ بن جعفر نے اپنے والد گرامی جعفر بن محمد سے بیان کی، انہوں نے اپنے والد (محمد الباقر) سے روایت کیا، انہوں نے علی بن

حسین (امام زین العابدین) سے روایت کیا، انہوں نے امام حسین سے، انہوں نے اپنے والد سیدنا علی بن ابی طالب ؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین کے ہاتھوں کو پکڑا، پھر فرمایا: جس نے مجھ سے محبت کی اور اِن دونوں سے محبت کی اور اِن دونوں کے ماں باپ سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا''۔ ❁

(فضائل الصحابة ج٢ ص٨٦٣ رقم ١١٨٥، مسند أحمد ج١ ص٧٧ وطبعة أخرىٰ ج١ ص

❁۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے، وہ سیدنا علی بن جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہم کے حالات میں لکھتے ہیں:

ماهو من شرط كتابي. لأني ما رأيت أحداً ليّنه، نعم ولا من وثقه، ولكن حديثه منكر جداً، ماصححه الترمذي ولا حسنه.

''یہ بات میری کتاب کی شرائط میں سے نہیں ہے، کیونکہ میں نے ان کی تضعیف کرنے والے کو نہیں دیکھا، جی ہاں اور نہ ہی توثیق کرنے والے کو دیکھا، لیکن ان کی حدیث انتہائی منکر ہے، امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے اور نہ حسن''۔

(ميزان الاعتدال ج٥ ص١٤٤ رقم الترجمة ٥٨٠٥)

علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اِسی کتاب کے مقدمہ میں یہ شرائط لکھی ہیں کہ وہ صحابہ کرام، ائمہ متبوعین مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی وغیرھما اور جن حضرات پر کسی نے جرح نہیں کی اُن کا ذکر نہیں کریں گے۔

(مقدمة ميزان الاعتدال ج١ ص١١٣)

لیکن میزان الاعتدال کے بعض مطابع میں امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا ذکر گھسیڑ دیا گیا ہے اور کسی بد بخت نے اُن پر سخت جرح بھی کردی ہے، جس کا تعاقب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کیا ہے اور خوب کیا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔ اسی طرح سیدنا علی بن جعفر صادق ؓ پر کسی نے جرح نہیں کی لیکن "میزان الاعتدال" میں اُن کا ذکر موجود ہے، نہ معلوم ذھبی رحمہ اللہ نے یہ ذکر خود کیا ہے یا یہ کسی کاریگر کی کارروائی ہے، حقیقت جو بھی ہو بہر کیف یہ صورتِ حال قطعاً نامقبول بھی ہے اور نادرست بھی۔ نامقبول اس لیے کہ یہ کتاب کی شرائط کے منافی ہے، اور نادرست اس لیے کہ یہ حقائق کے منافی ہے۔

١۔ اس میں اعتراف ہے کہ حضرت علی بن جعفر پر کسی نے جرح نہیں کی، لیکن معاً یہ بھی لکھ دیا گیا کہ اُن کی توثیق=

٢٤٥ رقم ٥٧٦، زوائد عبد الله بن أحمد في المسند ص ٤٢٠ رقم ٢٠٣، جامع الترمذي ص ٨٤٩ رقم ٣٧٣٣، الذرية الطاهرة للدولابي ص ١٢٠ رقم ٢٣٤، نزل الأبرار ص ١١٠، مناقب علي والحسنين للقلعجي ص ١٣ رقم ١١)

= بھی کسی نے نہیں کی۔ ہماری ناقص سمجھ کے مطابق معقول بات تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص کتب صحاح میں سے بعض کتب کا راوی ہو اور اُس پر کسی نے جرح نہ کی ہو تو یہی اُس کی وثاقت (ثقاہت) ہے۔ کیا توثیق کے لیے پہلے تلیین یا تجریح کا ہونا لازم ہے؟

۲۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں کی۔ کیونکہ ہمارے سامنے جو جامع ترمذی کے نسخے اور اُس کی شرحیں موجود ہیں اُن سب میں لکھا ہوا ہے "هذا حديث حسن غريب" (یہ حدیث حسن غریب ہے)۔ (جامع الترمذي ص ٨٤٩ مطبعة دار السلام، الرياض، تحفة الأحوذي ج ١٠ ص ٢٢٢)

قاضی ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ کی شرح میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ (عارضة الأحوذي ج ١٣ ص ١٤٥)

قاضی صاحب امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے مقدم ہیں، ذہبی کی ولادت ۶۷۳ھ میں ہوئی اور وفات ۷۴۸ھ میں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک اور مقام میں بھی اس حدیث پر کلام کیا ہے، اور وہاں انہوں نے اس حدیث کے تمام راویوں کی توثیق کی ہے لیکن اُن کے نزدیک متن درست نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ حدیث انتہائی منکر (اوپری) ہے۔ عبداللہ بن احمد نے بیان کیا ہے کہ جب نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی تو متوکل نے اس کو ہزار کوڑے مارنے کا حکم کیا، اس موقعہ پر جعفر بن عبدالواحد نے کہنا شروع کیا: یہ شخص سنی ہے، یہ شخص سنی ہے، وہ مسلسل کہتے رہے یہاں تک کہ متوکل نے اس کو چھوڑ دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں: خلیفہ متوکل نے انہیں مارنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ اُسے رافضی گمان کرتا تھا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: متوکل سنی تھا لیکن اُس میں ناصبیت (اہل بیت کی دشمنی) تھی۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ماسوا علی بن جعفر کے، شاید وہ اس حدیث کے الفاظ کو یاد نہیں رکھ سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کام نہیں تھا کہ اپنی محبت اور حسنین کریمین کے فضائل کو پھیلانے کے لیے محبّ کو اپنے درجے میں رکھنے کی بات فرماتے رہے ہوں، شاید آپ نے فرمایا ہوگا: جنت میں میرے ساتھ ہوگا، اور آپ کی متواتر حدیث ہے کہ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ" (جو جس سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہوگا) اور نصر بن علی اہل سنت کے مضبوط ائمہ سے ہے"۔ (سير أعلام النبلاء للذهبي ج ١٠ ص ١١٦) =

چونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی سیرت مقدسہ عین قرآن کے مطابق ہے، اسی لیے فرمایا گیا: قرآن اور اہل بیت کو مضبوطی سے تھاموگے تو "لَنْ تَضِلُّوْا" (تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے) لہٰذا پہلے تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان نفوسِ مقدسہ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور دوسری بات خصوصاً اہل سنت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان حضرات کے مقدس اسماء کو اپنے ہاں مساجد، مدارس، گھر اور دفاتر میں آویزاں فرمائیں تاکہ ان اسماء کو دیکھتے ہی ان مقدس ہستیوں کی تابناک سیرت ذہن میں آجائے، جیسا کہ خلفاء راشدین المھدیین رضی اللہ عنہم کے مقدس اسماء دیکھتے ہی اُن کی روشن سیرت مستحضر ہو جاتی ہے۔ کوئی مسلمان مساجد وغیرہ پر جب یہ شعر لکھا ہوا دیکھتا ہے۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر

ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر

تو اُس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل سنت کے ہاں اِن چار نفوسِ مقدسہ (علی و فاطمہ شبیر و شبر) کے اسماء مبارکہ بھی مرقوم ہونے چاہییں، بلکہ اگر مذکورہ بالا شعر کے وزن پر کوئی منظوم کلام ہو تو اور زیادہ بہتر ہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اہل سنت کی مساجد وغیرہ میں جہاں چار یار رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ ہیں تو وہیں اُن مقدس چار نفوس علیہم السلام کے اسماء مقدسہ بھی ہیں جن کو چادر تطہیر میں مخصوص فرمایا گیا اور جن کو اثبات توحید کے لیے معبود مطلق نے مباہلہ میں منتخب کیا۔ اگر ان اسماء کو یوں منظوم کیا جائے تو اِن میں سے ہر ایک کی مکمل سیرت سامنے آجائے گی۔

کتاب و سنت و امام و سرور

علی و فاطمہ شبیر و شبر

❁ کتاب سے مراد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے، اس لیے کہ آپ قرآنِ ناطق ہیں۔

= راقم الحروف عرض کرتا ہے: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ" میں جس معیت کا ذکر ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا جنت و آخرت کے امور کو دنیا پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟ بہر حال علامہ ذہبی کو "في درجتي" پر اعتراض ہے اور اس کے علاوہ انہیں سند و متن پر کوئی اعتراض ہے اور نہ ہی اعتراض کی کوئی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

❁ سنت سے مراد سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کی ذات پاک ہے، اس لیے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے صورت وسیرت اور ہر طرح کی حرکات وسکنات میں سیدہ سے بڑھ کر کسی کو حضور ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا، یہ حدیث مکمل پہلے آچکی ہے اور آئندہ سطور میں متن میں بھی آئے گی۔

❁ امام سے مراد سیدنا امام حسین ؓ کی ذات پاک ہے، اس لیے کہ جب آپ کے آخری دور میں نام نہاد مسلم حکومت نے کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کی سیرت کو یکسر پامال کر دیا تھا اور وہ تھی بھی مضبوط پارٹی اسی لیے اکثر اہل اسلام اُن سے ٹکر لینے کی بجائے رخصت پر عمل کرتے ہوئے مناسب وقت کی انتظار میں تھے مگر سیدنا حسین ؓ نے ایسے پر خطر ماحول میں بھی رخصت کی بجائے عزیمت کو اپنایا اور قیامت تک باطل کے مقابلہ میں امت کے سامنے اسوہ پیش کر دیا اور امامت کا حق ادا کر دیا۔

❁ سرور سے مراد امام حسن مجتبیٰ ؓ ہیں، اس لیے کہ جب آپ کی خلافتِ راشدہ کا وقت اختتام پذیر ہونے لگا اور بعض لوگ لشکر کشی پر اتر آئے تو ہر چند کہ آپ کا لشکر زیادہ تھا مگر آپ نے فقط مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر چند شرائط پر سلطنت کو ٹھوکر ماردی، اور لغت میں سید کہتے ہی اُسے ہیں جو قوم کے مفاد کو مدنظر رکھے۔ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا تھا: "اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ" (میرا یہ بیٹا سرور ہے)۔

ہم نے ان چاروں نفوسِ مقدسہ کی سیرت کی طرف مختصر سا اشارہ کیا ہے، اگر آپ اس میں غور فرمائیں گے تو آپ پر اس کلام کی حقانیت روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے گی، لہٰذا ہر طرح کے طعن وتشنیع سے بے پرواہ ہو کر چار یار کے اسماء کے ساتھ چار اطہار کے مبارک اسماء بھی لکھئے اور آویزاں فرمایئے، تاکہ اِن چار اسماء پر چار یار کے مخالفین کی اجارہ داری ختم ہو جائے۔

الخامس والعشرون: رعايته لأبنائها

عن زينب بنت أم سلمة أن المصطفىٰ دخل عليه الحسن والحسين وفاطمة، فجعل الحسن من شق والحسين من شق، وجعل فاطمة في

حجره، وقال: رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت، إنه حميد مجيد.

پچیسویں حدیث: سیدہ کے بچوں پر کرم نبوی ﷺ

حضرت زینب بنت (ام المومنین) اُم سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حسن، حسین اور فاطمہ آئیں تو آپ نے ایک پہلو میں حسن کو دوسرے میں حسین کو لیا اور سیدہ کو آگے بٹھایا اور فرمایا: اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں، بیشک وہ حمد کیا ہوا بلند ہے۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص٣٠٠ رقم٢٠١٧٤، المعجم الأوسط ج٩ ص٦٦ رقم٨١٣٧، مجمع البحرين في زوائد المعجمين ج٣ ص٤١٢ رقم٣٧٩٦، مجمع الزوائد ج٩ ص١٦٨، ١٧١ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٢٦٦، ٢٧١ رقم١٤٩٨٤، ١٥٠٠٥، مسند فاطمة الزهراء ص ٧٠ رقم ١٧٢)

آل پر رحمت و برکت اور آل کی رحمت و برکت

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل بیت کے حق میں رحمت و برکات کی دعا فرمائی، رحمت کا معنیٰ معروف ہے اور برکت کا معنیٰ ہے کسی چیز کا بڑھنا اور زیادہ ہونا۔ امام خلیل بن احمد الفراہیدی لکھتے ہیں:

البركة: الزيادة والنماء.

"زیادہ ہونا اور بڑھنا برکت ہے"۔

(كتاب العين ص٦٩)

اہل بیت کرام کو یہ برکت خوب حاصل ہوئی اور وہ اس قدر بڑھے اور پھولے پھلے جو محتاج بیان نہیں، اور یہ اُن کی برکت کا غیر متعدی پہلو ہے، اور اُن کی متعدی برکت یہ ہے کہ اُن کے حق میں برکت کی دعا کی جائے تو دعا مانگنے والے کو دنیا و آخرت کی تمام برکات حاصل ہو جاتی ہیں، اور اُن کے حق میں برکت کی دعا کا نبوی طریقہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعَلٰى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعَلٰى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(القول البديع ص ١١٤)

بعض احادیث میں ہے کہ اس طرح درود بھیجنے والا شخص بھر بھر پیمانے حاصل کرے گا۔ اس حدیث کی تشریح میں شیخ عبداللہ بن صالح لکھتے ہیں:

قوله (وَبَارِكْ......) فيه أن آل البيت فيهم من البركة والخير والفضائل في الجملة ما ليس في آل بيت من بيوتات العالمين، وقد ظهر بسببهم من بركات الدنيا والآخرة، ومن دينه وإعلاء كلمته ما لم يظهر على يدي أهل بيت غيرهم. فَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، وَعَلٰى آلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا مَزِيْدًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

"ارشاد نبوی ﷺ (وَبَارِكْ......) میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل بیت میں برکت، خیر اور جملہ خوبیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ عالمین کے خاندانوں میں سے کسی خاندان میں بھی اتنی برکت، خیر اور خوبیاں نہیں ہیں، اور ان کے طفیل دنیا و آخرت کی، دین کی اور اسلام کی سربلندی کی جس قدر برکات ظاہر ہوئیں اس قدر کسی دوسرے گھرانے سے ظاہر نہیں ہوئیں۔ پس اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کے سردار پر اور اُن کے طیب و طاہر اہل بیت پر درود بھیجے، اور خوب سلام بھیجے اور زیادہ سے زیادہ بھیجے، قیامت تک"۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ٢٨)

الحديث السادس والعشرون:

ولد فاطمة ومكانتهم

قالت فاطمة الزهراء: قال رسول الله ﷺ: كل بني أم ينتمون إلى عصبة إلا ولد فاطمة فأنا وليهم وعصبتهم.

چھبیسویں حدیث: سیدہ کے بچوں کا مرتبہ

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد ددھیالی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے، ماسوا اولادِ فاطمہ کے، سو اُن کا ولی اور عصبہ (دادا) میں ہوں۔

(المعجم الكبير ج٣ ص ٤٤ رقم ٢٦٣٢، مسند أبي يعلیٰ ج٦ ص ٢٠ رقم ٦٧٠٩، وطبعة أخرى ج١٢ ص ١٠٩ رقم ٦٧٤١، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٦٠ رقم ١٣٢، ١٣٣، استجلاب ارتقاء الغرف ج٢ ص ٥٠١، جواهر العقدين ص ٢٧٧، رشفة الصادي ص ٨٢، الأسرار المرفوعة للقاري ص ١٧٦، إحياء الميت بفضائل أهل البيت ص ٢٦ رقم ٢٩)

سیدہ کے بچوں کا حضور ﷺ کی اولاد ہونا

ایک طرف قرآن کریم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں اور دوسری طرف قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے آپ کو "الکوثر" عطا فرمایا، اور اس کی متعدد تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ہم نے آپ کو کثیر النسل بنایا، اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ.

"آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے"۔ (الکوثر: ٣)

یہ دونوں آیتیں حق ہیں، بیشک نبی کریم ﷺ کسی مرد کے باپ بھی نہیں اور مقطوع النسل بھی نہیں، حالانکہ دنیا کا دستور ہے کہ جو شخص نرینہ اولاد نہ چھوڑے اور فقط بچیاں ہی چھوڑے تو لوگ کہتے ہیں: بیچارے

کی نسل آگے نہیں چلی۔ خود سوچئے کفار مکہ نے جب حضور ﷺ کو ''اَلْاَبْتَر'' (مقطوع النسل) ہونے کا طعنہ دیا تھا تو کیا اُس وقت آپ کی بیٹیاں موجود نہیں تھیں؟۔ اللہ ﷻ نے اپنے محبوب ﷺ کی نسل کو چلانے کا انتظام یوں کیا کہ بنو ھاشم ہی کے خاندان سے ایک ایسا بچہ اپنے محبوب کو عطا فرمایا جس کی ولادت کعبہ معظمہ میں ہوئی اور گھٹی کے وقت سے ہی وہ نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں آ گیا اور اُس کی مکمل تربیت آغوشِ نبوت میں ہوئی، حتیٰ کہ نبوت کے علاوہ وہ تمام فضائل وکمالات سے بہرہ ور ہو گیا اور نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا "عَلِيٌّ كَنَفْسِي" (علی میری مانند ہے) پھر بحکمِ الٰہی اپنی وہ بیٹی اُس کے نکاح میں دی جس سے نسل نبوی ﷺ کا چلنا منظور تھا، اور اس نکاح کے موقعہ پر ایسا روحانی اہتمام کیا گیا اور ایسی دعائیں کی گئیں کہ کائنات میں ازازل تا ابد کسی بھی جوڑے کو ایسا داعی اور ایسی دعائیں نصیب ہوئیں اور نہ ہی ہوں گی۔ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ یہ نسل نبوی کے تسلسل کا مرحلہ تھا، حضور ﷺ ہی کی اولاد تھی جسے صلب مرتضوی سے منتقل ہونا تھا۔ اس حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

- حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله عزوجل جعل ذرية كل نبي في صلبه، وإن الله تعالى جعل ذريتي في صلب علي بن أبي طالب ؓ.

''بیشک اللہ عزوجل نے ہر نبی کی ذریت اس کی پشت سے پیدا کی اور میری ذریت کو علی ابن ابی طالب ؓ کی پشت سے پیدا فرمایا''۔

(المعجم الكبير ج٣ ص ٤٣، ٤٤ رقم ٢٦٣٠، فردوس الأخبار ج١ ص ٢٠٧ رقم ٦١٦، الجامع الصغير للسيوطي رقم ١٧١٧، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج٢ ص ٥٠٣، جواهر العقدين للسمهودي ص ٢٧٩، رشفة الصادي ص ٨٢)

- امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سیدنا ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے ابا حضرت عباس ؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ حضرت علی ؓ تشریف لائے۔ انہوں نے حضور

ﷺ کو سلام عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور ان کے لیے کھڑے ہو گئے، معانقہ کیا، ماتھا چوما اور اپنی دائیں جانب بٹھایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ فرمایا: چچا جان! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تو اِس کو مجھ سے بھی زیادہ چاہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اُس کی پشت سے پیدا کی اور اُس نے میری ذریت کو اِس کی پشت سے پیدا کیا"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف ج۲ ص۵۰۳ رشفة الصادي ص۸۳)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن احادیث پر اعتراضات کیے تھے، اِس پر امام سخاوی اور امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ احادیث باہم مل کر قوی ہو گئی ہیں، لہٰذا ابن جوزی کا انہیں "**العلل المتناهية**" میں درج کر کے کہنا کہ یہ صحیح نہیں ہیں "لَيْسَ بِجَيِّدٍ" (کھوٹی بات ہے)"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي ج۲ ص۵۰٤، المقاصد الحسنة للسخاوي ص۳۸۱، جواهر العقدين للسمهودي ص۲۷۹)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

"مجھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو میں نے شرح وبسط سے اس پر کلام کیا تھا اور متنبہ کیا تھا کہ یہ حدیث لائق حجت ہے، اور اچھی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"۔

(الأجوبة المرضية ج۲ ص٤٢٤، ٤٢٥)

ان احادیث کو موضوع قرار دینے والوں کی امام سخاوی، امام سمہودی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہم نے تردید فرمائی ہے، اور امام ابن الملقن، امام خیضری، امام سیوطی، امام قسطلانی اور امام صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہم نے ان احادیث کو لائق حجت قرار دیا ہے اور اس بات کو نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

(غاية السول في خصائص الرسول ﷺ لابن الملقن ص۲۷۹، اللفظ المكرم بخصائص النبي

الأعظم ﷺ للخيضري ٣٦٩، الخصائص الكبرىٰ ج٢ ص ٤٤٧، المواهب اللدنية ج٢ ص ٦٥٩، سبل الهدى والرشاد ج١٠ ص ٤٥٨)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صلب (پشت) سے ہونے کے باوجود سادات کرام کی نسبت حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی طرف ہوتی ہے۔

الحديث السابع والعشرون:
من أحب آل البيت فهو معهم

عن علي عن رسول الله ﷺ أنه قال: أنا وفاطمة وعلي مجتمعون، ومن أحبنا يوم القيامة نأكل ونشرب حتى يُفرق بين العباد، فبلغ ذلك رجلاً من الناس، فقال: كيف بالعرض والحساب؟ فقال: كيف بصاحب [ياسين] سرّ حين أدخل الجنة من ساعته. [رواه الطبراني وفي إسناده من لا يُعرف].

ستائیسویں حدیث: محبِّ اہلِ
بیت اُن کے ساتھ ہوگا

حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں، فاطمہ اور علی ایک جگہ جمع ہوں گے اور وہ لوگ بھی جو ہمارے ساتھ محبت کرتے ہیں، ہم کھاپی رہے ہوں گے کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، یہ بات ایک شخص کو پہنچی تو وہ کہنے لگا: حساب و کتاب اور پیشی کا کیا ہوگا؟ فرمایا: صاحب یاسین کیسے اسی ساعت میں جنت میں داخل کیا گیا تھا؟

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جو جانے پہچانے نہیں۔

غالباً مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ''مجمع الزوائد'' سے نقل فرمائی ہے، اور اس میں ہے کہ اس میں راویوں کی ایک جماعت ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ راقم الحروف کے مطابق اس روایت کے ظاہر سے

ہی اس کا موضوع ہونا معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ ''مجمع الزوائد'' کے الفاظ کے مطابق اس میں سے سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے نام رہ گئے ہیں، اور ''صاحب یاسین'' کو ''صَاحِب سرّحین'' لکھ دیا گیا جو کہ درست نہیں۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص۱۷۴ وطبعة أخرى ج۹ ص۲۷٦ رقم ۱۵۰۲۳، مسند فاطمة الزهراء للسیوطي ص۵۲ رقم ۷٦)

اس میں شک نہیں کہ یہ خوبصورت بات ہے اور یہ بھی درست ہے کہ یہ اعزاز اہل بیت کے شایانِ شان ہے، لیکن اگر یہ حدیث نبوی نہیں ہے تو خواہ کتنا خوبصورت بات ہو اس کو قبول کرنا درست نہیں، کیونکہ اصول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر بات اچھی ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر اچھی بات حدیث نبوی ہو۔

الحديث الثامن والعشرون:

مسئوليتها عن نفسها

عن حذيفة عنه عليه الصلاة والسلام قال: يافاطمة بنت رسول الله اعملي لِلّٰه خيراً فإني لاأغني عنك من الله شيئاً يوم القيامة. [رواه البزار].

اٹھائیسویں حدیث: سیدہ کومحاسبہ کے لیے تیار کرنا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی خاطر نیک اعمال کرو، بیشک میں تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔

(مسند البزار ج۷ ص۳۲۰ رقم ۲۹۱۹، کشف الأستار ج۱ ص۲۴ رقم ۲۸، مختصر زوائد البزار ج۱ ص۷۱ رقم ۱٦، مجمع الزوائد ج۱ ص۴۹ وطبعة أخرى ج۱ ص۲۰۷ رقم ۱۴۷،

مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص۹۹ رقم ۲۶۷، جمع الجوامع ج۹ ص ۱۷۵ رقم ۲۸۰۲۸)

سیدہ فاطمہ کی تربیت

یہ کافی طویل حدیث ہے، اس میں ایسی تلقین سیدنا عباس بن عبد المطلب اور حذیفہ بن یمان ؓ کو بھی فرمائی گئی ہے، اور مقصود ان باتوں سے اپنے پیاروں کی تربیت ہے، ورنہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی احادیث میں تو سیدہ کو خواتینِ جنت کی سیدہ فرمایا گیا ہے۔

دراصل نبی کریم ﷺ سیدہ کی تربیت میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے، اور یہ ارشاد اسی تربیت کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس سے قبل آپ "یَاحَيُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ......" کے بارے میں ایک ارشاد پڑھ چکے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدہ کے ورد و وظائف تک کی فکر رکھتے تھے۔ یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند ایسے ارشاداتِ نبویہ درج کر دیں جن میں خصوصاً سیدہ کا نام لے کر انہیں خطاب ہے، یقیناً اس میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

۱۔ سیدہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ میں نمازِ فجر پڑھ کر جلد لیٹ گئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یابنية قومي اشهدي رزق ربک ولا تكوني من الغافلين، فإن الله تعالىٰ يقسم أرزاق الناس مابين طلوع الفجر إلىٰ طلوع الشمس.

"اے بیٹی! کھڑی ہو جاؤ، اپنے رب کے رزق کا مشاہدہ کرو، اور غافلین سے مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ صبح صادق سے لیکر طلوعِ آفتاب تک لوگوں میں رزق تقسیم فرماتا ہے"۔

(شعب الإيمان ج٤ ص ۱۸۱ رقم ٤٧٣٥، ٤٧٣٦، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٤٣ رقم ٤٨ و ص ۹۷ رقم ۲۵۸)

حضرت سیدنا عثمان بن عفان ؓ سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلصُّبْحَةُ تَمْنَعُ الرِّزْقَ.

"علی الصبح سونا رزق کو روکتا ہے"۔

(شعب الإيمان ج٤ ص ۱۸۰ رقم ٤٧٣١، ٤٧٣٢)

۲۔ ایک اور موقعہ پر سیدہ کو ارشاد فرمایا گیا:

''اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو، اپنے رب کے فرائض ادا کیا کرو، اپنے گھر والوں کا کام کیا کرو، اور جب اپنے بستر پر آیا کرو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ پورا سو ہوا، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے''۔

(سنن أبي داود ج۳ ص ۲۲۰ رقم ۲۹۸۸، جامع الأصول ج۳ ص ۱۶۷ رقم ۲۲۴۰، مسند فاطمة الزهراء ص ۸۸ رقم ۲۳۱)

۳۔ ایک اور حدیث میں ہے:

''اے فاطمہ! کھڑی ہو کر اپنی قربانی کے جانور کے قریب آؤ، بیشک اس کے خون کے اول قطرے کے گرنے پر تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، اور یہ دعا بھی پڑھو: إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَاشَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ'' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا یہ آپ کے لیے اور آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ یہ ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے''۔

(المستدرك للحاكم ج٤ ص ۲۲۱ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ۳۱۳ رقم ۷۵۹۹، شعب الإيمان ج ٥ ص ٤٨٣ رقم ۷۳۳۸، كتاب الدعاء للطبراني ص ۲۹٤، ۲۹٥ رقم ۹٤۷، مسند فاطمة الزهراء ص ۲۸ رقم ١٤)

۴۔ ایک اور حدیث میں ہے:

''اے فاطمہ! اس کے سر کے بال اتارو اور اُن کے وزن کے برابر چاندی خیرات کرو، یہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقہ کے موقعہ پر فرمایا تھا''۔

(جامع الترمذي ص ۳٦۸ رقم ۱۵۱۹)

اللہ کریم ہم سب کو ان احادیث پر عمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے، آمین!

الحديث التاسع والعاشرون: سيدة نساء العالمين وسيدة نساء المومنين

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ: يا فاطمة: أما ترضين أن تكوني سيدة نساء العالمين، وسيدة نساء المؤمنين.

[رواه الحاكم].

انتیسویں حدیث: سیدہ فاطمہ کی سیادت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم عالمین کی خواتین کی اور تمام مومنین کی خواتین کی سیدہ ہو؟

اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

(المستدرك ج۳ ص ۱۵۵ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ۱٤۱ رقم ٤۷۹٤)

سیادتِ مطلقہ

یہ صحاح ستہ کی مفصل حدیث کا ایک جملہ ہے اور اس کے یہ الفاظ پہلے بھی آ چکے ہیں اور متن کے آئندہ صفحات میں بھی آئیں گے، لیکن شاید مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں اس جملہ کو علیحدہ لانے کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں پر سیدہ فاطمہ کی سیادتِ مطلقہ عیاں ہو جائے، اور وہ جان لیں کہ عالمین کی تمام خواتین اور مومنین کی تمام خواتین پر جس کو سیادتِ مطلقہ حاصل ہے وہ سیدہ فاطمہ ہے۔ سیادتِ مطلقہ کا مطلب یہ ہے کہ اور بھی بہت سی خواتین ہیں اور کچھ گزر چکی ہیں جن کو سیادت حاصل تھی مگر وہ اپنے زمانہ کی خواتین کی یا اپنی قوم کی خواتین یا اپنے علاقہ کی خواتین کی سیدہ تھیں لیکن سیدہ فاطمہ کی سیادت زمانے، قوم اور علاقہ کی قیود سے ماوراء ہے۔ قیود کے دائرہ میں محدود اُن خواتین کی سیادت تھی اور چونکہ سیدہ فاطمہ کی سیادت قیود و حدود سے ماوراء ہے، لہٰذا وہ اُن تمام سیدات کی بھی سیدہ ہیں۔ سو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں، اُن سب کی

ازواج، اُن کی بیٹیاں، حضور ﷺ کی تمام مائیں، آپ کی ازواج مقدسہ اور آپ کی دوسری بیٹیوں پر جس کو سیادت مطلقہ حاصل ہے وہ حضور ﷺ کی چھوٹی بیٹی، علی کی مقدس زوجہ اور حسنین کریمین کی امی سیدتنا ومرشدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام ہے۔ یہ سیادتِ مطلقہ اس قدر عظیم فضیلت ہے کہ علامہ ابن قیم الجوزیہ جب ازواج مقدسہ اور بناتِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مفاضلہ وموازنہ کرنے بیٹھے اور سب کی مختلف فضیلتیں سامنے لائے تو سیدہ کی اس فضیلت پر پہنچ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اُن کی عبارت کا کچھ حصہ آگے متن اور تشریح دونوں میں آرہا ہے۔

الحديث الثلاثون: إغضاء الجميع حياءً عند مرورها يوم القيامة:

عن عليٍّ مرفوعاً إذا كان يوم القيامة نادى منادٍ من وراء الحجب: يا أهل الجمع، غُضوا أبصاركم عن فاطمة بنتِ محمدٍ حتى تمُرَّ!

[رواه الحاكم وتمام وغيرهما].

تیسویں حدیث: قیامت کے دن سیدہ فاطمہ کے گزرنے پر سب کا نظریں جھکانا

سیدنا علی بن ابی طالب ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا: اے محشر والو! سیدہ فاطمہ بنت محمد ﷺ سے اپنی نگاہیں جھکا لو! یہاں تک کہ وہ گزر جائیں۔

اس کو امام حاکم، محدث تمام اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

(المستدرك ج٣ص١٥٢ وطبعة أخرى ج٤ ص١٣٦ رقم٤٧٨١، كتاب المعجم لابن الاعرابي ج١ ص٢٩٩، ٣٠٠ رقم٥٧٠، وج٢ ص١٨٢ رقم١٠٠٧، مسند فاطمة الزهراء ص٥٥ رقم١٠٠)

اس حدیث کی تشریح تینتیس[۳۳] ویں حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

الحديث الحادي والثلاثون:

عظم مكانتها عند ربها

عن أبي هريرة، مرفوعاً إذا كان يوم القيامة نادى منادٍ من بطنان العرش: أيها الناس غُضوا أبصارَكم حتى تجوزَ فاطمة إلى الجنة.

[رواه أبو بكر الشافعي].

اکتیسویں حدیث: سیدہ کا اپنے رب کے ہاں رتبہ

حضرت ابو ھریرہ ؓ مرفوعاً (رسول اللہ ﷺ سے) روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے وسط سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا: اے لوگو! اپنی نظریں نیچی کرلو حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ جنت کی طرف گزر جائیں۔

اس حدیث کو امام ابوبکر الشافعی نے روایت کیا ہے۔

(كتاب الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي ج١ ص٥٣٤ رقم٦٨٦، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٥ رقم٩٣، جامع الآثار لابن ناصر الدين دمشقي ج٣ ص٥٠٨، ٥٠٩)

اس حدیث کی تشریح تینتیس[۳۳] ویں حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

الحديث الثاني والثلاثون: موكبها

حين تمر على الصراط

عن أبي أيوب الأنصاري، مرفوعاً إذا كان يوم القيامة نادى منادٍ من بطنان العرش: يأهلِ الجمع نكسوا رءوسكم، وغضوا أبصاركم حتى تمرَّ

فاطمةُ بنتُ مُحَمَّدٍ على الصراط ، فتمر مع سبعين ألفَ جارية من الحور العين كمرِّ البرق.

[رواه أبو بكر الشافعي أيضاً].

بتیس [۳۲] ویں حدیث: سیدہ کی پل صراط پر سواری

حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو وسطِ عرش سے ایک منادی ندا کرے گا: محشر والو! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنے نظریں پست کرلو، یہاں تک فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گزر جائیں، پس وہ حوروں میں سے ستر ہزار باندیوں کے ساتھ بجلی کی چمک کی طرح گزر جائیں گی۔

اس کو بھی ابوبکر الشافعی نے روایت کیا ہے۔

(كتاب الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي ج٢ ص٨٠٣ رقم١١٠٩، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٤ رقم٩١)

اس حدیث کی تشریح تینتیس [۳۳] ویں حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

الحديث الثالث والثلاثون:

كيف تمر على الصراط

عن عائشة مرفوعاً إذا كان يوم القيامة نادى مناد، مَعْشَرَ الخلائق، طَأطِئُوا رءوسكم حتى تجوزَ فاطمة بنت محمد، فتمر عليها ريطتان خضراوان.

[رواه الطبراني والحاكم وأبو نعيم]

تینتیس [۳۳] ویں حدیث:

پل صراط سے گزرنے کی شان

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: اے مخلوق کی جماعت! اپنے سروں کو جھکا لو یہاں تک کہ فاطمہ بنت نبی ﷺ گزر جائیں، پس وہ اس حال میں گزریں گی کہ اُن پر دو سبز چادریں ہوں گی۔

اس حدیث کو امام طبرانی، امام حاکم اور امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج١ ص٦٧ رقم١٧٨، المعجم الأوسط ج٣ ص١٩٧ رقم٢٤٠٧، المستدرك ج٣ ص١٦١ وطبعة أخرى ج٤ ص١٤٨ رقم٤٨١١، دلائل النبوة لأبي نعيم ص٦٠٦ رقم ٥٥٠، فضائل الصحابة ج٢ ص٩٥٧ رقم ١٣٤٤، جامع الآثار في السير ومولد المختار لابن ناصر الدين دمشقي ج٣ ص٥٠٧)

نوٹ:

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ سے روایت ہے، خصوصاً جن تین کتب کا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ دیا ہے اُن میں سے کسی میں بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نہیں ہے۔ معجم کبیر اور مستدرک میں سیدنا علی ﷛ راوی ہیں اور ابونعیم کی دلائل میں حضرت ابوھریرہ ﷛ راوی ہیں، البتہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت لائے ہیں۔

(مسند فاطمة الزهراء ص٥٧ رقم١١٠)

امام صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے بھی روایت کا ذکر کیا ہے۔

(سبل الهدیٰ ج١١ ص٥٠)

مذکورہ احادیث کا حکم

ان تمام احادیث کی سند پر کافی سخت کلام کیا گیا ہے اور اُس کا احاطہ کرنا مشکل ہے، تاہم کچھ علماء

کرام کے نزدیک یہ احادیث قابل قبول بھی ہیں، ان ہی میں سے امام ابن ناصر الدین دمشقی اور امام صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہم بھی ہیں۔ چنانچہ مؤخر الذکر لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو محدث تمام رازی نے فوائد میں، امام حاکم اور طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، ابوبکر شافعی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے، تمام رازی نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، ابوالحسین بن بشران اور خطیب نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اور اَزدی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ضعیف سندوں سے روایت کیا ہے:

إذا ضم بعضها إلىٰ بعض أفاد القبول.

''جب یہ ایک دوسری سے ملائی جائیں تو قبولیت کا فائدہ دیتی ہیں''۔

(سبل الهدیٰ ج ١١ ص ٥٠)

خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور دوسری متعدد احادیث اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ قیامت کے دن اشخاص میں سے کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے افضل نہیں ہوگا اور خواتین میں سے سیدہ فاطمہ سے افضل کوئی خاتون نہیں ہوگی، اور عقلاً و شرعاً حضرات کے پروٹوکول میں اظہار اور خواتین کے پروٹوکول میں اخفاء ہوتا ہے، سو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے افضل شخص کو جو عظمت بخشے گا اس میں افشاء و اظہار خوب ہوگا۔ چنانچہ اُس دن نبی کریم ﷺ کو جو اپنے رب کی طرف سے عظمت حاصل ہوگی اگر اُس میں غور کیا جائے تو ایک ایک جملہ سے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے، ارشاد فرمایا:

أنا أولهم خروجاً، وأنا قائدهم إذا وفدوا، وأنا خطيبهم إذا أنصتوا، وأنا مشفعهم إذا حبسوا، وأنا مبشرهم إذا أيسوا، الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدي، وأنا أكرم ولد آدم على ربي، يطوف علي ألف خادم كأنهم بيض مكنون أو لؤلؤ منثور.

''میں تمام لوگوں سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا، اور جب وہ وفد بنائیں گے تو میں اُن کا قائد ہوں گا، جب وہ روک دیے جائیں گے تو میں اُن کا سفارشی ہوں گا، جب وہ

ناامید ہوں گے تو میں انہیں بشارت دینے والا ہوں گا، تمام عظمتوں کی چابیاں اُس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی، میں پوری اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرّم ہوں گا اور میرے اردگرد ہزاروں خادم طواف کرتے ہوں گے، گویا کہ وہ سفید چمکتے ہوئے انڈے ہیں یا پھیلائے ہوئے چمکدار موتی"۔

(سنن الدارمي ج١ ص ٢٤ رقم٤٨، جامع الترمذي ص ٨٢٣ رقم ٣٦١٠، مشكاة ج٢ ص ٤٢٩ رقم٥٧٦٥)

بعض احادیث میں آیا ہے کہ اُس دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی کریم ﷺ کے پرچم کے نیچے ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وبيدي لواء الحمد ولا فخر، وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه إلا تحت لوائي.

"اور حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا اور کوئی فخر نہیں، اور کوئی نبی ایسا نہیں، آدم علیہ السلام ہوں یا اُن کے ماسوا مگر سب میرے پرچم تلے ہوں گے"۔

(جامع الترمذي ص ٧١٠ رقم٣١٤٨ وص ٨٢٤ رقم٣٦١٥، مشكاة ج٢ ص ٤٢٨ رقم٥٧٦١)

بتلائیے کیا پرچم تلے جمع ہونے اور خطاب کرنے سے زیادہ کسی کی شان کے افشاء اور اظہار کا کوئی اور طریقہ ہے؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حضرات میں سے جو ہستی سب سے زیادہ معظّم ہوگی اسے عیاں کر کے عظمت بخشی جائے گی اور خواتین میں سے جو ہستی سب سے زیادہ معظّمہ ہوگی اُسے نہاں کر کے عظمت بخشی جائے گی، یہ الگ بات ہے کہ اُس نہاں میں بھی عظمت عیاں ہوگی۔ بہر حال سیدہ کی عظمت میں مذکورہ بالا احادیث کے متعلق جن حضرات نے اثبات کا قول کیا ہے اُن کا قول نقلاً اور عقلاً زیادہ قابلِ قبول ہے۔ واللہ اعلم۔

نگاہوں کو جھکالو اہلِ محشر! یہ ندا ہوگی
سواری خلد میں جائے گی جب ذیشان زہرا کی

بڑھے گی تا ابد شانِ علی ہر آن زہرا کی

کہ ہے مدحت سرائی کر رہا قرآن زہرا کی

الحديث الرابع والثلاثون:

أول من يدخل الجنة

عن عليٍّ قال: أخبرني رسول الله ﷺ أن أول من يدخلُ الجنة أنا وفاطمة.

[رواه ابن سعد].

چونتیسویں حدیث: جنت میں پہلے کون داخل ہوگا؟

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مطلع فرمایا کہ جو لوگ جنت میں پہلے داخل ہوں گے وہ میں اور فاطمہ ہوگی۔ اس کو امام ابن سعد نے راویت کیا ہے۔

ایک اور حدیث اس سے زیادہ واضح اور جامع ہے، چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عن علي رضي الله عنه قال: أخبرني رسول الله ﷺ إن أول من يدخل الجنة أنا وفاطمة والحسن والحسين، قلتُ: يارسول الله فمحبونا؟ قال: من ورائكم.

"حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ اولاً جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ میں، فاطمہ اور حسن وحسین ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے محبین؟ فرمایا: وہ تمہارے پیچھے ہوں گے"۔

(المستدرك ج٣ص١٥٠ وطبعة أخرى ج٤ص١٣٤ رقم٤٧٧٦، شرف المصطفى لأبي سعد ج٥ص٣٦٤ رقم٢٣٢٣، ذخائر العقبى ص١٤٦، نزل الأبرار ص١١٢، مسند فاطمة الزهراء

ـ ـ ـ صي ص ٥٢ رقم ٧٧، وص ٦٩ رقم ١٦٧، الصواعق المحرقة ص ١٥٣)

حدیث کو موضوع قرار دینے کا انوکھا انداز

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح السند ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا، اس پر امام ذہبی نے لکھا ہے:

قلتُ: اسماعيل وشيخه وعاصم ضعفوا، والحديث منكر من القول يشهد القلب بوضعه.

''میں کہتا ہوں: اسماعیل، اُس کا شیخ اور عاصم کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، اور یہ حدیث لفظاً منکر (اوپری) ہے، دل اس کے موضوع ہونے کی گواہی دیتا ہے''۔

(التلخيص علىٰ هامش المستدرك ج ٣ ص ١٥٧ وطبعة أخرىٰ ج ٤ ص ١٣٣)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کو کذاب یا وضاع نہیں ثابت کر سکے، بس فقط یہ فرما دیا کہ ''اُن کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے''۔ اس پر ہم عرض کرتے ہیں کہ اُن کے دل کی گواہی کی امت پابند نہیں ہے، اور ہر چند کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ علم حدیث میں انتہائی بلند ہے، حتیٰ کہ امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آب زم زم نوش فرماتے وقت دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح محدث بنا دے مگر بایں مقام و مرتبہ امام ذہبی یا کسی اور شخص کی یہ حیثیت نہیں کہ جو کچھ اُن کا دل کہے اور وہ اُس کو نوکِ قلم پر بھی لے آئیں تو لوگوں پر اُسے تسلیم کرنا واجب ہو۔ اہل سنت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے بعد یہ مقام کسی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ليس أحدٌ إلا يؤخذ من قوله ويُدَعُ غير النبي صلى الله عليه وسلم.

''ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور مسترد بھی، ماسوا نبی کریم ﷺ کے قول کے''۔

(المعجم الكبير ج ٥ ص ٤٠٤ رقم ١١٧٧٣، جامع بيان العلم وفضله ج ٢ ص ٩٢٥، ٩٢٦، إحياء علوم الدين ج ١ ص ٧٧، كتاب الفقيه والمتفقه ج ١ ص ٤٤١، الدرر المنتثرة ص ٢٢٥، المقاصد الحسنة ص ٣٨٠، الأسرار المرفوعة ص ١٧٥، الشذرة ج ٢ ص ٤٢، كشف الخفاء ج

۲ ص ۱۰۹، أسنى المطالب للحوت ۲۳۹، إتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۷۱٤، فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۱۹٤)

سوامام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ عظیم محدث ہیں اور خصوصاً علوم حدیث میں امتِ مسلمہ پراُن کے بڑے احسان ہیں لیکن بعد از انبیاء کرام علیہم السلام کسی بھی انسان کی ہر بات لائق قبول نہیں ہوتی بلکہ معتبر لوگوں کی اکثر باتیں قابل قبول ہوتی ہیں لیکن بعض باتیں مسترد بھی ہوسکتی ہیں، مثلاً خود امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے بارے میں سن لیجیے، انہوں نے ایک جلیل القدر اور بدری صحابی رضی اللہ عنہ کو مجہول کہہ دیا، چنانچہ انہوں نے حضرت مدلاج بن عمرو السُلَمِی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

لایُدریٰ من ھو؟

''نہیں جانا جاسکا کہ یہ کون ہے؟''۔

(میزان الاعتدال ج ٦ ص ۳۹۳)

حالانکہ یہ جلیل القدر صحابی بدر، اُحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور ۵۰ھ میں وفات پائی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح فرمائی ہے۔

(لسان المیزان ج ٦ ص ۲۷۱، ۲۷۲)

اس سے قبل آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے **"میزان الاعتدال"** کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحابہ اور ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں لائیں گے کیونکہ وہ جرح سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن وہ حضرت مدلاج بن عمرو السلمی کا ذکر لائے ہیں، پھر تعجب یہ ہے کہ وہ اپنی دوسری کتاب میں حضرت مدلاج رضی اللہ عنہ کو صحابہ اور معروفین میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

(تجرید أسماء الصحابة للذهبي ج ۲ ص ٦٦)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت ومرتبہ بیشک مسلّمہ ہے لیکن اس حدیث میں ہم اُن کے دل کی گواہی کو تسلیم کرنے سے معذور ہیں۔ ہمارا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ چادرِ تطہیر میں جو چار نفوسِ مقدسہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور رب تبارک وتعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے نجران کے عیسائیوں کے

خلاف مباہلہ میں جو چار نفوسِ مقدسہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ جنت میں بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ہی کے درجہ میں ہوں گے، سو اگر وہ داخلۂ جنت کے وقت بھی آپ کے ساتھ ہوں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ باقی رہا محبانِ اہل بیت کرام علیہم السلام کا معاملہ کہ وہ بھی اہل بیت کے پیچھے ہوں گے تو یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں، اس لیے کہ تمام صحابہ کرام ﷡ اور جملہ مخلص اہل اسلام محبانِ اہل بیت ہی ہیں، سو اگر وہ اہل بیت کے پیچھے پیچھے جائیں گے تو سب کی اضافی اولیت اپنی اپنی جگہ مگر یہ پیچھے پیچھے جانا بھی قرین قیاس ہے۔

بہرکیف ہم یہ بات قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں کہ وہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی بات قبول کریں یا اپنے یا کسی دوسرے کے دل کی مانیں۔ لا إکراہ فی الدین. (دین میں کوئی جبر نہیں)۔

الحديث الخامس والثلاثون:

أفضل نساء أهل الجنة

عن إبن عباس مرفوعاً أفضلُ نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، ومريم بنت عمران، وآسية بنت مُزاحم.

[رواه أحمد والترمذي بإسناد صحيح]

پینتیسویں حدیث: جنت میں افضل خاتون

حضرت ابن عباس ﷠ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اہل جنت کی خواتین میں افضل خاتون خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۲۹۳، ۳۱۶ وطبعة أخرىٰ ج ۱ ص ۸۰۳۷۵۲ رقم ۲۶۶۸، ۲۹۰۳، فضائل الصحابة ج ۲ ص ۹۵۳ رقم ۱۳۳۹، مسند أبي يعلىٰ ج ۲ ص ۵۵۷ رقم ۲۷۱۴، المستدرك ج ۳

ص ۱٦۰، ۱۸٥، وطبعة أخرىٰ ج ٤ ص ۱٤۷، ۱۸٥ رقم ٤۸۰۸، ٤۹۰٤، مسند فاطمة الزهراء ص ٦۱ رقم ۱٤۰، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۲ وطبعة أخرىٰ ج ۹ ص ۲٥۷ رقم ۱٥۲٦۸، ذخائر العقبىٰ ص ٥٥)

مذکورہ چار خواتین میں سب سے افضل کون؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چار میں سے پھر کون افضل ہے؟ اگر کہا جائے کہ جس خاتون کا نام پہلے ہے وہی افضل ہے تو یہ توجیہ اس لیے درست نہیں ہوگی کہ حضرت انس اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث میں سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کا نام پہلے آیا ہے۔ لہٰذا اس سوال کو ابھی تشنہ جواب ہی رہنے دیتے ہیں، ان شاء اللہ اس کی تحقیق آگے چوتھے باب کے متن اور اس کی تشریح میں آئے گی۔

سیدہ مریم کی نبوت کے قائلین کی تردید

بعض متقدمین علماء نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی نبوت کا قول کیا ہے لیکن اس حدیث سے اُن کے قول کی تردید ہوتی ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ مریم کا ذکر غیر نبی خواتین کے ساتھ کیا ہے، اگر وہ نبیہ ہوتیں تو اُن کا ذکر اُمت کے اولیاء کے ساتھ نہ ہوتا، اس لیے کہ نبی کا مقام بالاتفاق ولی سے افضل ہے۔ اگر کہا جائے کہ قرآن کریم میں ہے کہ فرشتوں نے کہا: "يَامَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ" (اللہ نے تجھے چن لیا ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے کلام سے نبوت لازم نہیں ہو جاتی، اگر ایسا صحیح مان لیا جائے تو پھر اس آیت کا کیا جواب دیا جائے گا "وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ" (آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو وحی فرمائی) فرشتے تو بعض صحابہ کو اُن کے بستروں پر سلام کرتے تھے، سیدہ خدیجہ کو رب تعالیٰ اور جبریل علیہ السلام کا سلام آیا تو کیا اُس صحابی یا سیدہ خدیجہ کو نبی قرار دیا جائے؟ سیدہ مریم کے بارے میں بہترین عقیدہ وہ ہے جو پروردگار ﷻ نے خود بیان فرمایا ہے:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ.

"نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول، گزر چکے ہیں اُن سے پہلے بھی کئی رسول اور اُن کی

ماں صدیقہ تھیں"۔

(المائدة:٧٥)

یعنی سیدہ مریم صدیقہ تھیں نبیہ نہیں تھیں۔قارئین کرام! اس بحث کو یہاں چھیڑنے کا مقصد یہ ہے کہ آگے سیدہ مریم کے ساتھ دوسری خواتین کا تقابل آئے گا اور وہ تقابل تب ہی درست ہوسکتا ہے جب سیدہ مریم کے بارے میں نبوت کا عقیدہ نہ ہو، کیونکہ نبی کے ساتھ غیر نبی کا کیا تقابل؟۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک غیر سنی طبقہ کے نزدیک سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کچھ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں، اُن کا یہ نظریہ بلکہ عقیدہ اُن کی کتابوں میں بھی موجود ہے اور اُن کی زبانوں سے بھی اس کا اظہار سنا گیا ہے۔نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ.

گزشتہ امم کے مقابلہ میں اس امت کی روحانیت

اس حدیث سے امت مسلمہ کی قلبی اور روحانی زرخیزی کا ثبوت بھی ملتا ہے، اس لیے کہ چار افضل خواتین میں دو پچھلی تمام امتوں میں سے منتخب ہیں اور دو فقط اِس امتِ واحدہ سے ہیں۔اس مقام پر شیخ عبد اللہ بن صالح نے کیا ہی خوب لکھا ہے! وہ فرماتے ہیں:

فيه فضيلة لهذه الأمة، حيث كان منها اثنتان من سيدات أهل الجنة، وهما فاطمة وخديجة، واشتركت الأمم في السيدتين الباقيتين، وهما مريم وآسية رضي الله عنهن.

"اس حدیث میں اِس امت کی فضیلت ہے، کیونکہ اہل جنت کی سردار خواتین میں سے دو اِسی امت سے ہیں، اور وہ سیدہ فاطمہ اور سیدہ خدیجہ ہیں، اور باقی دو سردار خواتین میں تمام امتیں مشترک ہیں اور وہ سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ ہیں رضی اللہ عنہن"۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص٨٩)

کہاں ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں سے دو خواتین کا انتخاب اور کہاں فقط امتِ واحدہ سے دو خواتین کا منتخب ہونا! ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

پوری امت کے مقابلہ میں اہل بیت کی روحانیت

اگر اس حدیث میں مزید غور کیا جائے تو اہل بیت کی روحانی زمین کی زرخیزی اور اُن کا جوہر قابل پوری امت سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ بن صالح لکھتے ہیں:

وفيه منقبة عظيمة، حيث اختص آل البيت بأن سيدتين من سيداته هن من أعظم سيدات أهل الجنة، وهذه خصيصة لم يكن في بيت من بيوتات العالمين.

''اور اس حدیث میں ایک عظیم فضیلت ہے، اس حیثیت سے کہ دو سیدات حضور ﷺ کے اہل بیت سے مختص ہیں اور وہ اہل جنت کی عظیم ترین سیدات ہیں، اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو تمام جہانوں کے گھروں میں سے کسی بھی گھر کو حاصل نہیں''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص۸۹)

سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ کے مابین مفاضلہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث کے بعد لکھتے ہیں:

قال الحافظ ابن حجر: هذا نص صريح قاطع للنزاع في تفضيل خديجة على عائشة لا يحتمل التأويل.

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: سیدہ خدیجہ کی سیدہ عائشہ پر فضیلت کی بحث میں یہ حدیث ایسی قطعی صریح نص ہے جو کسی قسم کی تاویل کو قبول نہیں کرتی۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بخاری شریف کے باب ''باب تزويج النبي ﷺ خديجة وفضلها رضي الله عنها'' کی احادیث کی تشریح میں فرمائی ہے۔

(فتح الباري ج۷ ص۵۱٤)

اس مضمون کی حدیث خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں:

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ بنت رسول علیہا السلام سے کہا: کیا میں آپ کو وہ بشارت نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی؟ آپ نے فرمایا: اہل جنت کی خواتین کی سردار خواتین چار ہیں: مریم بنت عمران، فاطمہ بنت رسول اللہ، خدیجہ بنت خویلد اور آسیہ زوجہ فرعون''۔

(فضائل الصحابة ج٢ ص ٩٥٢ رقم ١٣٣٦، المستدرك ج٣ ص ١٨٥ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص ١٨٥ رقم ٤٩٠٥، مسند فاطمة الزهراء ص ٦١ رقم ١٤٣)

چونکہ ان چار افضل اور سیدات خواتین میں امہات المومنین میں سے فقط سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نام آیا ہے اور بشمول سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی اور زوجہ مقدسہ کا نام نہیں آیا اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا استدلال فرمایا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک سیدہ خدیجہ علیہا السلام کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں، اعلان نبوت کے بعد قبولیتِ اسلام میں اُن پر کوئی انسان بھی سبقت نہیں رکھتا، حتیٰ کہ اس معاملہ میں وہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر بھی ایک گونہ فضیلت رکھتی ہیں، چونکہ سیدنا علی علیہ السلام نے اُن سے چند گھنٹے بعد اظہار اسلام فرمایا تھا۔ سیدہ کی یہ ایسی فضیلت ہے کہ اس پر کسی بھی مسلمان کو اختلاف نہیں، اور جب اس بات پر قطعی اتفاق ہے تو پھر قرآن کریم کے اِس ارشاد پر کیوں نہیں توجہ کی جاتی؟

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ، اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ.

''اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت لے ہی گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں''۔

(الواقعة: ١٠، ١١)

نہ معلوم اس واضح اعلان کے باوجود سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے ساتھ دوسری ازواج مقدسہ کا مفاضلہ، موازنہ اور تقابل کیوں کیا جاتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی حکومت کے عمال اور مدبرات الامر حتیٰ کہ جبریل امین علیہ السلام ایسے فرشتوں نے اپنی گفتگو سے ہی اس مفاضلہ کا معمہ حل فرما دیا تھا۔ احادیث پاک میں

آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

يا عائش هذا جبريل يقرئك السلام، فقلت وعليه السلام ورحمة الله وبركاته، ترى مالا أرى.

''اے عائشہ! یہ جبریل ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں، فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اور اُن پر سلام، اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں، آپ جو دیکھتے ہیں ہم نہیں دیکھ سکتے''۔

(بخاري رقم ۳۷۶۸)

جبکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں کھانا لے کر آ رہی تھیں تو جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو عرض کیا: یہ خدیجہ آ رہی ہیں:

فاقرأ عليها السلام من ربها ومني.

''تو آپ اُنہیں اُن کے رب اور میری طرف سے سلام دیں''۔

(بخاري رقم ۳۸۲۰)

ایک اور حدیث میں سیدہ خدیجہ علیہا السلام کی طرف سے جواب بھی منقول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اُس وقت سیدہ خدیجہ نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں تو جبریل علیہ السلام نے کہا:

إن الله يقرىء خديجة السلام. فقالت: إن الله هو السلام، وعليك السلام ورحمة الله.

''اللہ تعالیٰ خدیجہ کو سلام فرماتا ہے۔ سیدہ نے عرض کیا: اللہ خود ہی سلام ہے، اور آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو''۔

(المستدرك ج۳ ص ۱۸۵ وطبعة أخرى ج٤ ص ۱۸٦ رقم ٤٨٠٠)

بعض احادیث میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یوں جواب منقول ہے:

إن اللّٰه هو السلام، علىٰ جبريل السلام وعليک السلام ورحمة اللّٰه وبركاته.

''اللہ خود ہی سلام ہے، اور جبریل پر سلام اور آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں''۔

(السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ص ٣٩٠ رقم ٨٣٠١)

فرشتے وہی کرتے اور کہتے ہیں جس کی انہیں اجازت ہو، اس لیے علماء کرام نے اس حدیث سے بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت ثابت فرمائی ہے۔ چنانچہ امام ابو القاسم سہیلی لکھتے ہیں:

''محدث ابو بکر بن داود سے دریافت کیا گیا کہ اماں عائشہ افضل ہیں یا اماں خدیجہ؟ تو انہوں نے کہا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی جانب سے سلام کہا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُن کے رب کی جانب سے سلام فرمایا، لہٰذا خدیجہ افضل ہیں''۔

(الروض الأنف ج١ ص٤١٨)

امام ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(فتح الباري ج٧ص ٥١٩، المواهب اللدنية ج٢ ص٧٨، زرقاني على المواهب ج٤ ص٣٧٢)

سیدہ خدیجہ کی اعلیٰ ذہانت

اس حدیث سے سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کی اعلیٰ ذہانت اور فقاہت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''علماء کرام فرماتے ہیں: اس سے سیدہ خدیجہ کی وسیع ذہانت کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ انہوں نے یوں نہیں کہا ''وَعَلَيْهِ السَّلَامُ'' (اور اُس پر سلام) جیسا کہ بعض صحابہ کرام نے التحیات میں کہہ دیا تھا ''السلام على الله'' (اللہ پر سلام) تو نبی کریم ﷺ نے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ ہی ''السلام'' ہے۔ اس سے سیدہ خدیجہ کی فہم

ظاہر ہوتی ہے[۱] کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر مخلوق کی طرح سلام نہیں لوٹایا کیونکہ "السلام" اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے، نیز یہ ایک سلامتی کی دعا ہے، اس لیے دونوں طرح اس کا اللہ کی طرف لوٹانا درست نہیں، وہی "السلام" ہے، اسی سے سلامتی مانگی جاتی ہے اور اسی سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق فقط اُس کی ثنا ہے، اس لیے سیدہ خدیجہ نے اللہ تعالیٰ کے سلام کے جواب میں فقط اُس کی ثنا کر دی اور اُس کے اور مخلوق کے مابین ایک فرق کر دیا اور کہا: جبریل پر سلام، پھر کہا: اور آپ پر سلام۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو سلام بھیجے اُس پر سلام لوٹایا جائے اور جو سلام پہنچائے اُس پر بھی سلام بھیجا جائے"۔

(فتح الباري ج۷ ص۵۱۹)

یہ اعلیٰ ذہانت ہی کی برکت تھی کہ سیدہ نے آئندہ زندگی میں نکاح کا ارادہ ترک کر رکھا تھا اور بڑے بڑے رئیسوں کے پیغاماتِ نکاح کو ٹھکرا دیا تھا مگر جب ایک پچیس سالہ نوجوان کے اندر غیر معمولی خوبیاں تاڑ لیں تو اُس کے ساتھ نکاح کرنے کی خود ہی راہ ہموار فرمائی اور کونین کی خوبیاں جمع کر لیں۔ اللہ اکبر! پھر یہ بات بھی اُن کی اعلیٰ ذہانت پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا اس قدر خیال رکھا کہ اُن کی حیات میں سرورِ عالم ﷺ نے کوئی اور نکاح نہ فرمایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[۱] سیدہ خدیجہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا، جبریل امین علیہ السلام نے وہ سلام حضور ﷺ کو پہنچایا اور نبی کریم ﷺ نے وہ سلام سیدہ کو پہنچایا اور چونکہ اس سلام کو پہنچانے میں دو واسطے تھے اور جس کی طرف سے سلام آیا تھا وہ خالق عزوجل کی ذاتِ پاک تھی اس لیے سیدہ نے ان تینوں کو اُن کی شان کے مطابق جواب دیا۔ اگر سلام کسی مخلوق کی طرف سے آیا ہوتا تو جواب یوں ہوتا: عَلَيْكَ وَعَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ. (یعنی اے سلام پہنچانے والے آپ پر اور اُن دونوں پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں) ہمارے پاس جب سلام آتا ہے تو عموماً اس میں فقط دو ہی شخص ہوتے ہیں، ایک سلام بھیجنے والا اور دوسرا پہنچانے والا، لہٰذا ہمیں جواب یوں دینا چاہیے: عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ. (آپ پر اور اُس پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں)۔

”نبی کریم ﷺ نے مکافات کے طور پر سیدہ خدیجہ کی حیات میں کوئی اور نکاح نہیں کیا تھا۔ پس امام مسلم امام زھری کی سند سے از عروہ از سیدہ عائشہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہ پر کوئی سوکن نہیں ڈالی یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوگیا“ اور یہ ایسی بات ہے جس میں محدثین کرام کا کوئی اختلاف نہیں، اور اس میں دلیل ہے کہ سیدہ خدیجہ کی نبی کریم ﷺ کے ہاں بہت عظمت تھی، اور اس میں اُن کی مزید فضیلت یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے غیر سے بے نیاز کردیا تھا اور انہوں نے دوسری ازواج مقدسہ کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کی دوگنا سنگت حاصل فرمائی ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے اُن کے ساتھ شادی کرنے کے بعد کل زندگی اڑتیس [۳۸] برس گزاری ہے، اِن میں سے مکمل پچیس [۲۵] برس فقط سیدہ خدیجہ کے حصہ میں آئے، اور اس طویل عرصہ میں اُن کا قلب سوکنوں کی غیرت وغیرہ کی وجہ سے جو طبیعت مکدر ہوتی ہے اس سے محفوظ رہا اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس میں اُن کا کوئی شریک نہیں“۔

(فتح الباري ج۷ص ۵۱۷)

یاد رکھئے! انسان کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے جو نعمتیں بھی حاصل ہوتی ہیں سب عقل کی بدولت حاصل ہوتی ہیں، اور اُن میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ شکر کی بدولت ہوتا ہے اور شکر کا جذبہ عقل کے مرہونِ منت ہے، گویا عقل سب سے عظیم نعمت ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی مشہور آیت "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ......" میں جو لفظ امانت آیا ہے اُس سے مراد عقل لی ہے، وہ لکھتے ہیں:

قيل: هي كلمة التوحيد وقيل العدالة، وقيل حروف التهجي، وقيل العقل وهو صحيح فإن العقل هو الذي لحصوله يتحصل معرفة التوحيد وتجرى العدالة وتُعلمُ حروفُ التهجي بل لحصوله تعلُّمُ كل ما في طوق البشر تعلُّمُه وفعل ما في طوقهم من الجميل فعلُه وبه فُضِّلَ على

كثير مِمَّنْ خَلَقَهُ.

''ایک قول یہ ہے کہ یہاں "أمانة" سے مراد کلمۂ توحید ہے، دوسرے قول کے مطابق عدل ہے، تیسرے قول کے مطابق حروفِ تہجی ہیں، اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہاں امانۃ سے مراد عقل ہے، اور یہی صحیح ہے کیونکہ عقل ہی وہ نعمت ہے، جس کے حصول پر معرفتِ توحید حاصل ہوتی ہے اور انصاف قائم ہوتا ہے اور حروفِ تہجی (الف سے لیکر ''ي'' تک تمام حروف) کو جانا جاتا ہے بلکہ عقل کی بدولت ہی وہ تمام علوم سیکھے جاتے ہیں جو بشر کی طاقت کے دائرہ میں آتے ہیں اور تمام وہ افعالِ جمیلہ ادا کیے جاتے ہیں جو انسان کی رسائی میں ہیں، اور اسی سبب سے بشر کو بہت سی مخلوق پر فضیلت بخشی گئی''۔

(المفردات في غريب القرآن للأصفهاني ج۱ ص۳۲)

معلوم ہوا کہ تمام نعمتوں کے حصول کا بڑا سبب عقل ہے اور چونکہ سیدہ خدیجہ علیہا السلام کو وافر عقل حاصل تھی اس لیے وہ دارین کی تمام نعمتیں سمیٹنے میں کامیاب ہوئیں۔

سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ کے مفاضلہ میں فیصلۂ نبوی ﷺ

علماء کرام نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے مابین تقابل پر متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے اور سیدہ خدیجہ کی افضلیت بیان فرمائی ہے لیکن اگر اس سلسلے میں نبوی فیصلہ پیشِ نظر ہو تو استدلال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عن عائشة، قالت كان النبي ﷺ إذا ذكر خديجة أثنىٰ عليها فأحسن الثناء، قالت: فغرت يوماً فقلت: ما أكثر ما تذكرها حمراء الشدق، قد أبدلك الله ﷻ خيراً منها، قال: ما أبدلني الله ﷻ خيراً منها، قد آمنت بي إذ كفر بي الناس، وصدقتني إذ كذبني الناس، وواستني بمالها إذ حرمني الناس، ورزقني الله ﷻ ولدها.

''ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ

جب سیدہ کا ذکر کرتے تو اُن کی تعریف فرماتے اور خوب تعریف فرماتے۔ فرماتی ہیں:
پس ایک دن مجھے غیرت آئی تو میں نے کہا: کیا آپ اُس سرخ جبڑوں والی عورت کو یاد کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ ﷻ نے آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمادی ہیں۔
فرمایا: اللہ ﷻ نے مجھے اُن سے بہتر بیویاں عطا نہیں فرمائیں، وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی تھیں جب لوگوں نے انکار کردیا تھا، انہوں نے اُس وقت میری تصدیق کی تھی جب لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا تھا، انہوں نے اُس وقت اپنے مال سے میری اعانت کی تھی جب لوگوں نے مجھے محروم کردیا تھا اور اللہ ﷻ نے مجھے اُن سے اولاد عطا فرمائی"۔

(مسند أحمد ج٦ ص١١٨ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٢٠٤ رقم٢٥٣٧٦، الاستيعاب ج٤ ص٣٨٤، صفة الصفوة ج ٢ ص٤، إتحاف الخيرة المهرة ج ٧ ص٢٤٥ رقم٦٧٧٥، سير أعلام النبلاء للذهبي ج٢ ص ٤٢٤، السمط الثمين في مناقب أمهات المومنين ص٤٢، جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي ج ٣ ص٥٤٩، فتح الباري ج٧ ص١٢١ ٥، المواهب اللدنية ج٢ ص٧٨، سبل الهدى ج ١١ ص١٥٨، شرح الزرقاني على المواهب ج٤ ص ٣٧٢، نساء مبشرات بالجنة ص٣٣)

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص٢٢٥ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٣٦١ رقم١٥٢٨١)

ایسی تصریحات کے پیش نظر محدث کبیر امام زین الدین بن الحسین العراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی منظوم "سیرۃ" کی تصنیف میں دوٹوک انداز میں فرمایا تھا:

أفضلهن مطلقا خديجةُ
وبعدها عائشةُ الصديقةُ

"تمام امہات میں مطلقاً افضل سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے بعد سیدتنا عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس منظوم سیرت کی شرح میں امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید فرمائی ہے۔

(نظم الدرر السنية في السيرة النبوية، للعراقي ص ١٠٠، العجالة السنية للمناوي ص ١٥٢)

فائدہ

چونکہ ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی حقیقی امی ہیں اور سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کی ساس امی ہونے کے علاوہ تربیت کرنے میں بھی اُن کی ماں ہیں، اس لیے میں چاہتا تھا کہ اُن کا کچھ تذکرہ ہو جائے، اور یہاں چونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اُن کے مفاضلہ کے بارے میں ایک جملہ لے آئے، اس لیے راقم نے حصولِ برکت کی خاطر مفاضلہ ہی کے طور پر اُن کا کچھ ذکر کر دیا ہے، ورنہ تفصیل تو مکمل کتاب کا تقاضا کرتی ہے۔

الحديث السادس والثلاثون: تبادل المودة والحنان بينها وبين أبيها

عن أبي ثعلبة الخشني قال: كان رسول الله ﷺ إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فصلّى ركعتين ثم ثنّى بفاطمة، ثم يأتي أزواجه، فقدم من سفر فصلى ركعتين، ثم أتى فاطمة، فتلقته على باب القبة، فجعلت تقبل فاه، وعينيه، وتبكي، قال: ما يبكيك [يا بنية]؟ قالت: أراك شعثاً، أيضاً قد اخلولقت ثيابك! فقال لها: لا تبكي، فإن الله عزوجل بعث أباك بأمر لا يبقى على ظهر الأرض بيت مَدَر ولا حجر، ولا وَبر، ولا شعر إلا أدخل الله به عزاً وذلاً.

[رواه الطبراني وأبو نعيم].

چھتیسویں حدیث: سیدہ اور اُن کے بابا کے مابین تبادلۂ محبت

حضرت ابو ثعلبہ الخشنی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر سیدہ فاطمہ کے پاس آتے، پھر اپنی ازواجِ مقدسہ کے پاس آتے۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے واپس تشریف لائے دو رکعت نماز پڑھی پھر سیدہ فاطمہ کے ہاں آئے تو انہوں نے آپ کا استقبال دروازہ پر کیا، پھر وہ آپ کے دہن اقدس اور آنکھیں مبارک چومنے لگیں اور رونے لگیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پیاری بیٹی کیوں روتی ہو؟ انہوں نے عرض کی: آپ کا چہرہ اقدس غبار آلود ہے اور آپ کے کپڑے بھی غبار سے اٹے ہوئے ہیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: مت روئیں، اللہ ﷻ نے آپ کے بابا کو ایک مخصوص امر کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، روئے زمین پر گارے، اینٹ، اون و ربالوں (کے خیمے وغیرہ) سے بنا ہوا کوئی گھر ایسا نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس امر کو ہر گھر میں سختی اور نرمی سے ضرور داخل فرمائے گا۔

اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔

(حلية الأولياء ج٢ ص٣٨، وج٦ ص١٣٣، المستدرك ج١ ص٤٨٩ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص١٥٥ رقم ١٨٤٠، الاستيعاب لابن عبدالبر ج٤ ص٤٤٩، ذخائر العقبىٰ ص٤٩، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٢٣ رقم١ وص٤١ رقم٣٨)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باپ بیٹی کی باہمی محبت کے تبادلے کا عنوان قائم کیا ہے اور وہ اس حدیث میں ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر سے واپسی پر خالق کی بارگاہ میں حاضری کے بعد مخلوق میں سب سے پہلے سیدہ کائنات کے ہاں تشریف لیجاتے اور سیدہ کی اپنے بابا سے محبت تو اس حدیث میں بالکل واضح ہے۔ نیز جانبین کی اس محبت کا کچھ نمونہ آگے اُنچاسویں حدیث میں بھی آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خیال رہے کہ جو لوگ پاکیزہ خیال ہوں وہ اس بات کو سنت تصور کر کے اپنا سکتے ہیں لیکن دوسروں

کو ہرگز اجازت نہیں، جیسا کہ ہمارے دور کے حالات اس احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں۔

الحديث السابع والثلاثون:

عظم مكانتها عند أبيها

عن ثوبان: كان رسول الله ﷺ إذا سافر آخر عهده إتيان فاطمة، وأول من يدخل عليه إذا قدم فاطمة.

[رواه أحمد والبيهقي].

سینتیسویں حدیث: سیدہ کا اپنے بابا کے ہاں مقام

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ کے ہاں تشریف لاتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ کے ہاں قدم رنجہ فرماتے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج٥ ص٢٧٥ وطبعة أخرىٰ ج٧ ص٤٤٩ رقم٢٢٧٢١، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج١ ص٢٦ وطبعة أخرىٰ ج١ ص٤١ رقم ٩٧، سنن أبي داود ج٤ ص ١١٥ رقم٤٢١٣، ذخائر العقبىٰ ص٤٩، سبل الهدىٰ ج١١ ص٤٥)

سب سے زیادہ پیاری کون

ان دونوں احادیث میں جو معمولِ نبوی ﷺ مذکور ہے اُس میں آپ بار بار توجہ فرمائیں کہ سیدہ اپنے بابا کو کتنا محبوب تھیں! اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کی ذہانت کا بھی اندازہ لگائیں جو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مابین تقابل کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اِن میں سے حضور ﷺ کو زیادہ محبوب کون تھیں؟ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ۔

غور کیجیے کہ نبی کریم ﷺ مشنِ الٰہی کی تکمیل کے لیے ضروری سفر پر جاتے وقت آخر میں سیدہ کائنات کو مل کر جا رہے ہیں اور واپسی پر سب سے پہلے اُنہیں کو شرف زیارت بخش رہے ہیں تا کہ اُن کے اور حضور ﷺ کے درمیان جدائی کا دورانیہ کم سے کم ہو۔

ہوں لمحاتِ جدائی کم سے کم

سید الکونین ﷺ کو سیدہ فاطمہ اِس قدر محبوب تھیں کہ آپ کو اُن کی جدائی گوارا ہی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ جب سیدہ کی شادی ہوگئی تو آپ سے اُن کی رہائش کی دوری برداشت نہ ہوئی، حالانکہ وہ رہائش مدینہ میں ہی ہوگی اور وہاں کے لوگ بھی اذان سن کر نماز کے لیے آتے ہوں گے، لیکن آپ نے سیدہ کو مزید اپنے قریب لانا چاہا۔ چنانچہ امام ابن سعد امام ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں:

”جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں سال بھر قیام فرمایا، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء کے ساتھ نکاح کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ گھر تلاش کرو، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی رہائش سے تھوڑا سا دور گھر حاصل کیا، اُسی میں شادی ہوئی، پھر نبی کریم ﷺ سیدہ کو ملنے کے لیے تشریف لے گئے تو فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے قریب کرلوں تو سیدہ نے عرض کیا: آپ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے بات کریں کہ وہ ہمارے ساتھ مکان کا تبادلہ کرلیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اس سے قبل بھی حارثہ کے ساتھ مکان کی تبدیلی کا معاملہ کر چکے ہیں، لہٰذا اب مجھے ان سے شرم آتی ہے، یہ بات حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب لانا چاہتے ہیں اور یہ میرے مکانات ہیں جو آپ کے قریب ترین ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ (نیز عرض کیا:) ”وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْمَالُ الَّذِيْ تَأْخُذُنِيْ أَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الَّذِيْ تَدَعُ“ (یارسول اللہ!

[رواه الديلمي وحكم بعضهم بوضعه].

انتالیسویں حدیث: بابِ جنت پر سیدہ کا نام

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: شبِ معراج جب مجھے آسمان کی طرف عروج ملا تو میں نے بابِ جنت پر لکھا ہوا دیکھا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، علی اللہ کے محبوب ہیں، حسنین کریمین اللہ کے برگزیدہ ہیں اور فاطمہ اللہ کی باندی ہے رضی اللہ عنہا۔

اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے اور بعض نے اس کو موضوع کہا ہے۔

یہ حدیث مجھے "مسند الفردوس" میں نہیں ملی، البتہ اس کو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، اور اس کے آخری الفاظ مذکورہ حدیث سے کچھ فرق کے ساتھ یوں ہیں:

فاطمة خيرة الله، علىٰ باغضهم لعنة الله.

"فاطمہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے، ان سب سے بغض رکھنے والے پر اللہ کی لعنت ہے"۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے: اس سند کے ساتھ یہ حدیث منکر (اوپری) ہے، اور علی بن حماد مستقیم الروایات ہے وہ اس جیسی روایات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۷۴)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تو اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے، اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، اور جب اہل بیت کی شان میں اس سے زیادہ واضح اور صحیح احادیث موجود ہیں تو ہمیں ایسی روایات کی حاجت ہی کیا ہے؟ جب تمام اہل بیت ہی سردارانِ جنت ہیں تو اگر ان سب کے نام دروازۂ جنت یا اندرونِ جنت جہاں بھی مرقوم ہوں سب قرین قیاس ہے مگر ہم کسی بھی سلسلہ میں احادیث موضوعہ کو چلانے سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتے ہیں، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "وحکم بعضهم بوضعه" کے الفاظ سے اسی احتیاط کا ثبوت دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔

الحديث الأربعون: الكلمات التي تلقاها آدم

عن إبن عباس قال: سألت المصطفى عن الكلمات التي تلقاها آدم من ربه فتاب عليه قال: سأل بحق محمد، وعليّ، وفاطمة، والحسن، والحسين.

چالیسویں حدیث: وہ کلمات جو آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کلمات کے متعلق دریافت کیا جو آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے تھے تو اُن کی بدولت رب تعالیٰ نے اُن پر کرم فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: انہوں نے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے وسیلے سے سوال کیا تھا۔

اہل بیت کا وسیلہ

خدا جانے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟ بہر حال امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کی دو حدیثیں اسی آیت کے تحت ذکر فرمائی ہیں۔ ایک دیلمی کے حوالہ سے طویل حدیث جس کی سند کو انہوں نے کمزور کہا ہے اور دوسری اِن ہی الفاظ میں امام ابن النجار کے حوالے سے نقل فرمائی ہے اور اُس پر خاموشی اختیار فرمائی ہے۔

(الدر المنثور ج۱ ص ۱۴۷)

حضرت آدم علیہ السلام کو "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا......" کے علاوہ جو الفاظ سکھائے گئے اُن میں زیادہ مشہور یہ حدیث ہے۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام نے (صورۃً) خطا کی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور

اہل سنت کے نزدیک نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے تو آدم علیہ السلام غیر افضل کو کیونکر وسیلہ بنا سکتے ہیں؟ اس پر جواباً عرض ہے کہ مفضول (غیر افضل) کو بھی وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام طبرانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی مرتضیٰ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے سرہانے بیٹھ کر فرمانے لگے: اے میری امی! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے، آپ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں اور مجھے پیٹ بھر کھلاتی تھیں، آپ لباس میں مجھے خود پر ترجیح دیتی تھیں، آپ خود کو اچھی غذا سے دور رکھتی تھیں اور مجھے اچھا کھلاتی تھیں اور یہ سب کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دارِ آخرت کے لیے کرتی تھیں۔

پھر آپ نے انہیں تین مرتبہ غسل دینے کا حکم فرمایا، پھر جب اُس پانی کے استعمال کا موقعہ آیا جس میں کافور ملا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے ڈالا، پھر آپ نے اپنا قمیص اتار کر اُنہیں پہنایا اور کفن اُس قمیص کے اوپر ڈالا، پھر حضرت اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک سیاہ غلام رضی اللہ عنہم کو قبر کھودنے کا حکم فرمایا، انہوں نے قبر تیار کی جب لحد تک پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحد اپنے دستِ مبارک سے خود تیار فرمائی اور اپنے ہاتھوں سے مٹی باہر نکالی، فارغ ہو کر قبر میں اترے اور اس میں لیٹ گئے، پھر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

اللّٰه الذي يحيي ويميت وهو حي لا يموت اغفر لأمي فاطمة بنت أسد ولقنها حجتها ووسع عليها مدخلها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي فإنك أرحم الراحمين .

اللہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، ان پر جواب القا فرما، ان کی قبر کو کشادہ فرما، بلاشبہ تو سب سے زیادہ

رحم فرمانے والا ہے۔

پھر آپ ﷺ، سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں قبر میں اتارا"۔

(المعجم الكبير ج١٠ ص٣٣٧ رقم٢٠٣٢٤، المعجم الأوسط ج١ ص١٥٢،١٥٣ رقم ١٩١، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٥٦،٢٥٧ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٤١٥ رقم١٥٣٩٩، مجمع البحرين ج٣ ص٤٢٣ رقم٣٨٢٩)

غور فرمائیے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے علاوہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے بھی دعا مانگی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ افضل کا مفضول کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے، لہٰذا زیر تشریح حدیث سنداً کتنا ہی کمزور ہو بہرحال سیدنا آدم علیہ السلام کا پنجتن کے وسیلہ سے دعا مانگنا شرعاً اور عقلاً درست ہے۔ جب بابا نے پنجتن کا وسیلہ پیش کیا تو بچوں کو بھی کہنا چاہیے۔

خدایا بحق بنی فاطمہ	کہ برقولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم ردکنی ورقبول	من ودست ودامانِ آل رسول

یا یوں عرض کیا جائے:

یارب بطفیلِ نبیی الحرمین	ثانی غذاکنندۂ بدروحنین
جرمِ مادونیمہ بکن درعرصات	نیمے بحسن بخش نیمے بحسین

الحديث الحادي والأربعون:

سيدة نساء عالمها

عن عمران بن حصين أن نبيّ الله ﷺ عاد فاطمة وهي مريضة فقال لها: كيف عيناك يابنية؟ أماترضين أن تكوني سيدة نساء العالمين، قالت: فأين مريم بنت عمران؟ قال تلك سيدة نساء عالمها، وأنت سيدة نساء عالمك،

واللہ لقد زوجك سيداً فى الدنيا والآخرة.

[رواه الحاكم عن عائشة]

اکتالیسویں حدیث: اپنے زمانے کی خواتین کی سیدہ ہونا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ بیمار ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے اُن کی عیادت فرماتے ہوئے پوچھا بیٹی تمہاری آنکھیں کیسی ہیں؟ پھر فرمایا: تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عالمین کی خواتین کی سیدہ بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: تو مریم بنت عمران کا کیا مقام ہوگا؟ فرمایا: وہ اپنے زمانے کی سیدہ تھیں اور تم اپنے زمانے کی سیدہ ہو، اور خدا کی قسم! تمہارا شوہر بھی دنیا و آخرت میں سردار ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(فضائل فاطمة الزهراء للحاكم عن عمران بن حصين ص ١٣٠، ١٣١ رقم ١٨٤، ١٨٦، تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج ٩ ص ١٠٢ رقم ٦٤٠٦، حلية الأولياء ج ٢ ص ٥٢ رقم ١٤٥٠، سنن الأصفهاني ج ٢ ص ٦٤٣ رقم ٣٧٠٦، تاريخ دمشق لابن عساكر ج ٤٢ ص ١٣٤، مختصر تاريخ دمشق لابن منظور ج ١٧ ص ٣٤١، ٣٤٢، ذخائر العقبىٰ ص ٥٦، سير أعلام النبلاء للذهبي ج ٣ ص ٤٢٩، إتحاف الخيرة المهرة ج ٧ ص ٢٣٤ رقم ٦٧٤٣، الثغور الباسمة في مناقب فاطمة للسيوطي ص ٢٩ رقم ٣٩)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے شروع میں راوی کا نام عمران بن حصین لکھا ہے اور آخر میں لکھ دیا ہے کہ اس کو امام حاکم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، حالانکہ اس متن کے ساتھ یہ حدیث ام المومنین سے منقول نہیں ہے۔ "المستدرک" میں ام المومنین سے جو حدیث منقول ہے اُس میں سیدہ کی بیماری کا ذکر نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی بیماری کا ذکر ہے، اور اُس میں سیدہ مریم کے بارے میں سوال وجواب کا ذکر نہیں ہے، اور آخر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیادت دنیوی اور اخروی کا ذکر بھی نہیں ہے، البتہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیادت کا ذکر موجود ہے۔

فائدہ

قارئین کرام کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کا یہ جملہ "تلك سيدة نساء عالمها، وأنت سيدة نساء عـالـمك" (وہ اپنے زمانے کی سیدہ تھیں اور تم اپنے زمانے کی سیدہ ہو) ذہن نشین رکھیں آگے چل کر کام آئے گا۔

الحديث الثاني والأربعون:

خير نسائها

عن علـيّ رضي الله عنه: قال رسول الله ﷺ: خير نسائها مريم، وخير نسائها فاطمة. [رواه الترمذي]

بیالیسویں حدیث: سیدہ کا اپنی خواتین کی سیدہ ہونا

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت مریم اپنی خواتین کی سیدہ تھیں اور سیدہ فاطمہ اپنی خواتین کی سیدہ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو التباس ہوا ہے، ان الفاظ میں یہ حدیث جامع الترمذی میں نہیں ہے، البتہ جامع الترمذی میں سیدہ فاطمہ کی بجائے سیدہ خدیجہ کا ذکر ہے، اور ایسا ہی بخاری اور مسلم میں ہے۔ تعجب ہے کہ امام احمد بن ابوبکر البوصیری اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما کو بھی یہ مغالطہ لگا ہے، انہوں نے بھی مصنف رحمہ اللہ کی طرح ان الفاظ میں حدیث نقل کر کے اس پر جامع ترمذی کا حوالہ نقل کر دیا ہے۔ دیکھئے:

(إتحاف الخيرة المهرة ج٧ ص ٢٣٢ رقم ٦٧٣٧، المطالب العالية ج٤ ص٦٨ رقم ٣٩٨٢)

نہ معلوم ان حضرات سے ایسا کیوں ہوا؟ یا تو ان کے سامنے جامع ترمذی کا کوئی نسخہ ہی ایسا ہو گا یا

پھر پہلے کسی ایک کو غلطی لگی تو بعد میں دوسرے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے چلے گئے، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک کتاب کی غلطی کئی کتابوں میں چلتی رہتی ہے۔ اس پر ہمارے پاس بہت مثالیں ہیں لیکن یہاں ایسی مثالوں کو پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔ تضادات، اغلاط، تحریف، ترمیم اور خطاؤں سے پاک فقط میرے رب قدوس ﷻ کی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔

خیال رہے کہ جامع ترمذی بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ بعض دوسری کتب حدیث میں ان الفاظ میں یہ حدیث ملتی ہے اور متن کی اگلی حدیث ان ہی الفاظ میں ہے۔

سیدہ خدیجہ کی سیدہ مریم پر فضیلت

جامع ترمذی، بخاری اور مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

خير نسائها خديجة بنت خويلد و خير نسائها مريم بنت عمران.

''حضرت خدیجہ بنت خویلد اپنی خواتین کی اور سیدہ مریم بنت عمران اپنی خواتین کی سیدہ ہیں''۔

(جامع الترمذي ص ٨٧٥ رقم ٣٨٧٧، بخاري ص ٥٧٨، ٦٤٠ رقم ٣٤٣٢، ٣٨١٥، مسلم ص ١٠٦٩ رقم ٦٢٧١)

صحیح مسلم میں اس حدیث کے ایک راوی ابو کریب بیان کرتے ہیں کہ حضرت وکیع نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے زمین و آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ان دونوں خواتین کو اپنے اپنے زمانے میں زمین و آسمان کی تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر یہ اپنے اپنے زمانہ کی تمام خواتین سے افضل ہیں تو سیدہ خدیجہ سیدہ مریم سے افضل قرار پاتی ہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، اور قرآن کریم میں ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے بہتر امت ہے، لہٰذا جس کسی کو اس امت میں سیادت حاصل ہو اُس کی سیادت کا پچھلی امتوں کی سیادت سے افضل ہونا لازم ہے، ماسوا نبوت کے۔

آئندہ سطور میں ہمارے اس استدلال کی تائید میں بعض محدثین کرام کی تصریح آ رہی ہے۔

اپنی خواتین سے افضل ہونے کا مطلب

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کے مطابق اس حدیث میں ہے کہ سیدہ فاطمہ اپنی خواتین سے بہتر ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے کی خواتین سے بہتر ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"پہلی ضمیر "ھا" اُس امت کی طرف لوٹتی ہے جس میں سیدہ مریم تھیں اور دوسری ضمیر اِس امت کی طرف لوٹتی ہے"۔

(شرح الطيبي على المشكاة ج١٢ص ٣٩٢٠، قوت المغتذي للسيوطي ج٣ص ١٢٩٠)

اگلی حدیث کے متن سے ہی یہ مفہوم واضح ہے، لہٰذا اس حدیث میں سیدہ مریم کے مقابلہ میں سیدہ خدیجہ کو سمجھا جائے یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن کو دونوں کی سیدہ مریم پر افضلیت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یہ دونوں افضل زمانے اور افضل امت میں ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تو اپنے زمانے کی خواتین پر فضیلت ایسی واضح تھی کہ اُن کی شخصیت و کردار سے ہی عیاں ہوتی تھی۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو کسی فرمانِ نبوی ﷺ کے بغیر محض اپنی فراست و دانائی کی روشنی میں اپنی ہم عصر تمام خواتین سے سیدہ فاطمہ کو افضل سمجھتی تھیں، جیسا کہ آگے انچاسویں حدیث میں اس بات کی تصریح آ رہی ہے بلکہ دوسری بعض احادیث کی رو سے وہ سیدہ فاطمہ کو اُن کے بابا کے علاوہ تمام مردوں اور عورتوں سے افضل سمجھتی تھیں، اور یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

الحديث الثالث والأربعون:

خير نساء عالمها

عن عروة قال: قال رسول الله ﷺ: مريم خير نساء عالَمِها، وفاطمة خير نساء عالَمِها.

[رواه الحارث بن أسامة].

تینتالیسویں حدیث: سیدہ کا اپنے دور کی خواتین سے بہتر ہونا

حضرت عروہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت مریم اپنے جہاں کی خواتین سے بہتر تھیں اور فاطمہ اپنے جہاں کی خواتین سے بہتر ہیں۔

اس حدیث کو حارث بن اسامہ نے روایت کیا ہے

(بغية الباحث في زوائد مسند الحارث ص ۹۰۹ رقم ۹۹۰، إتحاف الخيرة المهرة ج۷ ص ۲۳۲ رقم ۶۷۳۷، المطالب العالية ج٤ ص ٦٨ رقم ۳۹۸۲، الخصائص الكبرىٰ ج۲ ص ۳٤۸، وطبعة أخرىٰ ج۲ ص ۳۸۳، قوت المغتذي للسيوطي ج۳ ص ۱۲۹۲، سبل الهدىٰ ج۱۱ ص ۱٦۲)

زمانی فضیلت سے صرف نظر کیوں؟

۴۱ویں حدیث کے اور اِس حدیث کے الفاظ انتہائی اہم ہیں، اس لیے کہ ان میں وضاحت آ گئی ہے کہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی فضیلت فقط اپنے زمانے کی خواتین پر تھی۔ نہ معلوم ایسی واضح احادیث کے باوجود بعض لوگ رائے زنی سے کیوں کام لیتے ہیں، حالانکہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ذاتی رائے سے احادیثِ صحیحہ اور حسنہ تو کیا ضعیف حدیث بھی بہتر ہے۔

بعض احادیث میں تو اور زیادہ وضاحت آئی ہے۔ چنانچہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

خير نسائها مريم بنت عمران هي خير نسائها يومئذ.

”مریم بنت عمران اپنی عورتوں سے بہتر ہے، وہ اُسی وقت اپنی عورتوں سے بہتر تھیں“۔

(مختصر تاريخ دمشق ج۲٦ ص ۸۵)

الحديث الرابع والأربعون:
سيدة نساء أهل الجنة

عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ قال: فاطمة سيدة نساء أهل الجنة إلا ما كان من مريم بنت عمران.

[رواه أبو نُعيم].

چوالیسویں حدیث: خواتینِ جنت کی سیدہ ہونا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سیدہ ہیں، ماسوا اس کے جو مریم بنت عمران سے تھا۔

اس حدیث کو امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج٣ ص٦٤، ٨٠، وطبعة أخرى ج٤ ص١٦٣، ٢٠١، رقم١١٦٤١، ١١٧٧٨، فضائل الصحابة ج٢ ص١٣٣١ وص٩٦٧ رقم١٣٦٠، السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص٤٥٥ رقم ٨٤٦١ وطبعة أخرى ج٥ ص١٤٥ رقم٨٥١٤، مناقب علي والحسنين للقلعجي ص ٢٥٦ رقم٤٨٩، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠١ وطبعة أخرى ج٩ ص٣٢٤ رقم١٥١٨٩، خصائص علي بتحقيق الحويني ص١١٨ رقم ١٢٦، خصائص علي بتحقيق البلوشي ص١٤٢ رقم١٢٩)

مصنف رحمہ اللہ کا عجیب رنگ

مصنف امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بادشاہی فرمائی ہے کہ اس حدیث کو فقط امام ابو نعیم کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جس سے یہ تأثر ابھرتا ہے کہ گویا اس کو امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی دوسرے محدث نے ذکر ہی نہیں کیا ہوگا، حالانکہ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے ذکر کیا ہے۔ اس طرزِ عمل سے مصنف اعلیٰ سے اسفل کی طرف آئے ہیں اور یہ ایسا معیوب طریقہ ہے جس پر خود مصنف جا بجا "الجامع الصغير" کی شرح "فيض القدير" میں امام سیوطی کو کوستے رہتے

ہیں، رحمۃ اللہ علیہما۔

الحديث الخامس والأربعون:

سيدات أهل الجنة بعد مريم

عن إبن عباس ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: سيدات أهل الجنة بعد مريم بنت عمران فاطمة وخديجة ثم بنت مزاحم.

[رواه الطبراني في الكبير والأوسط بسند رجاله رجال الصحيح].

پنتالیسویں حدیث: سیدہ مریم کے بعد جنتی خواتین کی سیدات

حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدہ مریم بنت عمران کے بعد اہل جنت کی خواتین کی سردار خواتین فاطمہ اور خدیجہ پھر بنت مزاحم (فرعون کی بیوی آسیہ) رضي الله عنهن ہیں۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' اور ''المعجم الأوسط'' میں صحیح راویوں سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الكبير ج٥ ص٤٤٥ رقم١٢٠١٣، المعجم الأوسط ج٢ ص٦٦ رقم١١١١، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠١ وطبعة أخرى ج٩ ص٣٢٤ رقم١٥١٩٠، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٦١ رقم١٤٤)

سیدہ مریم پر سیدہ فاطمہ کی فضیلت

ہر چند کہ اس حدیث کی سند صحیح بتائی گئی ہے لیکن اس کا متن دوسری صحیح احادیث سے ٹکراتا ہے، اس میں جو لفظ ''بعد مریم'' آیا ہے اس سے حقیقی ترتیب مراد نہیں ہے۔ یہاں ہم اپنے قارئین کرام کے سامنے سیدہ فاطمہ اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہما کے ذکر میں جتنی احادیث آئی ہیں سب کا جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے صحیح نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جائے گا۔

بعض احادیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدہ کو فرمایا:

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم اِس اُمت کی عورتوں کی یا تمام مومنین کی عورتوں کی سیدہ ہو؟''

بعض میں لفظ "أوْ" یعنی "یا" کے بغیر ہے کہ تم اس اُمت کی اور عالمین کی عورتوں کی سیدہ ہو۔ بخاری اور مسلم میں تمام مومنین کی خواتین کی "سیدہ" کے الفاظ ہیں۔ بات ایک ہی ہے، اگر اُمت کی مومنات کی سیدہ فرمایا ہوتا اور عالمین کا لفظ نہ بولا ہوتا تب بھی سیدہ فاطمہ تمام خواتین کی سیدہ قرار پاتیں، کیونکہ یہ اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے، لہٰذا اِس اُمت کی خواتین کی سیدہ ہونا دوسری امتوں کی تمام خواتین کی سیدہ ہونے کو لازم ہے۔ کیا اپنی اپنی امتوں کے سردار یعنی انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن ہمارے نبی کریم ﷺ کے پرچم کے نیچے جمع نہیں ہوں گے؟ ہوں گے اور یقیناً ہوں گے، تو پھر کیا اُن کی معزز خواتین ہماری معزز خواتین پر سردار ہوں گی؟

رہی بعض احادیث میں حضرت مریم کے استثناء کی بات تو میرے خیال میں اس سے مراد یہ ہے کہ مریم ایک نبی کی ماں تھیں اور تم کسی نبی کی ماں نہیں ہو اور تمہاری اولاد نبی نہیں ہے، یہ توجیہ اس لیے ضروری ہے کہ ان سب احادیث کے الفاظ یکساں نہیں، چنانچہ بعض کے الفاظ یہ ہیں "إلا مريم بنت عمران" (ما سوا مریم بنتِ عمران کے) جبکہ بعض میں ہے "بعد مريم بنت عمران" (مریم بنتِ عمران کے بعد) اور بعض کے الفاظ ہیں "إلا ما كان من مريم بنت عمران" (ماسوا اس کے جو مریم بنت عمران سے تھا) اور ظاہر ہے کہ حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور وہ نبی ہیں۔

قرآن کی رو سے سیدہ مریم کی فضیلت اور اُس کا مطلب

قرآن کریم میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی شان میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عالمین پر برگزیدہ بنایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَالَمِينَ.

''اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے''۔ (آل عمران: ٤٢)

امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

''سیدنا ابن عباس، امام حسن بصری اور ابن جریج ﷺ نے فرمایا: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو فقط اُن کے زمانہ کی خواتین پر برگزیدہ کیا گیا تھا۔ ابن الانباری کہتے ہیں: اور یہی اکثر کا قول ہے''۔

(زاد المسیر ج١ ص ٣١٥)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''احتمال ہے کہ اس سے مراد اُن کے زمانہ کا عالَمُ (جہاں) ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

یَامُوْسیٰ اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ.

''اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر''۔ (الأعراف: ١٤٤)

اور جیسا کہ بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا تھا:

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ.

''اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو علم میں جہان والوں پر''۔ (الدخان: ٣٢)

حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور سیدنا محمد ﷺ اُن دونوں سے افضل ہیں اور اسی طرح یہ اُمت گزشتہ تمام اُمتوں سے علم میں افضل اور عمل میں زیادہ پاکیزہ ہے''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج١ ص ٥٣٢)

اس سلسلے میں مفسرینِ کرام کی تصریحات بیشمار ہیں لیکن اُنہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ بات خود حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو اُن کے زمانہ کی عورتوں پر فضیلت تھی۔ چنانچہ ۴۳ ویں حدیث میں واضح ارشاد ہے کہ ''حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی خواتین سے بہتر تھیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی خواتین سے'' اور حضرت عمران بن حصین ﷺ سے منقول ۴۱ ویں حدیث میں بھی یہی بات مذکور ہے بلکہ اُس میں تو سیدہ فاطمہ کے سوال سے اور زیادہ وضاحت ہوگئی۔

جب نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا "إنک سیدة نساء العالمین" (تم عالمین کی خواتین کی سیدہ ہو) تو چونکہ وہ قرآن کی عالمہ تھیں اس لیے انہوں نے فوراً عرض کیا: "فاین مریم ابنة عمران؟" (پھر مریم بنت عمران کا کیا حکم ہے؟) تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"وہ اپنے زمانے کی خواتین سے بہتر تھیں اور تم اپنے زمانے کی خواتین سے بہتر ہو"۔

اس حدیث کے متعلق امام شہاب الدین احمد بن ابوبکر البوصیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسے امام احمد بن منیع نے سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، چونکہ اس کے راویوں میں ایک شخص کثیر بن نواء ہے اور وہ ضعیف ہے، لیکن اس کی تقویت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس حدیث سے ہو جاتی ہے جس کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے"۔

(إتحاف الخيرة المهرة ج٧ ص ٢٣٤ رقم ٦٧٤٣)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث یہ ہے:

يا فاطمة! ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء العالمين وسيدة نساء هذه الأمة وسيدة نساء المومنين؟.

"اے فاطمہ! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ آپ عالمین کی خواتین کی سیدہ ہو اور اِس اُمت کی خواتین کی سیدہ ہو، اور تمام مومنین کی خواتین کی سیدہ ہو؟"

(المستدرك للحاكم ج٣ ص ١٥٦ وطبعة أخرى ج٤ ص ١٤١ رقم ٤٧٩٤)

غور فرمائیے نبی کریم ﷺ نے تین لفظ ارشاد فرمائے ہیں:

سيدة نساء العالمين (عالمین کی خواتین کی سیدہ)

سيدة نساء هذه الأمة (اس امت کی خواتین کی سیدہ)

سيدة نساء المؤمنين (تمام مومنین کی خواتین کی سیدہ)

لہٰذا اگر سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا مذکورالصدر احادیث کے پیش نظر اپنے ہی زمانہ کی سیدہ

ہوں تب بھی وہ مطلقاً سیدہ کائنات ثابت ہوتی ہیں، حتیٰ کہ حضرت مریم پر بھی اُن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ جس زمانہ کی اور جس اُمت کی سیدہ ہیں وہ زمانہ اور وہ اُمت تمام زمانوں اور تمام اُمتوں سے بہتر ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی عبارت میں صراحتاً یہ بات گزر چکی ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں طبقہ در طبقہ اولادِ آدم علیہ السلام کے بہترین طبقات میں مبعوث ہوتا رہا حتیٰ کہ اُس طبقہ سے مبعوث ہوا جس سے میں ہوں''۔

(بخاري ص ۵۹۷ رقم ۳۵۵۷، مشكوة ج ۲ ص ٤٢٥ رقم ۵۷۳۹)

ایک اور حدیث سے تو تمام اشکالات اور ابہامات مرتفع ہو جاتے ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا:

أي الناس خير؟ قال: القرن الذي أنا فيه.

''کون لوگ بہتر ہیں؟ فرمایا: اُس زمانہ کے جس میں مَیں ہوں''۔

(صحيح مسلم ص ۱۱۱۲ رقم المسلسل ٦٤٧٨)

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اِس اُمت کا نبی تمام انبیاء کرام علیھم السلام سے افضل، اِس اُمت کا صدیق تمام صدیقوں سے افضل، اس امت کا شہید تمام شہیدوں سے افضل، اِس امت کا ولی تمام اولیاء سے افضل اور اِس اُمت کی سیدہ عالمین کی تمام سیدات سے افضل ہے۔ اب بھی اگر کوئی ذہن تذبذب کا شکار ہو تو ہم اُس کے سامنے اور زیادہ واضح حدیث پیش کیے دیتے ہیں۔ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أربع نسوة سادات عالمهن: مريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم إمرأة فرعون، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد وأفضلهن عالماً فاطمة.

''جہان کی سردار چار عورتیں ہیں: مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی)

خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور سب سے افضل فاطمہ ہیں"۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ج ص مختصر تاریخ دمشق ج٢٦ ص٨٥، الدر المنثور للسیوطي ج٢ ص١٩٤، جمع الجوامع للسیوطي ج١ ص٣٧٨ رقم٢٧٩١، مسند فاطمة الزهراء للسیوطي ص٦٢ رقم ١٤٥، ذخائر العقبیٰ ص٥٧، کنز العمال رقم٣٤٤١، روح المعاني ج ٣ جز٣٠ ص٣٤٨)

اس حدیث کا ترجمہ مع قوسین علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں ہے۔

(تبیان القرآن ج٢ ص١٥٤، ١٥٥)

اگر دنیا میں اپنے زمانے اور اپنی امت کے لحاظ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا کی تمام اگلی پچھلی خواتین سے افضل ہیں تو یقیناً جنت میں بھی سابقہ تمام زمانوں اور تمام امتوں کی خواتین سے افضل ہوں گی۔

سیدہ فاطمہ اور سیدہ مریم کے مفاضلہ میں کلام اقبال

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کے علاوہ اُن کی عظمت کا درخشاں پہلو یہ ہے کہ وہ اولوا العزم نبی کی والدہ ہیں اُن کے مقابلہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل نبی کی بیٹی ہیں اور ایسی اولاد کی ماں ہیں جس اولاد کا وجود قیامت تک اہل زمین کے لیے باعث امان ہے اور اسی نسل کا ایک سپوت قرب قیامت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بھی امام ہوگا۔ اس لیے اگر تقابل کیا جائے تو سیدہ فاطمہ زمانی، مکانی اور نسبی کئی نسبتوں سے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا سے افضل نظر آتی ہیں۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر انتہائی دلکش اور عام فہم انداز میں اظہار عقیدت فرمایا ہے، یہاں ہم اپنے قارئین کی ضیافتِ روحانی کے لیے علامہ کا فارسی منظوم کلام اور اس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز   از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

حضرت مریم ایک نسبتِ عیسیٰ سے عزیز ہیں، سیدہ فاطمہ تین نسبتوں سے محترم ہیں۔

نورِ چشم رحمۃ للعالمینؐ   آں امامِ اوّلین و آخرین

ایک یہ کہ وہ جنابِ رسول کریم ﷺ جو امامِ اولین اور آخرین ہیں، کی صاحبزادی ہیں۔

بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتٰی مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا

جو سیدنا علی المرتضیٰؓ، مشکل کشا شیرِ خدا تاجدارِ ھَلْ اَتٰی کی زوجہ محترمہ تھیں۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

ان کی تیسری نسبت یہ ہے کہ وہ سیدنا حسین علیہ السلام کی والدہ تھیں، جو پرکارِ عشق کے مرکز اور کاروانِ عشق کے سالار تھے۔

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم حافظِ جمعیتِ خیر الامم

آپ سیدنا حسن علیہ السلام کی بھی والدہ تھیں، جو شبستانِ حرم کی شمع تھے اور جنہوں نے خیر الامم (اُمتِ مسلمہ) کے اتحاد کی حفاظت فرمائی۔

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

انہوں نے حکومت کو ٹھکرا دیا تاکہ امتِ مسلمہ کے اندر سے خانہ جنگی و دشمنی کی آگ ختم ہو جائے۔

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ اہلِ حق حریت آموز از حسین

اسوۂ حسین سے نوائے زندگی میں سوز پیدا ہوا، اہلِ حق نے حریتِ حق کا سبق آپ سے سیکھا۔

سیرتِ فرزندہا از امہات جوہرِ صدق و صفا از امہات

بیٹوں کی سیرت مائیں بناتی ہیں، وہی انہیں صدق و صفا کے جوہر سے بہرہ ور کرتی ہیں۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول مادراں را اسوہ کامل بتول

سیدہ فاطمہ تسلیم و رضا کی کھیتی کا ثمر ہیں، ماؤں کے لیے اسوۂ کاملہ ہیں۔

نوری و ہم آتشی فرمانبرش گم رضایش در رضائے شوہرش

نوری اور ناری سب آپ کے تابع فرمان تھے، اور آپ نے اپنی رضا کو اپنے سرتاج کی رضا میں گم کر دیا تھا۔

آں ادب پروردۂ صبر و رضا آسیا گردان و لب قرآں سرا

آپ نے صبر و رضا کی آغوش میں تربیت پائی، آپ کے ہاتھ چکی پیستے اور لبوں پر تلاوتِ قرآں ہوتی۔

گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز گوہر افشاندے بداماں نماز

آپ کے آنسو تکیہ پر گرنے سے بے نیاز تھے، مگر نماز میں موتیوں کی طرح ٹپکتے تھے۔

اشک اوبر چید جبریل از زمیں ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

جبریل امین آپ کے آنسو سمیٹ لیتے، انہیں عرشِ بریں پر شبنم کی طرح ٹپکاتے۔

علامہ علیہ الرحمۃ کی عقیدت کی حد

رشتہ آئینِ حق زنجیر پاست پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است

قانونِ حق (شریعتِ اسلامیہ) میرے پاؤں کی زنجیر ہے، جنابِ مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کا لحاظ ہے۔

ورنہ گرد تربتش گردیدمے سجدہ ہا بر خاک او پا شیدمے

ورنہ میں سیدہؓ کی تربت کا طواف کرتا اور اُن کے مزار پر سجدہ ریز ہوتا"۔

(اسرار ورموز ملتقطاً ص ۱۵۳)

اسی کو علامہ سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں عرض کیا ہے۔

تیرا وجود لاریب ہے مرجع سادات

ہے تیری ذات سیادت پناہ یازھرا

ملے جو اس کی اجازت مجھے شریعت سے

تو تیرا در ہو مری سجدہ گاہ یازھرا

(فیضِ نسبت ص ۲۸۶)

الحديث السادس والأربعون:

سيدة نساء المؤمنين

عن عائشة قالت: اجتمعت نساء رسول الله ﷺ فجاءت فاطمة

تمشي وما تخطيء مشيتها مشية أبيها، فقال: مرحباً بابنتي، فأقعدها عن يمينه فسارّها بشيء فبكت، ثم سارّها فضحكت، فقلت لها أخبريني بما سارك، قالت: ما كنت لأفشي عليه سراً فلما توفي قلت لها: أسألك بما لي عليكِ من الحق، لَمَا أخبرتني بما سارك. قالت: أما الآن فنعم. سارّني قال: إن جبريل يعارضني بالقرآن في كل سنة مرة، وإنه عارضني العام مرتين، ولا أُرى ذلك إلا اقتراب أجلي، فأتقي الله واصبري، فنعم السلف أنا لك، فبكيت، ثم سارّني وقال: أما ترضين أن تكوني سيدة نساء المؤمنين فضحكت.

[رواه الشيخان].

چھیالیسویں حدیث: مومنین کی خواتین کی سیدہ

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مقدسہ جمع تھیں کہ سیدہ فاطمہ تشریف لائیں، اُن کی چال ہو بہو اُن کے بابا کی چال کی طرح تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی کو خوش آمدید! پھر آپ نے ان کو دائیں جانب بٹھایا، پھر ان سے رازدارانہ طرز پر بات فرمائی تو وہ رونے لگیں، پھر ان سے دوسری مرتبہ رازدارانہ طرز پر کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں۔ اس پر میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا بات کی گئی؟ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا راز فاش نہیں کر سکتی، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو میں نے ان سے کہا: آپ پر جو میرا حق ہے میں اُس حق کے واسطے سے پوچھتی ہوں کہ آپ مجھے اُس راز کے بارے میں بتلائیں! انہوں نے کہا: ہاں اب بتاتی ہوں۔ پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے میرے ساتھ سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے ساتھ ہر سال قرآن کریم کا ایک مرتبہ دور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ دَور کیا، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے وصال کے قرب پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا تم تقویٰ اختیار کرنا اور صبر کرنا، بیشک میں پہلے جا کر

تمہارا بہترین مددگار رہوں گا تو میں رو پڑی تھی۔ پھر دوسری مرتبہ سرگوشی کی اور فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومنین کی خواتین کی سیدہ ہو؟ تو میں ہنس پڑی تھی۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔

(بخاري ص١٠٩٤ رقم ٦٢٨٥، صحيح مسلم ص١٠٧٨ رقم المسلسل ٦٣١٣، ٦٣١٤، مسند أحمد ج٦ ص٢٨٢ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٥٦٠ رقم ٢٦٩٤٥، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٦ ص٣٨٠ رقم ٧٠٤١ وج ٧ ص٤٥٦ رقم ٨٤٦٣ و طبعة أخرىٰ ج٤ ص٢٥١ رقم ٧٠٨٧ وج٥ ص١٤٦ رقم ٨٥١٦، سنن ابن ماجه ج٢ ص٢٨١ رقم ١٦٢١ وطبعة أخرىٰ ج ٢ ص ٥٤٤، ٥٤٥ رقم ١٦٢١، دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص٣٦٤)

سیدہ فاطمہ کے نزدیک سیدہ عائشہ کی عظمت

اس حدیث میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرا آپ پر جو حق ہے میں اُس کے واسطے سے آپ سے اُس راز کے متعلق پوچھتی ہوں۔ اس حق سے مراد ماں ہونے کا حق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین کو سیدہ پر ماں ہونے کا مان تھا اور اُنہیں یقین تھا کہ سیدہ فاطمہ کے اندر ماں کی قدر و عظمت کا مکمل احساس ہے۔ سو جب اُن کے مابین اس رشتہ کے تقدس کا خیال تھا تو امت کو چاہیے کہ وہ بھی اُن دونوں کو آپس میں یوں ہی سمجھا کریں۔

یہاں ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ بخاری اور مسلم میں اس حدیث کے اول میں ہے کہ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج یکجا موجود تھیں اور کوئی ایک بھی غیر حاضر نہ تھی مگر سب سے زیادہ اس حدیث کو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھیلایا ہے لیکن تعجب ہے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ محبت کے دعویدار سب سے زیادہ عداوت بھی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رکھتے ہیں۔

فإلى الله المشتكى.

نوٹ

اس حدیث کے بعض اہم جملوں کی تشریح اڑتالیسویں اور انچاسویں حدیث کے تحت کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحديث السابع والأربعون:

سيدة نساء أهل الجنة

عن أم سلمة قالت: دعا رسول الله ﷺ فاطمة عام الفتح فناجاها فبكت، ثم حدثها فضحكت، فلما توفي سألتها، قالت: أخبرني أنه يموت فبكيت، ثم أخبرني أني سيدة نساء أهل الجنة إلا مريم بنت عمران فضحكت.

سنتالیسویں حدیث: خواتین اہل جنت کی سیدہ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فتح کے سال بلایا پھر ان کے ساتھ سرگوشی فرمائی تو وہ رو پڑیں، پھر دوبارہ ان کے ساتھ سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی کہ عنقریب آپ وصال فرمانے والے ہیں تو میں رو پڑی تھی، پھر دوسری مرتبہ آپ نے مجھے اطلاع دی کہ میں مریم بنت عمران کے بعد تمام جنتی عورتوں کی سردارہ ہوں تو میں ہنس پڑی تھی۔

(سنن الترمذي ص ٨٧٤ رقم ٣٨٧٣ وص ٨٧٧ رقم ٣٨٩٣، السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٥٥ رقم ٨٤٦٠ وطبعة أخرى ج٥ ص ١٤٥ رقم ٨٥١٣، الذرية الطاهرة للدولابي ص ١٠٣ رقم ١٩١، الثغور الباسمة للسيوطي ص ٢٨ رقم ٣٦، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ٧٦ رقم ١٩٥، خصائص علي ص ١١٨ رقم ١٢٥، مناقب علي والحسنين للفوادص ١٩٤)

فائدہ

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ سرگوشی فرمائی تھی تو اُس وقت تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن ایک ہی مقام پر جمع تھیں۔اسی لیے یہ حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو بات سیدہ فاطمہ کو بتلائی گئی آخر وہ امہات المومنین سے کیوں چھپائی گئی؟اس کی حکمت آئندہ حدیث کے تحت بیان کی جائے گی،ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحديث الثامن والأربعون:

أول بيته لحوقابه

عن عائشة رضى اللّٰه عنها، حدثني فاطمة قالت أَسَرَّ إِلَيَّ رسول الله ﷺ أن جبريل كان يعارضني بالقرآن في كل سنة مرةً، وأنه عارضني العام مرتين، ولا أراه إلا قد حضر أجلي، وإنك أولُ بيتي لحوقًا بي ونعم السَّلَفُ أنا لكِ! قالت: فبكيت. قال: ألا ترضين أن تكوني سيدةَ نساء هذه الأمة أو نساء المؤمنين؟! فضحكت.

[رواه الشعبي عن مسروق].

سیدہ کا سب سے پہلے حضور ﷺ کے پاس پہنچنا

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: حضور ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن کا دَور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ دَور کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے وصال کا وقت آپہنچا ہے،اور میں آگے پہنچ کر تمہارے بہترین آرام کا بندوبست کرنے والا ہوں تو میں اس پر رو پڑی تھی۔

اس پر فرمایا تھا: اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم اس امت کی خواتین کی اور تمام مومنین کی خواتین کی سیدہ ہو، تو میں ہنس پڑی تھی۔

اس حدیث کو محدث شعبی نے حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

(بخاري ص ٦٠٨ رقم ٣٦٢٤، صحيح مسلم ص ١٠٧٨ رقم ٦٣١٤، السنن الكبرىٰ للنسائي ج٧ ص ٤٥٦ رقم ٨٤٦٤ وطبعة أخرىٰ ج٥ ص ١٤٦ رقم ٨٥١٧ مسند أبي داود الطيالسي ص ١٩٦ رقم ١٣٧٣ وطبعة أخرىٰ ٢ ص ١٥٠ رقم ١٤٧٠، سنن ابن ماجه ج٦ ص ٢٨١ رقم ١٦٢١، فضائل الصحابة ج٢ ص ٩٥٥ رقم ١٣٤٣، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص ٢٥٦، دلائل النبوة للبيهقي ج٧ ص ١٦٥، مشكوة ج٢ ص ٥١١ رقم ٦١٣٨)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی پہیلی

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بجائے اُن راویوں کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے براہ راست ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سماعت فرمائی تھی۔ ایسا کرنا تو اُن محدثین کا حق تھا جنھوں نے دورِ اول میں تدوینِ حدیث کا کام کیا تھا، چونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بہرحال حدیث کی یا فضائل کی کسی کتاب سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے، اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ اُسی کتاب کا حوالہ دیتے، جیسا کہ انہوں نے چھیالیسویں حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے، حالانکہ وہ حدیث بھی "عن عامر عن مسروق" (از عامر از مسروق) مروی ہے، اور عامر امام شعبی رحمہ اللہ کا نام ہے۔ کتاب کا حوالہ دینے میں سہولت ہوتی ہے اور راویوں کا حوالہ دینا بجھارت ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔

اہل کساء کا مقامِ صبر و رضا

حدیث نمبر [۴۶، ۴۷، ۴۸] میں بیانِ سیادت تقریباً یکساں ہے البتہ دوسری تفصیلات میں قدرے فرق ہے۔ بخاری اور مسلم میں اس حدیث کے شروع میں ہے جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ علیہا

السلام کے ساتھ سرگوشی فرمائی تھی تو اُس وقت تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن حضور ﷺ کے پاس موجود تھیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ سرگوشی میں بتلایا گیا وہ امہات المومنین سے کیوں چھپایا گیا؟حتیٰ کہ انہیں پانچ چھ ماہ بعد بتلایا گیا،کیونکہ جبریل علیہ السلام رمضان المبارک میں قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور حضور ﷺ کا وصال ربیع الاول میں ہوا۔اس کی توجیہ میں محدثین کرام نے لکھا ہے کہ اس سے ازواج مقدسہ کو شدید غم وحزن لاحق ہوتا،اور اگر سیدہ بھی فوراً راز افشاء کردیتیں تو یہی صورتِ حال پیش آتی۔چنانچہ امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لأن فاطمة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها لو أخبرت بما أسرّ إليها النبي ﷺ في ذلک الوقت يعني في مرض موته من قرب أجله لحزنت نساءه بذلک حزناً شديداً.

''اس لیے کہ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوی راز کی اطلاع انہیں اُسی وقت دے دیتیں یعنی آپ ﷺ کی بیماری میں ہی آپ کے وصال سے مطلع فرمادیتیں تو ازواج مقدسہ کو شدید حزن لاحق ہوتا''۔

(عمدة القاري ج۲۲ ص۴۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک اہل کساء علیہم السلام صبر ورضا کے جس مقام پر فائز تھے اُس مقام پر دوسرا کوئی نہیں تھا۔

اہل بیت کو رمضان میں کیا کرنا چاہیے

شیخ عبداللہ بن صالح لکھتے ہیں:

فيه آل البيت لاينبغي لهم أن يخلوا رمضان من ختمتين للقرآن.

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ اہل بیت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ رمضان کو قرآن کے دو ختموں سے خالی رکھیں''۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص۳۵)

میں کہتا ہوں: اس سنت پر اہل بیت کو خصوصاً اور تمام اہل اسلام کو عموماً عمل کرنا چاہیے بلکہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے تو یہاں تک بات سمجھ آتی ہے کہ جو شخص قرآن کریم سے محبت نہیں کرتا وہ عشقِ مصطفیٰ میں خالص نہیں ہے۔ اُن کے الفاظ ہیں:

لایسأل أحدعن نفسه إلاالقرآن،فإن كان يحب القرآن فهويحب الله ورسوله.

''کوئی شخص اپنے آپ کا محاسبہ فقط قرآن کے متعلق کرے، پس اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا محبّ ہے''۔

(الشفاء ج۲ ص۲۵ وطبعة أخرىٰ ج۲ ص۲۴۳)

الحديث التاسع والأربعون:

أشدهم شبهًابرسول الله ﷺ

عن عائشة رضي الله عنها قالت: مارأيتُ أحداًأشبه كلاماًو حديثاً برسول الله ﷺ من فاطمة، كانت إذادخلت قام إليهافقبلها، ورحَّبَ بها، وأخذبيديهاوأجلسهافي مجلسه، وكانت هي إذادخل عليهاقامت إليه فقبلته، وأخذت بيده، وأجلسته مكانها، فدخلت عليه في مرضه الذي توفّي فيه فأسَرَّإليهافبكت ثم أسرَّإليهافضحكت، فقلت: كنت أحسبُ لهذه المرأة فضلاًعلى النساء فإذاهي امرأةمنهن، بينماهي تبكي إذا هي تضحك، فلماتوفّيَ رسول الله ﷺ سألتهاعن ذلك قالت: أسرَّ لي أنه ميت فبكيت، ثم أسرَّلي أنّي أولُ أهله لُحوقاًبه فضحكتُ. [رواه ابن حبان].

انچاسویں حدیث: سیدہ کی سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت

''ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے کلام و بیان میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ سیدہ فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ جب بھی وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، انہیں بوسہ دیتے، مرحبا فرماتے اور اُن کے ہاتھ کو پکڑ کر انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب حضور ﷺ اُن کے ہاں تشریف لاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں پھر آپ کو چومتیں اور آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتیں، پس وہ رسول اللہ ﷺ کے مرضِ وصال میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اُن کے ساتھ سرگوشی فرمائی تو وہ رو پڑیں، پھر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں۔ اس پر میں نے (دل میں) کہا: میں تو اس خاتون کو دوسری عورتوں سے افضل سمجھتی تھی لیکن یہ تو انہیں کی طرح ایک عورت ہے، ابھی روئی اور ابھی ہنس پڑی، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو میں نے اُن سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے میرے ساتھ سرگوشی فرمائی کہ وہ وصال فرمانے والے ہیں تو میں رو پڑی تھی، پھر سرگوشی فرمائی کہ اُن کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں اُن کے پاس پہنچوں گی تو میں ہنس پڑی تھی۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان ج۹ ص۵۲، ۵۳ رقم۶۹۱۴ وطبعة أخرىٰ ج۱۵ ص۴۰۳ رقم۶۹۵۳، سنن الترمذي ص۸۷۴ رقم ۳۸۷۲، سنن أبي داود ج۴ ص۴۵۸ رقم۵۲۱۷، السنن الكبرىٰ للنسائي ج۷ ص۳۹۳ رقم۸۳۱۱، الأدب المفرد ج۲ ص۵۱۹ رقم۹۴۷ وص ۴۵۰ رقم۹۷۱، المستدرك للحاكم ج۳ ص۱۵۲ رقم۴۷۸۵ وص۱۵۹ رقم۴۸۰۷، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج۷ ص ۱۰۱ رقم۱۳۵۷۸، شعب الإيمان للبيهقي ج۶ ص۴۶۷ رقم۸۹۲۷، مناقب علي والحسنين ص ۱۸۹، الآداب للبيهقي ص۱۹۱ رقم۳۱۸، سبل الهدىٰ ج۱۱ ص۴۴ و۴۶، الآداب الشرعية لابن مفلح ج۱ ص۳۰۷، الثغور الباسمة للسيوطي ص ۲۷ رقم۳۴)

بلاشبہ صورت و سیرت میں سیدہ ہو بہو نبی کریم ﷺ کے مشابہ تھیں، اس لیے کسی نے حق کہا:

روئے احمد کی شباہت چہرۂ انور میں ہے
جوہرِ پیغمبری زہرا! ترے پیکر میں ہے
صورت وسیرت میں ہیں یک رنگ زہرا اور سول
شان جو مظہر نے پائی ہے وہی مظہر میں ہے

(فیضِ نسبت ص ۲۹۰،۲۹۱)

سیدہ کے ساتھ نبوی سرگوشی کا تعدد

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولا تنافي بين هذا الحديث وما قبله من الأخبار، فلعل تعدد صدور ذلك منه لها وبكاؤها وضحكها لم يكن لمجموع الخبرين، وإلا لما استقل به حديث عائشة، فهو دليل على أنه لموته فقط لا للكل واحد منهما، وإلا لما ضحكت للثاني.

اس حدیث میں اور سابقہ احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس سرگوشی کا صدور کئی بار ہوا ہو، اور سیدہ کا رونا اور ہنسا ان دو باتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نہ ہو، ورنہ سیدہ عائشہ کی حدیث اس سلسلے میں مستقل نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ دلیل ہے کہ سیدہ فقط وصال نبوی ﷺ کی خبر پر روئی ہیں نہ کہ دونوں باتوں پر، ورنہ وہ دوسری مرتبہ نہ ہنستیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ احادیث میں ذکر تھا کہ پہلی مرتبہ سرگوشی میں وصالِ نبوی ﷺ کی اطلاع تھی اور دوسری سرگوشی میں سیدہ کی سیادتِ دنیوی وجنتی کی اطلاع تھی، جبکہ اس حدیث میں دوسری سرگوشی سیدہ کے وصال کے متعلق ہے۔ لہٰذا یہ سرگوشی ایک مرتبہ نہیں کی گئی بلکہ ایک سے زائد مرتبہ فرمائی گئی۔

سیدہ کو اُن کی سیادت کی خوشخبری دی گئی تو وہ ہنس پڑیں اور انہیں بعد از وصالِ نبوی ﷺ تمام اہل

بیت سے قبل حضور ﷺ کے ساتھ جا ملنے کی اطلاع دی گئی تب بھی وہ ہنس پڑیں۔ سبحان اللہ!

مجلس میں اہل بیت کو نمایاں مقام دینا سنت ہے

اس حدیث میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتیں تو "واخذ بیدھا واجلسھا في مجلسه" (حضور ﷺ اُن کے مبارک ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے) بعض احادیث میں ہے کہ کبھی اپنی دائیں جانب بٹھاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کا کوئی فرد مجلس میں آئے تو اُسے نمایاں مقام دینا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ بن صالح لکھتے ہیں:

فيه آل البيت ينبغي أن يصدروا في المجالس.

"اس حدیث میں دلیل ہے کہ اہل بیت کو مجالس میں اعلیٰ مقام دیا جائے"۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص ٣٥)

اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا اُن کی ہر آمد پر کھڑا ہونا محض باپ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بحیثیت نبی تھا اور نبی کے کسی عمل میں خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اور نبی کا عمل امت کے لیے اُسوہ ہوتا ہے، ماسوا خصائص نبوت کے۔

سیدہ کی تعظیم میں بعض اسلاف کا طرزِ عمل

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مجلس میں میری زبان سے سیدہ علیہا السلام کا جونہی نام نکلا فوراً ایک بزرگ کھڑے ہو گئے، میں نے پوچھا: آپ اس قدر جلد کیوں کھڑے ہو گئے؟ فرمایا: آپ نے سیدہ کا نام لیا ہے، اور یہ وہ ہستی ہے جس کی ہر آمد پر امام الانبیاء ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ بزرگ مولانا مرید حسین آف کراچی تھے۔ ان کی ایک اور عظیم نیکی یہ ہے کہ جب یہ ناکارہ "شرح خصائص علی ؓ" پر تقریباً ڈھائی سال کام کرنے کے بعد آگے کام کرنے سے رک گیا تھا تو انہوں نے عجب یقین بھرے انداز میں فرمایا تھا: بابا جی! آگے کام کرو، اہل بیت کرام کے گھرانے میں ادھار نہیں، دنیا و آخرت دونوں سے نوازتے ہیں۔ اُن کے اس یقین بھرے جملہ سے میرے اندر توانائی آ گئی اور اللہ ﷻ کے کرم سے مجھ ناتواں کے

ہاتھوں "شرح خصائص علی علیہ السلام" مکمل ہوگئی۔ یقیناً اس میں اُن کا حصہ ہے۔ اللہ کریم اُن کی قبر کو منور فرمائے اور جنت کا باغ بنائے، آمین۔

خیال رہے کہ ادب و تعظیم کی کوئی حد نہیں، لہٰذا سیدہ کے نام آنے پر اُن کا فوراً کھڑا ہونا اُن کی نیت کے مطابق اُن کی بخشش کے لیے کافی ہے، مگر یہ انداز نہ سب کو آتا ہے اور نہ ہر کوئی اس کا مکلف ہے، تاہم "جتنا گڑ اتنا میٹھا"۔

الباب الرابع

خصائصها ومزاياها علىٰ غيرها
وهي كثيرة

سیدہ کے امتیازات وخصائص

اور یہ بہت ہیں

الأولىٰ أنها أفضل هذه الأمة

روى أحمد والحاكم والطبراني عن أبي سعيد الخُدري بإسناد صحيح مرفوعاً: فاطمةُ سيدة نساء أهل الجنة إلا مَريم.

وفي رواية صحيحة: "إلا ما كان من مريم بنت عمران".

پہلی خصوصیت اس امت پر افضلیت

امام احمد، امام حاکم اور امام طبرانی حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے صحیح سند سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ تمام اہل جنت کی خواتین سے افضل ہے، ماسوا حضرت مریم رضی اللہ عنہما کے۔

ایک اور صحیح حدیث میں ہے: "ماسوا اس کے جو مریم بنت عمران سے تھا"

سیدہ مریم کے استثناء کی بات

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے استثناء کی بات پر پیچھے وضاحت ہو چکی ہے، اور یہاں مزید سمجھ لیجئے کہ

کسی کی فضیلت کے بیان میں اُس کا موجودہ مرتبہ ومقام مدنظر ہوتا ہے، پھر بعد میں وہی بندہ اپنی زندگی میں مزید ترقی کر جاتا ہے تو پہلے جس سے کم ہوتا ہے بعد میں اُس سے بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ ایک موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے اپنی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب علیہا السلام کو تمام بیٹیوں سے افضل فرمایا تھا لیکن بعد میں جب سیدہ فاطمہ ترقی فرما گئیں تو انہیں پوری امت سے افضل قرار دے دیا، جیسا کہ آگے اس کی تصریح آ رہی ہے۔ بعینہٖ یہی صورتِ حال بعض احادیث میں سیدہ مریم کے استثناء کی ہے، یوں معلوم ہوتا ہے استثناء والی احادیث مقدم اور جن میں استثناء نہیں وہ موٴخر ہیں، چنانچہ گزشتہ سطور میں اڑتالیسویں حدیث میں مرض وصال میں یہ ارشاد بلا استثناء آیا ہے اور سیدہ فاطمہ کو مطلقاً تمام موٴمنین اور تمام اہل جنت خواتین کی سیدہ فرمایا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ کی اپنی امی خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہن پر افضلیت

مصنف رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا عبارت سے دلیل حاصل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

فعلم أنها أفضل من أُمّها خديجة، وما وقع في الأخبار مما يوهم أفضليّتَها، فإنما هو من حيث الأمومة فقط. وعن عائشة على الصحيح بل الصواب. قال السبكي: الذي نختاره و ندين الله به: أن فاطمة أفضل ثم خديجة ثم عائشة، قال: ولم يَخْفَ عنا الخلاف في ذلك، ولكن إذا جاء نهر الله بطل نهر العقل.

قال الشيخ شهاب الدين بن حجر الهيتمي: ولوضوح ما قاله السبكي تبعه عليه المحققون: وممن تبعه عليه: الحافظ ابو الفضل بن حجر، فقال في موضع: هي مقدمة على غيرها من نساء عصرها، ومن بعد هن مطلقاً.

پس معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ اپنی امی خدیجہ سے بھی افضل ہیں، اور جو بعض احادیث میں سیدہ خدیجہ

کی افضلیت کا گمان ہوتا ہے تو وہ فقط اُن کے والدہ ہونے کی حیثیت سے ہے، اور وہ صحیح بلکہ بہتر قول کے مطابق سیدہ عائشہ سے بھی افضل ہیں۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پس جس کو ہم اختیار کرتے ہیں اور جس کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ افضل ہیں، پھر اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ پھر اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن افضل ہیں، اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ ہم پر مخفی نہیں ہے، لیکن جب خدائی دلیل آگئی تو عقلی دلیل باطل ہوگئی۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کے روشن ہونے کی بدولت محققین نے اُن کی پیروی کی ہے، اور اسی پر ابوالفضل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ چلے ہیں۔ انہوں نے ایک مقام پر فرمایا ہے: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی ہم عصر خواتین پر مقدم ہیں اور اُن کے بعد مطلقاً سب سے افضل ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصغیر" کی حدیث نمبر ۵۸۳۵ کے تحت بھی ایسی ہی گفتگو فرمائی ہے۔

(فيض القدير ج٨ ص ٤١٧٦)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو قول نقل کیا ہے یہ امام تقی الدین سبکی المعروف سبکی کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اسے امام قسطلانی، امام صالحی شامی، امام ابن حجر مکی، امام زرقانی، علامہ وحید الزماں اور امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(المواهب اللدنية ج٢ ص ٧٨، سبل الهدىٰ ج١١ ص ١٦١، المنح المكية ص ٦١٨، زرقاني على المواهب ج٤ ص ٣٧٣، تيسير الباري شرح صحيح بخاري ج ٥ ص ٩٦)

مؤخر الذکر کی عبارت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

والخلاف شهير ولكن الحقّ احق ان يُتّبعَ.

"اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے لیکن حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے"۔

(فتح الباري ج٧ ص ٤٨١)

مناقشة قول ابن القيم

وأما قول ابن القيم: إن أريدَ بالتفضيل كثرة الثواب عند اللّٰہ فذاك أمر لايُطلع عليه؛ فإن عمل القلوب أفضل من عمل الجوارح، وإن أريد كثرة العلم فعائشة، وإن أريدَ شرف الأصل ففاطمة لامحالة، وهي فضيلة لايشاركها فيها غير أخواتها، وإن أُريد شرف السيادة فقد ثبت النص لفاطمة وحدها.

وما امتازت به عائشة من فضل العلم لخديجة مايقابله وأعظم، وهي أنهاأول من أجاب إلى الإسلام ودُعي إليه، وأعان على إبلاغ الرسالة بالنفس والمال والتوجه؛ فلها مثل أجر من جاء بعدها إلى يوم القيامة.

علامہ ابن قیم کا محاکمہ

رہا ابن قیم کا قول کہ: ''اگر فضیلت سے کثرتِ ثواب مراد لی جائے تو یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی مطلع نہیں، بلاشبہ قلب کے اعمال اعضاء کے اعمال سے افضل ہیں، اور اگر اس سے کثرت علم مراد لی جائے تو سیدہ عائشہ افضل ہیں، اور اگر فضیلت سے ذاتی شرف اور نسب کی عظمت مراد لی جائے تو پھر فاطمہ لامحالہ افضل ہیں، یہ اُن کی ایسی فضیلت ہے جس میں اُن کا اُن کی بہنوں کے سوا کوئی شریک نہیں ہے، اور اگر اس سے سیادت مراد لی جائے تو بیشک نص کے ساتھ ثابت ہے کہ اس شرف میں فاطمہ یکتا ہیں۔

اور سیدہ عائشہ جو علمی فضیلت میں ممتاز ہیں وہ فضیلت سیدہ خدیجہ کے تقابل میں نہیں آسکتی، اُن کا مرتبہ اعظم ہے، وہ اُن لوگوں میں اول ہیں جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی اور انہوں نے قبول کی اور اپنی جان، مال اور توجہ تام سے تبلیغ رسالت میں تعاون کیا، سو سیدہ خدیجہ کے نامۂ عمل میں اُن تمام لوگوں کا اجر شامل

ہے جو اُن کے بعد قیامت تک آئیں گے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، اور انہوں نے علامہ ابن قیم کی کتاب سے بالمعنیٰ اخذ کیا ہے۔

(فتح الباري ج ۷ ص ۴۸۱، بدائع الفوائد ج ۲ ص ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴)

کیا سیدہ عائشہ علماً سیدہ فاطمہ سے افضل تھیں؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو علامہ ابن قیم کا محاکمہ نقل کیا ہے اُس میں ایک جملہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما پر علمی برتری حاصل تھی۔ ہر چند کہ مصنف نے یہ قول بلا تردید نقل کیا ہے لیکن ہمیں اس قول سے اختلاف ہے۔ اس لیے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عقل مند تھیں جیسا کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ فاطمہ اپنے زمانے کی تمام خواتین سے زیادہ عقل مند ہیں اور یہ حدیث اس سے قبل ذکر ہو چکی ہے، اور یہ حدیث بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب تمام صحابہ کرام ؓ نبی کریم ﷺ کے ایک سوال کا جواب نہ دے سکے اور اُس سوال کا جواب سیدتنا فاطمہ کی طرف سے آیا تو نبی اکرم ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: "فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّي" خوشی کے موقعہ پر ایسے ارشاد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ "آخر وہ ہمارے ہی جسم کا حصہ ہے"۔ گویا نبی کریم ﷺ نے اپنی لختِ جگر کی عقل پر فخر فرمایا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر زیادہ عقل مند اور زیادہ صحبت یافتہ خاتون کے مقابلہ میں کسی دوسری خاتون کو کیونکر بڑی عالمہ تصور کیا جا سکتا ہے؟ کیا حضرت ابو ہریرہ ؓ کو سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا ابن عباس یا سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے بڑا عالم تصور کرنا درست ہے؟

ہاں مگر ایک صورت میں عقل مند انسان دوسرے انسان سے پیچھے رہ جاتا ہے جب اُس پر اُس کے والدین کی تربیتی گرفت مضبوط نہ رہی ہو اور وہ عقل مند بچہ دنیوی عیش و عشرت اور اللوں تللوں میں مبتلا ہو کر اپنی صلاحیتوں کو برباد کر چکا ہو، لیکن چونکہ سیدہ فاطمہ پر نگاہ نبوی اور تربیتِ نبوی ﷺ میں کسی قسم کی کمی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لیے انہیں علم و عمل میں بھی کسی خاتون سے کم نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح اُن کے شوہر نبی کریم ﷺ کے تمام شاگردوں سے زیادہ قابل اور بڑے عالم تھے اسی طرح

یدہ فاطمہ علیہا السلام تمام خواتین سے زیادہ قابل اور بڑی عالمہ تھیں۔

خیال رہے کہ یہ الفاظ محض ہماری عقیدت پر مبنی نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اگلی پچھلی تمام برگزیدہ خواتین کے مابین مفاضلہ (فضائل کا تقابل) کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جس طرف میں میلان رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا جسمِ نبوی ﷺ کا حصہ ہونے کی حیثیت سے تمام اگلی اور پچھلی خواتین سے افضل ہیں۔ بعض خواتین کو اگر کسی حیثیت سے کوئی جزوی فضیلت حاصل ہو تو الگ بات ہے مگر جو موجودات کی روح اور سید الکل ﷺ کے جسم اقدس کا حصہ ہو میں اُس کے ساتھ کسی چیز کا تقابل روا نہیں سمجھتا۔ بھلا کہاں ثریا اور کہاں پکڑنے والے کا ہاتھ؟

بعض لوگوں نے یہ حدیث پیش کی "خذوا ثلثي دينكم عن الحميراء" (تم اپنا دو تہائی دین حمیراً (عائشہؓ) سے حاصل کرو) اور کہا کہ اس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اِس پر علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

> "اس فرمان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مماثل خواتین خصوصاً بضعہ مصطفیٰ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے علم کی نفی نہیں ہو رہی۔ نبی کریم ﷺ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ ارشاد اس لیے فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ وہ آپ کے بعد زیادہ عرصہ تک حیات رہیں گی۔ اگر آپ جانتے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی آپ کے بعد زیادہ عرصہ تک حیات رہیں گی تو آپ فرماتے "خذوا كلّ دينكم عن الزهراء" (تم اپنا مکمل دین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو) سیدہ کے حق میں ایسا ارشاد منقول نہ ہونا سیدہ کی مفضولیت (کمی فضیلت) پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ نبی کریم ﷺ کو یقینی علم تھا کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء آپ کے بعد زیادہ دیر دنیا میں نہیں رہیں گی۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُن کے والد گرامی سیدنا ابوبکر ؓ پر بھی افضلیت لازم آئے گی، اس لیے

کہ اُن سے بھی تھوڑا عرصہ زندہ رہنے اور دوسری مشغولیات کے باعث دین کے بارے میں زیادہ کچھ منقول نہیں ہوا''۔

(روح المعاني ج٣ص٢٤٩)

حافظ ابن حجر کے قول پر مصنف کا تبصرہ

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے متن کی گزشتہ عبارت کے بعد سیدہ فاطمہ کی افضلیت پر اجماع کا ذکر کیا ہے، لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے قول پر تأمل ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قال:"وقيل انعقدالإجماع على أفضلية فاطمة" فأين ماعدا مريم؟ أما مريم أفضل منهاإن قلنا بماعليه القرطبي في طائفة من أنها"نبية"وكذا على قول تقدم نبوتهابقوة الخلاف، وبقصده استثنائها، أعني مريم في عدة أحاديث من بعضها،بل روى ابن عبد البرعن ابن عباس مرفوعاً:"سيدة نساء العالمين مريم، ثم فاطمة،ثم خديجة ثم آسية".

قال القرطبي:وهذاحديث حسن يرفع الإشكال من أصله.

انہوں نے فرمایا: ''اور کہا گیا ہے کہ سیدہ فاطمہ کی افضلیت پر اجماع منعقد ہوگیا ہے''۔ پھر حضرت مریم کے استثناء کا قول کہاں جائے گا؟ البتہ مریم افضل ہوں گی اس صورت میں کہ علامہ قرطبی نے ایک گروہ سے نقل کیا ہے کہ وہ نبیہ تھیں، اور اسی طرح اُن کی نبوت میں اختلاف کی قوت کے ساتھ ساتھ متعدد احادیث میں اُن کا استثناء بھی کیا گیا ہے، جن میں سے بعض گزر چکی ہیں بلکہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''عالمین کی خواتین کی سردار مریم ہیں پھر فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ اور پھر آسیہ ہیں'' قرطبی کہتے ہیں: اور یہ حسن حدیث ہے اس نے اشکال کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔

مصنف رحمہ اللہ کے تبصرہ پر تبصرہ

"وقيل انعقد الإجماع على أفضلية فاطمة" (اور کہا گیا ہے کہ سیدہ فاطمہ کی افضلیت پر اجماع منعقد ہو گیا ہے)

درج بالا مکمل پیراگراف میں اتنا حصہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور آگے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ہے، لیکن مصنف اپنے تبصرہ میں صواب کو نہیں پہنچ سکے۔ انہوں نے استثناء کی احادیث کی طرف تو اشارہ فرما دیا مگر اُن احادیث کی طرف توجہ نہیں کی جن میں استثناء کا ذکر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سے افضل خواتین کی ترتیب میں یہ حدیث:

"عالمین کی خواتین کی سردار مریم ہیں پھر فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ اور پھر آسیہ ہیں"

تو ذکر کر دی، لیکن اس بات میں غور نہیں فرمایا کہ اس حدیث کی رو سے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی باقی تینوں خواتین پر بھی سیادت ثابت ہوتی ہے، حالانکہ صحیحین سے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ وہ فقط اپنے دور کی خواتین سے بہتر تھیں، اور اُس کے الفاظ یہ ہیں:

خير نسائها مريم و خير نسائها خديجة.

"مریم اپنے دور کی عورتوں سے بہتر ہیں اور خدیجہ اپنے دور کی عورتوں سے بہتر ہیں"۔

حافظ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو (جسے مصنف نے پیش کیا) غیر ثابت کہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

الحديث الثاني: الدال على الترتيب ليس بثابت، وأصله عند أبي داود والحاكم بغير صيغة ترتيب.

"یہ دوسری حدیث جو ترتیب پر دلالت کرتی ہے ثابت نہیں، اس کی اصل امام ابو داود اور امام حاکم کے ہاں صیغۂ ترتیب کے بغیر ہے"۔

(فتح الباري ج٧ ص٥١٤)

لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے، جیسا کہ متن کے آئندہ پیراگراف میں آرہا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں "نبیہ" ہونے کے اختلافی قول سے بھی اُن کی افضلیت میں تقویت لینے کی کوشش فرمائی ہے۔اس پر راقم الحروف پہلے بھی لکھ چکا ہے اور مزید عرض کرتا ہے کہ سیدہ مریم یا کسی بھی خاتون کے نبیہ ہونے کا قول قرآن کے خلاف ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاأَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا.

"ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو"۔

(النحل: ٤٣، الأنبياء: ٧)

لہٰذا یہ بیساکھی بھی سہارا لینے کے قابل نہیں ہے۔

علماء امت نے سیدہ فاطمہ کو افضل کیوں کہا؟

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ جن علماء نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کی تمام خواتین سے افضل قرار دیا ہے تو یہ اُن کی محبت وعقیدت کا سبب ہوگا۔اس پر ہم عرض کرتے ہیں کہ محبت وعقیدت تو ہونی چاہیے، اور علماء امت کو سیدہ مریم، سیدہ عائشہ وغیرہما رضی اللہ عنہما سے بھی عداوت نہیں ہے، لیکن انہوں نے سیدہ فاطمہ کو محض محبت وعقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ بسیار تحقیق ومطالعہ کے بعد جو بات انہیں حق نظر آئی ہے انہوں نے اُسی کی پیروی کی ہے، اور وہ یہی ہے کہ دلائل کی روشنی میں سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام سے کوئی خاتون افضل نہیں۔قدیم محدثینِ کرام سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی افضلیت مطلقہ کی طرف گئے ہیں تو وقیع دلائل کے پیشِ نظر گئے ہیں، اور متاخرین علماء کرام میں جو بھی حدیث میں وسیع مطالعہ رکھتے ہیں انہوں نے واضح کیا ہے کہ افضلیت کا یہ قول دلائل قویہ کے پیشِ نظر ہے۔امام سیوطیؒ کی حدیث پر وسعتِ نظر سے کون واقف نہیں ہوگا؟ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اُن کا فیصلہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امام سیوطیؒ نے جمع الجوامع کی منظوم شرح میں فرمایا ہے کہ جس بات کو ہم نے دلائل کے تقاضے کے پیشِ نظر اختیار کیا ہے وہ سیدہ فاطمہ کی افضلیت ہے" اَلَّذِي نَخْتَارُهُ

بمقتضى الأدلة تفضيل فاطمة."

(شرح الزرقاني علی المواهب ج٤ ص٣٣٦)

اُن ہی کے حوالہ سے امام صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال شيخنا: الصواب القطع بتفضيل فاطمة.

"ہمارے شیخ نے فرمایا: حق یہ ہے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضي الله عنها کی افضلیت قطعی ہے"۔

(سبل الهدیٰ والرشاد في سيرة خير العباد ج١١ ص١٦١)

خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ محدث کبیر امام تقی السبکی رحمۃ اللہ علیہ کا جو زوردار قول نقل کر چکے ہیں ذرا اُس کے الفاظ میں غور تو فرمایئے کہ وہ محبت کے ہاتھوں مجبور نظر آتے ہیں یا دلائل کے سامنے سرنگوں ہیں؟ وہ لکھتے ہیں:

قال السبكي: الذي نختاره وندين الله به: أن فاطمة أفضل ثم خديجة ثم عائشة، قال: ولم يَخْفَ عنا الخلاف في ذلك، ولكن إذا جاء نهر الله بطل نهر العقل.

"امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس کو ہم اختیار کرتے ہیں اور جس کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ افضل ہیں، پھر اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ پھر اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضي الله عنهن ہیں، اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ ہم پر مخفی نہیں ہے، لیکن جب خدائی دلیل آگئی تو عقلی دلیل باطل ہوگئی"۔

(إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل ص٦٠)

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ نیز اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ متعدد محدثین کرام نے جہاں سیدہ فاطمہ کے ساتھ دوسری معزز خواتین کے فضائل کا تقابل کیا اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی تفضیل کا قول کیا تو انہیں یہ وضاحت کرنا پڑی کہ:

والخلاف شهير ولكن الحقّ أحق أن يُتّبعَ.

''اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے لیکن حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ ازازل تاابد تمام خواتین پر سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی افضلیت کے قول کی وجہ فقط اُن سے عقیدت ومحبت نہیں بلکہ دلائل وبراہین کا تقاضا بھی یہی ہے۔

دنیا میں افضل آخرت میں مفضول؟

دلائلِ واضحہ سے روشن ہو چکا ہے کہ کائنات کے آغاز سے انجام تک سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام سے کوئی خاتون افضل نہیں، اور حدیث کی نص سے ثابت ہو چکا ہے کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے افضل ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر تو کیا سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے قائل ہیں لیکن اُن کا کہنا ہے وہ آخرت میں افضل ہوں گی۔ چنانچہ ابن حزم ظاہری اندلسی لکھتے ہیں:

إن إفضل الناس أعلاهم درجة فى الجنة ولا منزلةً أعلىٰ مِنْ درجةالأنبياء عليهم السلام فمن كان معهم في درجاتهم فهوأفضل ممن دونهم وليس ذلک إلالنسائهم فقط.

''بیشک جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے درجہ اور مقام سے کوئی درجہ اور مقام بلند نہیں ہے، لہٰذا جو کوئی اُن کے ساتھ اُن کے درجہ میں ہوگا وہ دوسروں سے افضل ہوگا، اور یہ معیت فقط انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواج مقدسہ کو حاصل ہوگی''۔

(المحلّى لابن حزم ظاهري ج١ ص٤٢ مطبع منيريه)

اس عبارت کا مطلب درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیے، علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ لکھتے ہیں:

وسمعت بعض أساتذتي الكبارأن فاطمةأفضل فى الدنياوعائشةأفضل فى الآخرة.

''میں نے اپنے بعض اکابر اساتذہ سے سنا ہے کہ دنیا میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور آخرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (کیونکہ آخرت میں

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہوں گی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوں گی)"۔

(عمدة القاري ج ١ ص ٣٨ وطبعة أخرىٰ ج ١ ص ٧٦)

ترجمہ علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں ہے۔

(نعمة الباري ج ١ ص ١٢٥)

ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ کیا جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ فقط سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں گی کوئی دوسری زوجہ مطہرہ نہیں ہوگی؟ اندازہ فرمایئے کس قدر بے ڈھنگی دلیل ہے کہ عالم تو کیا ایک غیر عالم شخص کو بھی اس دلیل پر ہنسی آئے گی۔ بہر حال ہم اس پر مزید ذاتی رائے دینے کی بجائے اکابر علماء کرام کا تبصرہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وسئل السبكي هل قال أحد ان أحداً من نساء النبي ﷺ غير خديجة و عائشة أفضل من فاطمة؟ فقال: قال به من لا يعتد بقوله: وهو من فضل نساء النبي ﷺ على جميع الصحابة لأنهن في درجته في الجنة. قال: وهو قول ساقط مردود، إنتهىٰ. وقائله هو أبو محمد بن حزم وفساده ظاهر.

"امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کسی شخص نے ام المومنین سیدہ خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مقدسہ میں سے کسی کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کہا ہے؟ فرمایا: یہ ایسے شخص نے کہا ہے جس کا شمار معتمد لوگوں میں نہیں ہوتا، اور اُس نے ازواجِ مطہرات کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے، اس لیے کہ وہ جنت میں حضور اکرم ﷺ کے درجہ میں ہوں گی، اور یہ قول ساقط الاعتبار اور مردود ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا، (امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس قول کا قائل ابو محمد بن حزم ہے اور اس کا فساد ظاہر ہے"۔

(فتح الباري ج ٧ ص ٥١٩)

امام صالحی اور امام زرقانیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ:

''یہ قول ضعیف، ساقط اور مردود ہے، نہ کوئی اس کی عقلی دلیل ہے نہ نقلی''۔

(سبل الهدیٰ والرشاد ج ١١ ص ١٦١، شرح الزرقاني على المواهب ج ٤ ص ٣٧٣)

امام ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال ابن دحية في كتاب مرج البحرين: ذكر بعض الجهلة أن عائشة أفضل من فاطمة.

''امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مرج البحرین'' میں فرمایا ہے کہ بعض جہلاء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ سیدہ فاطمہ سے افضل ہیں''۔

(غاية السول في خصائص الرسول لابن الملقن ص ٢٣١)

اس کے بعد امام ابن دحیہ نے ان جہلاء کی وہی دلیل لکھی ہے جو ہم ابن حزم ظاہری وغیرہ کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں اور پھر اُس کی خوب تردید فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دلیل مردود، باطل، ساقط الاعتبار اور جہالت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی جہالت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

حدیث پر حکم لگانے میں حافظ پر اعتراض

چار معزز خواتین کی افضلیت کی ترتیب کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے:

''عالمین کی خواتین کی سردار مریم ہیں پھر فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ اور پھر آسیہ ہیں''۔

اس کے متعلق حافظ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے: یہ ثابت نہیں۔ اس پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقول الحافظ بن حجر: "إنه غير ثابت".

إن أراد به نفي الصحة الإصطلاحية فمسَلَّم، فإنه حسن لا صحيح، ونص على ذلك الحافظ الجبل ولفظه عن ابن عباس مرفوعاً: "سيدات نساء أهل الجنة بعد مريم بنت عمران فاطمة و خديجة، ثم آسية بنت

مزاحم امرأة فرعون" رواه الطبراني في الأوسط و كذا الكبير بنحوه.

قال الحافظ الهيثمي: ورجالُ الكبير رجال الصحيح.

لكن قال بعضهم: لاأعدل ببضعة رسول الله ﷺ أحداً وممن صار إلى ذلك المقريزي والسيوطي.

اور حافظ ابن حجر کا قول کہ "یہ غیر ثابت ہے" اگر اس سے انہوں نے اصطلاحی صحت کی نفی کا ارادہ کیا ہے تو یہ مسلّم ہے، بلاشبہ یہ حدیث حسن ہے صحیح نہیں، اور اس پر حافظ الجلیل (ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ) نے صراحت فرمائی ہے اور اُن کے الفاظ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ ہیں: "مریم بنت عمران کے بعد جنت کی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمہ، خدیجہ اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہے"۔ اس کو امام طبرانی نے "الأوسط" میں روایت کیا ہے اور ایسا ہی "کبیر" میں۔ حافظ ھیثمی فرماتے ہیں: اور "کبیر" کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے: ہم جسمِ نبوی ﷺ کے حصے کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، جو علماء اس طرف گئے ہیں انہی میں امام مقریزی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما بھی ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے موقف میں کچھ لچک

حافظ ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح کہا لیکن مصنف صحیح سے نیچے اتر آئے اور حافظ کے الفاظ "إنه غير ثابت" کی وجہ سے اس کو حسن تسلیم کیا۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اِن الفاظ میں سند کا ذکر نہیں کیا اور ہر چند کہ سند کو اُن کے شیخ (حافظ ہیثمی) صحیح قرار دے چکے ہیں لیکن اِس حدیث میں لفظ "ثم" لگا کر جو ترتیب ظاہر کی گئی ہے وہ متعدد احادیث کے متن کے بھی خلاف ہے اور بہت سی احادیث کی دلالت کے بھی خلاف ہے، مثال کے طور پر ایک حدیث کو ہی لیجئے کہ "مریم اپنے دور کی خواتین سے بہتر ہیں اور خدیجہ اپنے دور کی خواتین سے بہتر ہیں"۔ سو جب سیدہ مریم رضی اللہ عنہا اپنے ہی دور کی خواتین سے بہتر تھیں تو پھر وہ حضور ﷺ کے دور کی سردار خواتین سے کیونکر بہتر ہو سکتی ہیں؟ یہاں یہ بھی خیال رہے

کہ کبھی مکمل صحیح سند موضوع متن پر بھی چڑھا دی جاتی ہے، اس لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا "إنه غير ثابت" کہنا اس ترتیب کی نفی میں ہے۔ چنانچہ پیچھے ہم اُن کے الفاظ نقل کر چکے ہیں، ایک مرتبہ آپ پھر اُن میں توجہ فرمائیں آپ کو معلوم ہوگا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں مذکور ترتیب سے مطمئن نظر نہیں آتے، وہ لکھتے ہیں: "الحديث الثاني: الدال على الترتيب ليس بثابت" انہیں یہ ترتیب کھٹک رہی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے ہے، ایک کی سند کے راوی صحیح ہیں اور دوسری کی سند میں ایک شخص کذاب ہے اور یہ روایت اُسی کی آفت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ بن صالح لکھتے ہیں:

وأما ما رواه ابن عساكر عن ابن عباس مرفوعاً: "سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران ثم فاطمة....." فإسناده واهٍ، وآفته محمد بن الحسن بن زبالة، وهو متهم بالكذب.

"اور وہ جو ابن عساکر نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "اہل جنت کی خواتین کی سردار مریم بنت عمران پھر فاطمہ ہیں" تو اس کی سند کمزور ہے، اور اس کی آفت محمد بن حسن بن زبالہ ہے، اور اُس پر جھوٹ کا الزام ہے"۔

(كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين ص٣٦)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکمل تفصیل کے آخر میں ایک ایسا قول نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب محدثانہ ضابطہ کی کارروائی ہے، ورنہ بعض وجوہ کی بنا پر اُن کے نزدیک بھی سیدہ فاطمہ افضل ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ آخری قول کے بعد بھی کچھ اظہار خیال فرماتے۔ یہاں ہم اُس آخری قول کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ فقط بعض کا قول نہیں اور نہ ہی اُس کے مؤید فقط امام مقریزی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما ہیں بلکہ وہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور اُن سے قبل ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بھی یہی تھا، پھر ابوبکر بن ابی داود، امام سہیلی اور دوسرے بہت سے محدثین کرام سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔

امام قسطلانی کا مختلف احادیث کے مابین محاکمہ

راقم الحروف نے زمانے کے اعتبار سے جو سیدہ مریم پر سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہما پر افضلیت کا قول کیا ہے، اُس کی تائید امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس محاکمہ میں موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اور رسول اللہ ﷺ نے سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حیات میں وصال فرمایا تو وہ سیدہ کے نامۂ عمل میں داخل ہو گئے اور اس فضیلت کا اندازہ فقط اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، سو اس وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی دوسری بیٹیوں سے ممتاز ہو گئیں، اور اس لیے بھی کہ انہیں مرض وصال میں حضور اکرم ﷺ نے خوشخبری دی کہ وہ جنتی عورتوں کی سیدہ ہیں، یعنی اس اُمت محمدیہ کی عورتوں کی، اور یہ بات ثابت ہے کہ یہ اُمت دوسری اُمتوں سے افضل ہے، لہٰذا سیدتنا فاطمہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن سے بھی افضل ہیں، اور اس بات میں جو اختلاف ہے اُس پر ''نقایہ'' کی شرح میں تفصیلاً کلام موجود ہے۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث منقول ہے جس کو امام طحاوی نے روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''زینب میری افضل بیٹی ہیں'' بر تقدیرِ ثبوت اِس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ بہت پہلے کا قول ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ایسے مقامات رفیعہ اور کمالاتِ علمیہ سے بہرہ ور فرمایا جن میں اس اُمت میں سے مطلقاً اُن کا کوئی شریک نہیں''۔

(إرشاد الساري للقسطلاني ج۷ ص ۲۴۵، ۲۴۶)

أفضليتها على نساء هذه الأمة

أما نساء هذه الأمة فلا ريب في تفضيلها عليهن مطلقاً بل صرح غير واحد أنها وأخوها إبراهيم أفضل من جميع الصحابة حتى الخلفاء

الأربعة.

خواتینِ امت پر سیدہ کی افضلیت

رہیں اس امت کی خواتین، تو مطلقاً اُن سب پر سیدہ کی فضیلت میں کوئی شک نہیں بلکہ اکثر علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ سیدہ اور اُن کے بھائی سیدنا ابراہیم علیہما السلام جمیع صحابہ حتیٰ کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہیں۔

کیا بضعۂ نبوی فقط سیدہ فاطمہ ہیں؟

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر یہ فضیلت جسم نبوی ﷺ کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہے تو پھر یہ سیدہ فاطمہ اور سیدنا ابراہیم علیہما السلام کی خصوصیت نہیں بلکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی باقی تین بیٹیاں اور جتنے بیٹے ہوئے سب شریک ہیں، کیونکہ وہ سب جسم نبوی ﷺ کا حصہ ہیں مگر یہ بات الگ ہے کہ زبانِ نبوی ﷺ سے جس کے حق میں "بضعة مني" کے الفاظ صادر ہوئے وہ فقط سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ نیز دوسری وجوہ سے بھی سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی اپنی بہنوں پر افضلیت مسلّمہ ہے، اور اُن میں سے بعض وجوہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل سطور میں بیان فرما رہے ہیں۔

أفضليتها على بقية أخواتها

وذهب الحافظ بن حجر أنها أفضل من بقية أخواتها؛ لأنها ذرية المصطفى دون غيرها من بناته، فإنهن متن في حياته، فكن في صحيفته، ومات في حياتها فكان في صحيفتها.

سیدہ کی اپنی بہنوں پر افضلیت

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ سیدہ فاطمہ اپنی بہنوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی پوری ذریت اور سیدہ کے علاوہ اُن کی تمام بہنیں حضور ﷺ کی حیات میں انتقال

فرما گئیں تو وہ حضور ﷺ کے نامۂ عمل میں درج ہو گئیں اور حضور ﷺ کا وصال سیدہ فاطمہ کی حیات میں ہوا تو آپ سیدہ کے نامۂ عمل میں درج ہو گئے۔

وصالِ نبوی ﷺ سیدہ کے رتبہ میں اضافہ کا سبب کیسے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اُن سے قبل اور بعد کافی علماء کرام نے ایسی گفتگو فرمائی ہے۔ چنانچہ امام امام ابن الملقنؒ اور امام خیضریؒ لکھتے ہیں:

''سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی بہنوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ وہ سب بناتِ پاک رضی اللہ عنہن نبی کریم ﷺ کی میزان میں شامل ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی میزان میں شامل ہیں''۔

(غاية السول في خصائص الرسول ﷺ ص ۲۳۳، اللفظ المكرم ص ۲۷۵)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مشہور قول کے مطابق نبی کریم ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں، اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اُن کے سوا حضور ﷺ کی کوئی بیٹی نہیں تھی، اسی لیے ان کا بہت بڑا اجر ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی جدائی کا صدمہ اُٹھایا''۔

(البداية والنهاية لابن كثير ج ۵ ص ۳۹ وطبعة أخرى ج ۷ ص ٤٤)

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

''اور حضور اکرم ﷺ کی پوری اولاد آپ سے پہلے انتقال فرما گئی تھی، ماسوا سیدہ فاطمہ ؓ کے، اُن کا وصال حضور اکرم ﷺ سے چھ ماہ بعد ہوا تھا۔ آگے لکھتے ہیں:

فرفع الله لها بصبرها واحتسابها من الدرجات ما فضلت به على نساء العالمين، وفاطمة أفضل بناته على الإطلاق، وقيل إنها أفضل نساء العالمين.

"پس اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اُن کے صبر اور اجر کی بدولت بہت سے درجات بلند فرمایا جن کے باعث اُنہیں عالمین کی عورتوں پر فضیلت دی گئی، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بیٹیوں سے مطلقاً افضل ہیں اور کہا گیا ہے کہ کائنات کی تمام خواتین سے افضل ہیں"۔

(زاد المعاد في هدي خير العباد ج١ ص١٠١)

بعض ماہر علماء کرام نے فقیر کی تصنیف "شرح خصائص علی ﷺ" کے تیسرے ایڈیشن کی از خود پروف ریڈنگ فرمائی اور واقعی اہم غلطیوں کی نشاندھی فرمائی، لیکن انہوں نے اس بحث میں سیدہ فاطمہ کی اس فضیلت پر سوالیہ نشان قائم کر کے لکھا کہ اس سے سیدہ فاطمہ اپنی دوسری بہنوں سے کیسے افضل ہوگئیں؟

لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قریب الفہم بنانے کے لیے تمام قارئین کرام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مومن کو کانٹا چبھ جائے تو اس پر بھی اُسے اجر و ثواب ملتا ہے، حتیٰ کہ تھکاوٹ پر بھی ثواب ملتا ہے، اور اُسے کوئی صدمہ پہنچے اور وہ اُس پر صبر کرے تو اجر کا حقدار بن جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں احادیث سے ثابت ہیں، اور ماں باپ اور اولاد میں سے کسی کی جدائی کے صدمہ سے بڑا صدمہ کوئی نہیں ہوتا۔ ان میں سے اگر کوئی جدا ہو جائے اور انسان اُس پر جتنا صبر کرے تو اُس کے اجر و ثواب میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کی جتنی اولاد آپ کی حیات میں انتقال کر گئی اور ظاہر ہے کہ آپ نے اُن کے صدمات پر صبر کیا تو آپ کے اجر میں اضافہ ہوا، لیکن جب خود حضور ﷺ کا وصال ہوا تو اُس کا صدمہ سیدہ کائنات کو ہوا اور سیدہ نے اس عظیم صدمہ پر صبر کیا تو خود سوچئے کہ اُن کا اجر و ثواب کتنا عظیم ہوگا؟ بلاشبہ اتنا ہی جتنا انہیں پہنچنے والا صدمہ عظیم تھا، وہ صدمہ کتنا عظیم تھا؟ وہ خود فرماتی ہیں کہ اگر مجھ پر آنے والی مصیبت دنوں پر آتی تو وہ راتوں سے بدل جاتے۔

جب یہ بات سمجھ آگئی تو اب اُس حدیث کو بھی ایک مرتبہ پڑھ لیجئے جس میں ہے کہ جب کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھے، پھر کہے:

اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيْبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا.

''اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور اُس کے بعد اُس سے بہتر عطا فرما''۔

(صحیح مسلم ص۳۶۹ رقم۲۱۲۶)

خود سوچیے اس عظیم صدمہ پر عظیم صبر کرنے کی بدولت سیدہ کائنات کو پروردگار ﷻ نے کتنا عظیم اجر وثواب عطا فرمایا ہوگا؟ عقل یہ ماننے پر مجبور ہے کہ سیدہ نے یہ دعا ضرور پڑھی ہے اور وہ دعا قبول بھی ہوئی ہے لیکن اس دعا کے پہلے حصے کی بدولت اُن کے درجات میں اضافہ ہوا، اور دوسرا حصہ من وعن قبول ہونا ناممکن تھا کیونکہ سیدہ کے بابا سے افضل اس کائنات میں کوئی ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لیے اس دوسرے حصے کو عملی جامہ یوں پہنایا گیا کہ سیدہ کو اُن کے بابا کے ساتھ ہی جلد ملا دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں متعدد احادیث کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ کیا کرتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی تائید میں ایک حدیث پر آگاہ فرما دیا۔ آیئے متن میں وہ حدیث ملاحظہ فرمایئے! مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال: وكنت أقول ذلك استنباطاً إلى أن وجدت الإمام ابن جرير الطبري نص عليه: فأخرج عن طريق فاطمة بنت الحسين بن علي عن جدتها فاطمة قالت:

"دخل رسول الله ﷺ يوماً وأنا عند عائشة، فناجاني فبكيت، ثم ناجاني فضحكت، فسألتني عائشة عن ذلك، فقلت: لأخبرك بسره، فلما تُوفي سألتني فذكرت الحديث في معارضة جبريل له بالقرآن مرتين، وأنه قال: أحسب أني ميت في عامي هذا، وأنه لم ترزأ امرأة من نساء العالمين مثلها، فلا تكوني دون امرأة منهن صبراً، فبكيت، فقال: أنت سيدة نساء أهل الجنة فضحكتُ.

حافظ فرماتے ہیں: پہلے میں یہ دلیل پیش کرتا تھا پھر میں نے امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی اس

پر تصریح پائی۔انہوں نے از فاطمہ بنت حسین بن علی سے، انہوں نے اپنی دادی سیدہ کائنات فاطمہ علیہم السلام سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میں اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھی، حضور ﷺ نے میرے ساتھ سرگوشی فرمائی تو میں رو پڑی، پھر سرگوشی فرمائی تو میں ہنس پڑی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے اس کا سبب پوچھا تو میں نے کہا: میں حضور ﷺ کا راز فاش نہیں کرتی۔ پھر جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا، میں نے انہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جبریل علیہ السلام کے دَورِ قرآن کی حدیث بیان کی اور یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ اِسی سال وصال فرمانے والے ہیں، اور یہ کہ تم نے جو حاصل کیا ہے اُس کی مانند عالمین کی خواتین نے حاصل نہیں کیا، لہٰذا تم صبر کرنے میں اُن سے کم نہ رہنا تو میں اس پر رو پڑی تھی، پھر فرمایا تھا: تم جنتی خواتین کی سردار ہو تو میں ہنس پڑی تھی۔

(فتح الباري ج۷ ص۴۷۷ تحت رقم الحديث ۳۷۶۷)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ رحمہ اللہ کے حوالے سے جو حدیث نقل فرمائی ہے اُسے بشمول امام ابن جریر طبری امام بیہقی، امام دولابی، امام طحاوی، امام محب الطبری اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی ذکر کیا ہے۔

(جامع البيان ۳۵۸، ۳۵۹، دلائل النبوة للبيهقي ج۷ ص ۱۶۵، ۱۶۶، الذرية الطاهرة للدولابي ص ۱۰۵ رقم ۱۹٤، تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج۹ ص۹۹، ۱۰۰ رقم ٦٤٠۳، ذخائر العقبىٰ ص ۵۳، مسند فاطمة الزهراء ص ۷۵، ۷٦ رقم ۱۹۳)

ما أخرجه الطحاوي

وأما ما أخرجه الطحاوي وغيره من حديث عائشة في قصة مجيء زيد بن حارثة بزينب بنت المصطفى قال النبي ﷺ "هي أفضل بناتي أصيبت فيّ".

فأجابت عنه بعض الأئمة بفرض ثبوته بأن ذلك كان متقدماً، ثم وهبه الله فاطمة من الأحوال السنية والكمالات العليا مالم يطاولها فيه أحد من نساء هذه الأمة مطلقاً.

على أن البزار روي عن عائشة أنها قالت: أن رسول الله ﷺ قال لفاطمة: "هي خير بناتي أنها أصيبت بي".

وعليه فلا حاجة للجواب المتقدم بنصه الصريح علىٰ أفضليتها مطلقاً.

امام طحاوی کی روایت سے اشکال

اور وہ جو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کرام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سیدہ زینب کو لانے کے واقعہ میں بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ زینب کے حق میں فرمایا: ''یہ میری افضل بیٹی ہے، میری وجہ سے پریشانی سے دوچار ہوئی'' تو اس کا بعض ائمہ نے بفرض ثبوت یہ جواب دیا ہے کہ یہ سابقہ ارشاد تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ کو ایسے بلند مقامات اور عظیم کمالات سے نوازا جن تک اس امت میں سے مطلقاً کوئی خاتون نہیں پہنچ سکی۔

علاوہ ازیں امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ کے حق میں فرمایا: ''یہ میری بہترین بیٹی ہے، اس کو میری وجہ سے تکلیف پہنچی'' سیدہ کی افضلیت میں اس نص صریح کی موجودگی میں مذکورہ بالا جواب کی کوئی حاجت نہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تبصرہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اس پیراگراف میں دو باتیں محل نظر ہیں:

۱۔ انہوں نے امام طحاوی اور دوسرے محدثین کرام کے جواب پر "بفرض ثبوته" کا لفظ لگا کر عدم تدبر

کا مظاہرہ کیا ہے، اس لیے کہ ان علماء نے سیدہ زینب بنت رسول علیہما السلام کی شان میں وارد حدیث پر کلام کرنے کی ضرورت ہی تب محسوس فرمائی ہے جب اُنہوں نے دیکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں وارد شدہ احادیث اس سے ٹکراتی ہیں، اور وہ بہت زیادہ احادیث ہیں، اُن میں سے سب سے اہم حدیث سیدہ کا خواتین اہل جنت کی سردار ہونا ہے اور یہ سیدہ زینب علیہما السلام سمیت سیدہ فاطمہ کی کسی بہن کو نصیب نہیں ہوا۔

۲۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا عدم تدبر یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: امام بزار کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ کی شان میں فرمایا "هي خير بناتي انها اصيبت بي" (یہ میری بہترین بیٹی ہے، اس کو میری وجہ سے تکلیف پہنچی) مصنف فرماتے ہیں اس حدیث کی موجودگی میں مذکورہ بالا جواب کی کوئی حاجت نہیں۔

یہ احقر عرض کرتا ہے کہ پھر بھی ضرورت ہے، کیونکہ سیدہ فاطمہ کی شان میں "هي خير بناتي انها اصيبت بي" آیا ہے تو سیدہ زینب کی شان میں "هي أفضل بناتي اصيبت فيّ" آیا ہے، اور فرق صرف "خير" اور "أفضل" کا ہے تو کیا ان دونوں حدیثوں کے مابین مطابقت کی ضرورت نہیں؟ یقیناً ہے، اور وہ مطابقت یہی ہے کہ اُس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا افضل تھیں بعد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہو گئیں حتیٰ کہ وہ تمام نساءِ مومنین کی، نساءِ عالمین کی اور نساء اہل جنت کی سردار ہو گئیں۔

الثانية أنه يحرم التزويج عليها والجمع بينها وبين ضرة

قال المحب الطبري: قد دلت الأخبار أي المارّة على تحريم النكاح عليّ على فاطمة حتى تأذن. ويدل عليه قوله تعالى: ﴿وما كان لكم أن تؤذوا رسول الله﴾ لكن تبين من كلام جمع متقدمين من أئمتنا الشافعية أن ذلك

من خصائص بناته، لا من خصائص فاطمة فقط، وممن صرح به الشيخ أبو علي في شرح التلخيص، فقال: يحرم التزوج على بنات النبي أي من ينسب إليه بالبنوة، لكن استوجبه الحافظ ابن حجر أنه خاص بفاطمة، لأنها كانت أصيبت بأمها وأخواتها واحدة فواحدة، فلم يبق من تأنس به ممن عنها ألم الغيرة، وفيه نظر.

سیدہ پر سوکن ڈالنے کی حرمت

امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گزشتہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ حضرت علی ﷛ پر حرام تھا کہ وہ سیدہ فاطمہ پر سوکن ڈالیں، اور اس پر یہ فرمانِ الٰہی دلیل ہے ﴿اور انہیں یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچائیں﴾ لیکن ہمارے جمیع متقدمین ائمہ شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ کی تمام بیٹیوں کی خصوصیت ہے نہ کہ فقط سیدہ فاطمہ کی، رضی اللہ عنہن۔ شیخ ابو علی نے ''تلخیص'' کی شرح میں اس بات کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں پر سوکن ڈالنا حرام ہے، یعنی جو آپ کی حقیقی بیٹیاں ہیں۔

(ذخائر العقبىٰ للمحب الطبري ص ٥٢)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس خصوصیت کو سیدہ فاطمہ کے ساتھ واجب کہا ہے، اس لیے کہ ایک ایک کر کے انہیں اپنی ماں اور اپنی بہنوں کی جدائی کا صدمہ پہنچا، پس کوئی ایک بھی ایسا نہ بچا جس کے ساتھ مانوس ہو کر وہ سوکنوں کی وجہ سے پیدا شدہ احساسِ غیرت کو ہلکا کرتیں، اور اس قول میں نظر ہے۔

کیا فقط حضور کی اولین بیٹیوں پر سوکن ڈالنا ناجائز ہے؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جو یہ بات لکھی ہے وہ بعینہٖ حافظ کے الفاظ میں نہیں بلکہ میرے غالب گمان کے مطابق مصنف نے فتح الباری کے دو مقامات کی

عبارت کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ چنانچہ حافظ رحمہ اللہ نے بخاری کی حدیث [۳۷۲۹] کے تحت لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ پر سوکن ڈالنے سے شاید اس لیے منع فرمایا کہ سیدہ کی امی اور اُن کی بہنیں انتقال فرما گئی تھیں، سو اگر اُن پر سوکن ڈالی جاتی تو اُن کا حزن وغم مزید بڑھ جاتا۔

(فتح الباري ج۷ ص ٤٥٣)

اور حافظ نے بخاری کی حدیث [۵۲۳۰] کے تحت لکھا ہے:

والذي يظهر لي أنه لا يبعد أن يعدّ في خصائص النبي ﷺ أن لا يتزوج على بناته ويحتمل أن يكون ذلك خاصاً بفاطمة عليها السلام.

"اور مجھ پر جو بات ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہو کہ آپ کی بنات (مقدس بیٹیوں) پر سوکن نہ ڈالی جائے، اور احتمال ہے کہ یہ حکم سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ خاص ہو"۔

(فتح الباري للعسقلاني ج۱۰ ص ٤١٢، إرشاد الساري للقسطلاني ج۱۱ ص ٥١٧، الثغور الباسمة ص ٢٦)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ہمیں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے احتمال سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یقین محکم زیادہ محبوب ہے کہ انہوں نے امام حسن کے بیٹے حسن کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے فقط اس لیے معذرت کر لی تھی کہ اُس وقت حسن بن حسن کے نکاح میں سیدہ فاطمہ بنت حسین علیہم السلام موجود تھیں۔ یہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی حدیث متعدد حوالہ جات کے ساتھ پیچھے گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں جب احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نسب نبوی ﷺ قیامت تک متصل ہے تو پھر کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی زادی اور فاطمہ زادی پر سوکن ڈالی جائے اور وہ اذیتِ مصطفیٰ اور ایذائے زہرا علیہما السلام کا باعث نہ بنے؟ دیکھیے! کسی بھی مسلمان کو اذیت پہنچے تو اُس کا احساس نبی کریم ﷺ کو ہوتا ہے، اس لیے کہ آپ کی شان ہے "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ" پھر خود غور فرمائیے کہ جو نفوسِ مقدسہ ہوں ہی خونِ نبوی ﷺ کا حصہ انہیں اگر کوئی تکلیف پہنچے تو

حضور ﷺ کو محسوس نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا اور یہی وہ خطرناک بات ہے، جس کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن بن حسن علیہما السلام کو اپنی بیٹی دینے سے معذرت کر لی تھی۔ امام محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کے تحت، بہت خوب فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

وفيه دليل علىٰ أن الميت يراعى منه مايراعى من الحي.

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ فوت شدہ کا بھی اتنا خیال کیا جائے جتنا زندہ کا''۔

(ذخائر العقبیٰ ص ۵۲)

الثالثة أنها كانت لاتحيض أبداً

كمافي الفتاوى الظهيرية الحنفية، قالت المولدات: طهرت من نفاسها بعد ساعة لئلا تفوتها صلاة، ولذلك سميت الزهراء، وممن جزم بذلك من أصحاب الشافعية المحب الطبري، وأورد فيه حديثين: أنها حوراء آدمية طاهرة مطهرة، لاتحيض ولا يرى لها دم في طمث، ولا في ولادة.

سیدہ کی تیسری خصوصیت کہ وہ حیض سے پاک تھیں

جیسا کہ احناف کے فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ سیدہ کی اولاد کی پیدائش کے وقت موجود خواتین نے کہا کہ سیدہ ایک گھڑی بعد نفاس سے پاک ہوگئیں تا کہ اُن کی نماز فوت نہ ہو، اسی لیے انہیں زہراء کہا جاتا ہے۔ ہمارے اصحاب شافعیہ میں سے جنہوں نے اس مسئلہ پر قطعیت اختیار کی ہے اُن میں ایک محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں کہ سیدہ آدمیوں میں حور تھیں وہ پاک ومنزہ تھیں، اُن کے حیض ونفاس وغیرہ کا خون نہیں دیکھا گیا۔

(معجم الشيوخ لابن الإعرابي ج ۱ ص ۲۹۹ رقم ۵۶۸)

اس حدیث کی سند پر کلام

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اس حدیث پر کلام ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لكن الحديثان المذكوران رواهما الحاكم وابن عساكر عن أم سليم زوج أبي طلحة، وهما موضوعان كما جزم به ابن الجوزي، وأقره علىٰ ذلك جمع منهم: الجلال السيوطي مع شدة عليه.

لیکن مذکورہ دونوں حدیثوں کو امام حاکم اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہما نے ابوطلحہ کی زوجہ ام سلیم سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں موضوع ہیں، جیسا کہ ابن جوزی نے انہیں قطعی طور پر موضوع کہا ہے اور سب محدثین نے ان کے حکم کو برقرار رکھا ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی ابن جوزی پر شدید ہونے کے باوجود اُن میں شامل ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس حدیث کی سند پر علماء اسماء الرجال نے واقعی کلام کیا ہے لیکن فضائل پر لکھنے والے علماء نے اپنی کتب میں اِن احادیث کو بلا نکیر چلایا ہے، حتیٰ کہ امام سمہودی اور تردیدِ شیعہ میں مشہور مصنف علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی بلا نکیر یہ حدیث ذکر کی ہے۔

(جواهر العقدين ص ۲۹۳، الصواعق المحرقة ص ۱۶۰)

مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ علامہ احمد حسن سنبھلی چشتی نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک شخص احمد الغسانی ہے جس پر کذب کی تہمت ہے، اسی لیے یہ حدیث متروک ہے "وهو يعتبر في الفضائل" (اور یہ فضائل میں معتبر ہے)۔

(المناقب الفاطمية ص ۲۲، ۲۳)

امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو مقرر رکھا ہے۔

(الأمن والعلىٰ ص ۲۵۶)

ایک مرتبہ اُن کے پاس بایں الفاظ ایک استفتاء (سوال) آیا:

بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض ونفاس سے مبراء ومنزہ تھیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حدیث میں آیا ہے:

إن ابنتي فاطمة حوراء آدمية لم تحض ولم تطمث.

''بیشک میری صاحبزادی بتول زہراء انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔

(فتاوی رضویہ ج۲۸ ص ۳٦١)

جان بوجھ کر موضوع حدیث بیان کرنا کفر ہے، اس کے باوجود امام محب الطبری، امام ابن حجر مکی، امام سمہودی، علامہ سید احمد حسن سنبھلی چشتی، امام احمد رضا حنفی اور دوسرے علماء کرام نے یہ حدیث فضائل میں بیان کر دی؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

راقم الحروف کی دانست کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ سند میں بعض راویوں کا غیر معتبر ہونا اپنی جگہ لیکن اگر آیت تطہیر میں مذکور لفظ ''رِجْسٌ'' کو حسی اور معنوی دونوں پلیدیوں پر محمول کیا جائے تو لامحالہ تطہیر بھی دونوں کو شامل ہوگی، اور اس صورت میں اس حدیث کی سند کتنا ہی کمزور ہو مگر اس کا معنیٰ قرآن کریم سے مؤید ہوگا، اور عقلِ مسلم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ سیدہ کائنات کسی بھی معاملہ میں کائنات کی خواتین کی طرح نہیں تھیں۔

الرابعة أنها كانت لاتجوع

روى البيهقي فى الدلائل عن عمران بن حصين قال: كنت مع رسول الله ﷺ إذا أقبلت فاطمة فوقفت بين يديه فنظر إليها وقد ذهب الدم من وجهها، وغلبت عليها الصفرة من شدة الجوع، فرفع يده حتى وضعها على صدرها في موضع القلادة، وفرج بين أصابعه ثم قال: اللهم مُشبعَ

الجاعة،ورافعَ الوضيعة ارفع فاطمة بنت محمد.قال عمران: فسألتها بعد.

قالت:ما جُعت بعد يا عمران!

چوتھی خصوصیت سیدہ کو بھوک نہ لگنا

امام بیہقی "دلائل النبوۃ" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں پھر آپ کے سامنے کھڑی ہوگئیں، آپ نے انہیں دیکھا تو اُن کے چہرے سے خون رخصت ہو چکا تھا اور بھوک کی شدت سے رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سینۂ اقدس پر ہار پہننے کے مقام پر دست اقدس رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں پھر عرض کیا: اے اللہ! بھوکوں کو سیر کرنے والے، پست لوگوں کو بلند کرنے والے! فاطمہ بنت محمد کو (بھوک وغیرہ سے) بلند فرما دے۔ حضرت عمران کہتے ہیں: بعد میں میں نے سیدہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے عمران! مجھے اُس کے بعد بھوک نہیں لگی۔

(شرف المصطفیٰ لأبي سعيد ج٣ ص٤٩٦ رقم١٢٣٧، دلائل النبوة لأبی القاسم الأصفهاني رقم٣٣٧، الثغور الباسمة للسيوطي ص٢٩ رقم٤١، الخصائص الكبرىٰ ج٢ ص ١١٩ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص١٢٢)

نوٹ

اس حدیث کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے لکھا ہے لیکن مذکورہ متن کے ساتھ یہ حدیث "دلائل النبوۃ" میں نہیں ہے، البتہ جن کتب کا ہم نے حوالہ دیا ہے اُن میں موجود ہے۔

وعنه أيضاً:إني لجالس عند النبي ﷺ إذ أقبلت فاطمة فقامت بحذائه مقابلةفقال:أدني يا فاطمة،فدنت دنوةً، ثم قال:أدني فدنت حتى قامت بين

يديه، قال عمران: فرأيت صفرة قد ظهرت على وجهها، وذهب الدم، فبسط رسول الله ﷺ بين أصابعه ثم وضع كفه بين ثَدْيَيْها ،فرفع رأسه فقال: اللهم مُسبغَ الجوعة ، وقاضي الحاجة، ورفع الوضيعة، لا تجع فاطمة بنت محمد.

فرأيت صفرة الجوع قد ذهبت عن وجهها ، وظهر الدم ، ثم سألتها بعد قالت: ما جعتُ بعد ذلك أبداً.

(رواه الطبراني في الأوسط. وفيه عقبة بن حميد ،وثقه ابن حبان وغيره،وضعفه بعضهم ، وبقية رجاله موثقون)

اور انہیں (عمران بن حصین) سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھا کہ سیدہ فاطمہ آئیں اور اپنے بابا کے روبرو کھڑی ہوگئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ قریب آؤ! تو وہ قریب ہوئیں، پھر فرمایا: قریب آؤ تو وہ اور قریب آئیں حتیٰ کہ آپ کے سامنے کھڑی ہوگئیں ۔ حضرت عمران فرماتے ہیں: میں نے سیدہ کے چہرے میں زردی کے آثار نمایاں دیکھے اور خون نظر نہ آیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں پھیلائیں پھر اپنی ہتھیلی اُن کے سینے مبارک پر رکھ کر اپنے سر اقدس کو بلند کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! بھوکوں کو سیر کرنے والے، حاجتیں پوری فرمانے والے، پست کو بلند کرنے والے! فاطمہ بنت محمد پر بھوک طاری نہ فرما! سو میں نے دیکھا کہ اُن کے چہرے سے بھوک کی زردی ہٹ گئی اور خون نمایاں ہوگیا۔ پھر میں نے بعد میں ایک مرتبہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مجھے اس کے بعد کبھی بھوک نہیں لگی۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عقبہ بن حمید ہے، امام ابن حبان اور دوسرے محدثین نے اس کی توثیق فرمائی ہے اور بعض نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس سند کے باقی

راوی ثقہ ہیں۔

(المعجم الأوسط ج٥ ص١٢ رقم ٤٠١١، دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص١٠٨، مجمع الزوائد ج٩ ص٢٠٣ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص ٣٢٨، ٣٢٩ رقم ١٥٢٠٥، مجمع البحرين ج٣ ص ٤١٥ رقم ٣٨٠٦، دلائل النبوة لأبي نعيم ص ٤٦٢ رقم ٣٩٠، سبل الهدىٰ ج١١ ص٣٧، ٣٨، معجزات الرسول للدكتور مصطفىٰ مراد ص١١٩)

سیدہ بھوک سے کب محفوظ ہوئیں؟

اس حدیث میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس کے مقابلہ میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں سیدہ کی بھوک کا ذکر ہے، لہٰذا اُن احادیث کو اس حدیث پر مقدم مانا جائے گا۔

۲۔ دوسری یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین ﷺ نے سیدہ فاطمہ کے چہرۂ اقدس پر بھوک کے آثار مشاہدہ کیے حالانکہ وہ غیر محرم ہیں۔ اس پر امام محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں:

والأشبه أنه إنمار آها قبل نزول آية الحجاب، والله أعلم.

"یوں لگتا ہے کہ انہوں نے سیدہ کو پردے کی آیت نازل ہونے سے قبل دیکھا ہوگا۔
واللہ اعلم

(دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص١٠٨، الخصائص الكبرىٰ ج٢ ص١١٩ وطبعة أخرىٰ ج٢ ص ١٢٢)

اہل بیت کی کٹھن گزر بسر

مصنف رحمہ اللہ چوتھی خصوصیت کے ضمن میں درج ذیل دو حدیثیں بھی لائے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

وروى أحمد عن أنس: أن بلالاً أبطأ عن صلاة الصبح فقال رسول الله ﷺ ما حبسك؟ قال: مررت بفاطمة تطحن، والصبي يبكي، فقلتُ: إن

شئت كفيتك الرحىٰ، وكفيتني الصبي، وان شئت كفيتك الصبي، وكفيتني الرحى؟

قالت: أنا أرفق بابني منك! فذلك الذي حبسني.

امام احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز فجر سے کچھ لیٹ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: میں سیدہ فاطمہ کے قریب سے گزرا تو وہ چکی چلارہی تھیں اور بچہ رورہا تھا۔ میں نے عرض کیا: اگر آپ چاہیں تو میں چکی چلالیتا ہوں اور آپ بچے کو سنبھالیں اور چاہیں تو میں بچے کو بہلاتا ہوں اور آپ چکی چلالیں۔ فرمایا: تمہاری بہ نسبت میں بچے کے حق میں زیادہ مناسب ہوں۔ پس اس بات نے مجھے لیٹ کردیا۔

(مسند أحمد ج۳ ص۱۵۱ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص۳۸۸ رقم۱۲۵۵۲، سبل الهدىٰ والرشاد ج ۱۱ ص٤۹)

ورواه الطبراني بسند حسن عن فاطمة أن النبى ﷺ أتاها يوماً فقال: أين ابناي؟ يعني الحسن والحسين. قالت: أصبحنا وليس في بيتنا شيء يذوقه ذائق فقال علي: أذهب بهما، فإني أخاف أن يبكيا عليك وليس عندك شيء! فذهب بهما إلى فلان اليهودي، فتوجه إليه رسول الله ﷺ فوجدهما في سربه بين يديهما فضل من تمر، فقال يا علي: ألا تنقلب با بني قبل الحر؟ قال: أصبحنا وليس عندنا شيء، فلو جلست يا رسول الله ﷺ حتى أجمع لفاطمة بعض تمرات، فجلس رسول الله ﷺ حتى اجتمع لفاطمة شيء من تمر، فجعله في حجره، ثم أقبل فحمل النبي ﷺ أحدهما،

وحمل علي الآخر حتى أقبلها.

اور امام طبرانی نے سندِ حسن کے ساتھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اُن کے ہاں تشریف لائے تو فرمایا: میرے بیٹے کہاں ہیں؟ یعنی حسن اور حسین۔ میں نے عرض کیا: آج ہم نے صبح اس حال میں کی کہ ہمارے گھر میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی جسے کوئی چکھنے والا چکھ سکے، تو علی نے فرمایا: میں ان دونوں کو باہر لیجاتا ہوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تیرے سامنے روئیں گے اور تیرے پاس کچھ بھی نہیں، سو وہ انہیں لے کر فلاں یہودی کے پاس گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ادھر کا رخ فرمایا تو انہیں کھجوروں کے ایک جھنڈ میں پایا اور اُن کے سامنے بچی ہوئی کھجوریں موجود تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! میرے بچوں کو گرمی میں لے آئے ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس حال میں صبح کی کہ ہمارے پاس کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ یارسول اللہ! اگر آپ یہاں تشریف رکھیں تو میں فاطمہ کے لیے کچھ کھجوریں جمع کرلوں گا۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ کے لیے کچھ کھجوریں جمع ہوگئیں تو انہوں نے انہیں جھولی میں رکھ لیا پھر ایک بچے کو نبی کریم ﷺ نے اٹھایا اور دوسرے بچے کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ کے ہاں پہنچ گئے۔

(المعجم الكبير ج٩ ص٣٧٦ رقم١٨٤٧٣، الذرية الطاهرة للدولابي ص١٠٤ رقم١٩٣ سبل الهدىٰ ج١١ ص٤٨)

غالباً مصنف رحمۃ اللہ علیہ پہلی دو حدیثوں کے بعد یہ دو حدیثیں اس لیے لائے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ اہل بیت کے گھرانے میں عمومی حالات کیسے ہوتے تھے۔

الخامسة يقال إنها لم تغسّل بعد الموت وإنها غسلت نفسها

لما رواه الإمام أحمد في مسنده، وابن سعد في طبقاته عن سلمى قالت: اشتكت فاطمة شكوها التي قبضت فيه! فكنت أمرّضها، فأصبحت

يوماً، وخرج علي لبعض حاجته فقالت: يا أمة، اسكبي لي غُسْلاً، فسكبت لها غُسْلاً فاغتسلت كأحسن ما رأيتها تغتسل ثم قالت: أعطيني ثيابي الجدد، فلبستها، ثم قالت: قربي فراشي وسط البيت، فاضطجعتْ واستقبلت القبلة، وجعلت يدها تحت خدها وقالت: يا أمة: إني مقبوضة، وقد تطهرت، فلا يكشفني أحد! فقبضت مكانها، فجاء علي فأخبرته فقال: لا والله لا يكشفها أحد، فدفنها بغسلها ذلك [حديث غريب وإسناده جيد، ولكن فيه ابن اسحق وقد ضعفه] وله شواهد ومرسل وهو:

پانچویں خصوصیت: سیدہ کو آخری غسل دیا نہیں گیا بلکہ انہوں نے خود غسل کیا

اس لیے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جس مرض میں وصال ہوا اُس میں انہوں نے تکلیف محسوس فرمائی اور میں اُن کی تیمارداری میں مشغول تھی کہ ایک روز صبح کو حضرت علی ؓ کسی کام کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ کی بندی! میرے لیے غسل کا پانی رکھو، میں نے پانی تیار کیا تو انہوں نے اس سے انتہائی اہتمام کے ساتھ غسل کیا جیسا کہ وہ پہلے غسل فرمایا کرتی تھیں، پھر فرمایا: مجھے نئے کپڑے دے دیں، پس انہوں نے کپڑے زیب تن فرمائے، پھر فرمایا: میرا بچھونا گھر کے وسط میں میرے قریب بچھا دو، پھر وہ اس پر قبلہ رُخ ہو کر لیٹ گئیں اور اپنا ہاتھ مبارک رخسار کے نیچے رکھ لیا اور فرمایا: اب میرے کوچ کا وقت آپہنچا ہے اور میں نے طہارت حاصل کر لی ہے، لہٰذا کوئی بھی مجھے مکشوف نہ کرے، پس اُسی مقام پر اُن کی روح مقدس پرواز کر گئی۔ پھر حضرت علی تشریف لائے تو میں نے انہیں سب کچھ بتایا تو انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اُن کا کپڑا کوئی نہیں ہٹائے گا، پھر انہوں نے اسی غسل کے ساتھ انہیں دفن

فرمایا۔

یہ حدیث اوپری ہے اور اس کی سند عمدہ ہے، لیکن اس میں ابن اسحاق ہے اور انہیں ضعیف کہا گیا ہے، تاہم اس حدیث کے بعض مرسل شواہد موجود ہیں۔

(مسند أحمد ج٦ ص٤٦٢ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٩١٨، ٩١٩ رقم ٢٨١٦٧، الذرية الطاهرة للدولابي ص١١٣ رقم ٢١٥، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٢٥٦، مجمع الزوائد ج٩ ص٢١١ وطبعة أخرىٰ ج٩ ص٣٣٨ رقم ١٥٢٢٠، الثغور الباسمة ص٣٣ رقم ٤٤)

ابن اسحاق پر کلام کا جائزہ

اس حدیث کی سند پر کلام کرتے ہوئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا ہے: اس کی سند میں ابن اسحاق ہے اور اُس کی تضعیف کی گئی ہے۔ حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کے بارے میں یہ ایسا فرسودہ جملہ ہے جسے اکثر لوگ بلا تحقیق نقل کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث کے عظیم امام تھے اور متقدمین نے ان کو حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیا ہے، حتیٰ کہ شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے "أمراء المومنين في الحديث" اور اُس میں انہوں نے پہلا امیر المومنین فی الحدیث ان ہی کو لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "أنوار العرفان في أسماء القرآن" ملاحظہ فرمایئے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے جن شواہد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے:

ما رواه عبد اللّٰه بن محمد بن عقيل: أن فاطمة لما حضرتها الوفاة أمرت عليّاً فوضع لها غسلاً فاغتسلت وتطهرت، ودعت بثياب كفنها، فأتيت بثياب غلاظ خشنة، فلبستها، ومست من حَنوط ثم أمرت ألا يكشفها أحد إذا قبضت، وأن تدرج كما في ثيابها.

فقلتُ له: هل علمت أحداً فعل ذلك؟ قال: نعم كثير بن العباس،

وكتب في أطراف أكفانه: يشهد كثير بن العباس: أنه لا إله إلا الله.

عبداللہ بن محمد بن عقیل بیان کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا وقتِ وصال قریب ہوا تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو عرض کیا جس پر انہوں نے اُن کے لیے غسل کا پانی رکھا، سیدہ نے غسل کیا اور خوب طہارت فرمائی اور اپنے کفن کے کپڑے طلب فرمائے تو موٹے کھردرے کپڑے لائے گئے تو انہوں نے اوڑھ لیے اور حنوط (ایک قسم کی خوشبو) لگائی، پھر فرمایا: جب اُن کا انتقال ہو جائے تو کوئی بھی اُن کے جسم سے کپڑے نہ ہٹائے اور انہیں اِن کپڑوں میں دفن کیا جائے۔

راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کسی اور شخص نے بھی ایسا کیا ہے؟ فرمایا: ہاں کثیر بن عباس نے، اور اُس نے اپنے کفن کے اطراف میں لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

(حلية الأولياء ج۲ ص ۵۳، مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۱۱ وطبعة أخرى ج۹ ص ۳۳۸، ۳۳۹ رقم ۱۵۲۲۱)

حافظ ابن حجر سے ابن جوزی پر تردید

اس سے پہلی حدیث کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع لکھ دیا ہے اور یہ اُن کی خطا ہے، چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد أنكر الحافظ بن حجر في "القول المسدد في الذب عن مسند أحمد" على ابن الجوزي في حكمه عليه بالوضع.

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "القول المسدد في الذب عن مسند أحمد" میں اس حدیث کو موضوع قرار دینے پر ابن جوزی کی تردید فرمائی ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں حضرت محمد بن اسحاق اور دوسرے راویوں کا دفاع کیا ہے اور آخر میں کہا ہے:

أن الحكم بكونه موضوعاً غير مسلّم.

''اس حدیث پر وضع کا حکم لگانا غیر مسلّم ہے''۔

(القول المسدد فی الذبّ عن المسند للإمام أحمد ص ۷۲)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شمار کیا جائے گا''۔

(الثغور الباسمة ص ۳۳)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام سیوطی اور مصنف رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے اس واقعہ کو غریب (نادر) قرار دینے کے باوجود اس کی سند کو جید تسلیم کیا ہے، پس اگر سند جید ہے تو پھر قیل وقال کی کوئی گنجائش نہیں، باقی رہا اس واقعہ کا نادر وعجیب ہونا تو اس گھرانے کی دوسری کون سی بات نادر وعجیب نہیں؟

سیدہ کے آخری غسل میں دوسرا موقف

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقال كثيرون: غسلها زوجها علي، أو أسماء بنت عميس.

کثیر لوگ کہتے ہیں: سیدہ فاطمہ کو ان کے شوہر سیدنا علی یا حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا تھا''۔

کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

سیدہ کو غسل دینے کے اقوال میں ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ انہیں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ بادی النظر میں یہ متعدد اقوال اس بات کو تقویت پہنچاتے ہیں کہ سیدہ علیہا السلام کو کسی بھی دوسرے انسان (مرد ہو یا عورت) نے غسل نہیں دیا بلکہ سیدہ کی وفات سے چند لمحات قبل خود ہی غسل کر لینے کی روایت زیادہ قرین قیاس اور ان کی عصمت کے شایانِ شان ہے۔

اس روایت کے بعد دوسرے نمبر پر جو روایت ہے وہ سیدنا علی علیہ السلام کا خود ہی غسل دینا ہے، اگر یہ

روایت صحیح ہو تو یہ بھی سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی خصوصیت ہوگی، اس لیے کہ فقہاء احناف کے نزدیک شوہر کا بیوی کو غسل دینا جائز نہیں۔ چنانچہ امام تمرتاشی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح.

''اور صحیح ترین مذہب کے مطابق شوہر کو اُسے غسل دینے اور چھونے سے منع کیا جائے گا، دیکھنے سے نہیں''۔

(تنویر الأبصار مع در مختار ج ۳ ص ۸۵)

اس پر امام علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: شوہر کا بیوی کو غسل دینا جائز ہے، اس لیے کہ سیدنا علی نے سیدہ فاطمہ کو غسل دیا تھا، علیہما السلام''۔

(در مختار ج ۳ ص ۸۵)

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولئن ثبتت الرواية فهو مختص به، ألا ترى أن ابن مسعود ﷛ لما اعترض عليه بذلك أجابه بقوله: أما علمت أن رسول الله ﷺ قال: إن فاطمة زوجتك في الدنيا والآخرة.

''اگر یہ روایت ثابت ہو تو پھر یہ سیدنا علی ﷛ کی خصوصیت ہوگی، کیا تم غور نہیں کرتے کہ حضرت ابن مسعود ﷛ نے جب حضرت علی ﷛ کے اس عمل پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہے''۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۸۵)

یہ روایت اگر ثابت ہو تو یہ بھی سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی خصوصیت ہوگی، لیکن امام سیوطی، امام مناوی اور دوسرے محدثین کرام رحمۃ اللہ کا جھکاؤ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے اپنا آخری

غسل خود ہی فرمایا تھا اور راقم الحروف کے نزدیک یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ نیز احادیث کی روشنی میں عقل یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ خروجِ روح کے بعد انہیں دوسرے غسل کی ضرورت بھی نہیں تھی، کیونکہ ایسے پیکر تطہیر جسم سے کسی گندگی کے خروج کا کیا امکان؟ کیا آپ نے وہ احادیث نہیں پڑھیں کہ جب سیدنا علی علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو غسل دیتے وقت آپ کے پیٹ پر زور سے ہاتھ پھیرا تھا تو خوشبو محسوس ہوئی تھی، جس پر وہ بیساختہ پکار اٹھے تھے: "بابي أنت وأمي ما أطيبك حياً وميتاً" (آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ زندگی اور وصال میں کتنا پاکیزہ ہیں!) اس پر سیر حاصل گفتگو ہماری کتاب "لطافتِ جسدِ مصطفی ﷺ" میں کی گئی ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ آخری غسل تو سنت ہے، تو اس پر عرض ہے کہ اسی سنت کے پیشِ نظر تو سیدہ نے خود غسل فرمایا تھا۔

سیدہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وصلى علي عليها ودفنها ليلاً بوصية منها.

سیدہ کی نماز جنازہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور اُن کی وصیت کے مطابق اُنہیں رات کو دفن کیا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں دو قول اور بھی نقل کیے ہیں مگر "قِيلَ" (کہا گیا ہے) سے، اور یہ انداز ضعف پر دلالت کرتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وقال جماعة: وغسلها زوجها علي وصلىٰ عليها ودفنها ليلاً، وقيل صلىٰ عليها العباس، وقيل: أبو بكر، ونزل قبرها علي، والعباس وابنه الفضل.

"اور ایک جماعت نے کہا ہے: انہیں اُن کے شوہر علی علیہ السلام نے غسل دیا، نماز جنازہ پڑھائی اور رات کے وقت دفن کیا، اور کہا گیا ہے: سیدنا عباس نے جنازہ پڑھایا، اور کہا گیا ہے: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا، اور انہیں قبر میں سیدنا علی، سیدنا عباس اور

اُن کے فرزند فضل بن عباس ﷺ نے اتارا"۔

(الثغور الباسمة للسيوطي ص ٣٢)

سیدہ کی جائے تدفین

مصنف رحمۃ اللہ علیہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی قبر مبارک کی جگہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

في محل فيه ولدها الحسن تحت محرابها.

وہ اُس جگہ مدفون ہیں جہاں اُن کے فرزند سیدنا حسن کا مزار ہے، اُن کے محراب کے نیچے۔

سیدہ کا وصال سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہا السلام سے تو پہلے ہوا ہے لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ کے مزار اقدس کی نشاندہی کے لیے امام حسن مجتبیٰ ﷺ کے مزار مبارک کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ وہ ایک قبہ تھا اور اُس کی تلاش و شناخت آسان تھی، مگر افسوس کہ بعد کی حکومتوں نے وہ قبے اور تمام آثار مٹا دیے۔

سیدہ کی تاریخ وصال

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

كان موتها بعد المصطفىٰ ﷺ بعد ستة أشهر على الصحيح وقيل بثمانية، وقيل بثلاثة، وقيل بشهرين ليلة الثلاثاء لثلاث خلون من رمضان سنة إحدى عشرة.

قال الذهبي : والصحيح أن عمرها أربع وعشرون سنة وقيل: إحدى وعشرون وقيل: ست وعشرون وقيل: تسع وعشرون، وقيل: ثلاث وثلاثون، وقيل: خمس وثلاثون.

وقال عبدالله بن الحارث: مكث بعد أبيها ستة أشهر، وهي تذوب،

وماضحكت بعده أبداً.

وروى الطبراني بسند رجاله موثوقون، لكن فيه انقطاع، عن جعفر بن محمد: مكث فاطمة بعد رسول الله ﷺ ثلاثة أشهر ما رئيت ضاحكة، الحديث.

صحیح قول کے مطابق سیدہ کا وصال مصطفیٰ ﷺ کے وصال سے چھ ماہ بعد ہوا، اور کہا گیا ہے: آٹھ ماہ بعد، اور ایک قول تین ماہ کا ہے اور ایک قول دو ماہ کا ہے۔ گیارہ ہجری، تین رمضان المبارک اور پیر کی شب تھی۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اُس وقت اُن کی عمر مبارک چوبیس برس تھی۔ ایک قول اکیس برس، دوسرا قول چھبیس برس، تیسرا قول انتیس برس، چوتھا قول تیس برس اور پانچواں قول پینتیس برس کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث ؓ بیان کرتے ہیں: سیدہ اپنے بابا کے بعد چھ ماہ تک حیات رہیں اور مسلسل پگھلتی چلی گئیں اور آخر تک ہنسی نہیں۔

اور امام طبرانی نے حضرت امام جعفر صادق بن محمد ؓ سے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں لیکن بعض راوی درمیان سے ساقط ہیں کہ سیدہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تین ماہ حیات رہیں انہیں ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا، الحدیث۔

اہل سنت کے نزدیک وصالِ نبوی ﷺ سے چھ ماہ بعد تقریباً اٹھائیس برس کی عمر میں تین رمضان کو سیدہ کے وصال کا قول زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

أول من غطى نعشها في الإسلام:

قال جمع: وهي أول من غُطى نعشها في الإسلام۔ روي ابن سعد عن أم جعفر أن فاطمة قالت لأسماء بنت عميس: إني أستقبح مايُصنع بالنساء،

فَيصفها،يطرح على المرأة الثوب ،فقالت:[يابنت رسول اللّٰه] ألا أريك شيئاًرأيته بالحشبة؟فدعت بجريدة رطبة فحسيتها ثم طرحت عليها ثوباً، فقالت فاطمة:ماأحسن هذا! إذا أنا مت فغسليني أنت وعلي، ولا يدخلن أحد علينا،ثم اصنعي بي هكذا، فلماتوفيت صنع بها ماأمرت به.

اسلام میں سب سے پہلے سیدہ کے جنازے کوڈھانپا گیا

تمام علماء کرام نے کہا ہے:اسلام میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا جنازہ ہے جسے ڈھانپا گیا، چنانچہ امام ابن سعد سیدہ ام جعفر رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ جوعورتوں کے جنازے کے ساتھ کیا جاتا ہے میں اس کوناپسند کرتی ہوں، کہ ایک کپڑا سا ڈال دیا جاتا ہے، پھر آپ نے اُس طرح کر کے دکھایا۔اس پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے رسول اللہ کی لختِ جگر! کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھلاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھی تھی؟ پھر انہوں نے کھجور کی چند تازہ شاخیں منگوائیں پھر انہیں گاڑ کر کھڑا کیا پھر اُن پر کپڑا ڈال دیا۔ اس پر سیدہ فاطمہ نے فرمایا: یہ کتنا ہی عمدہ طریقہ ہے! جب میرا انتقال ہوتو آپ اور علی مجھے غسل دیں، اور کوئی داخل نہ ہونے پائے، پھر آپ اسی طرح میرے جنازے کو ڈھانپنا،پس جب سیدہ وصال فرماگئیں تو میں نے اُن کی وصیت کے مطابق اسی طرح کیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جس سند سے اور جن الفاظ میں یہ حدیث بیان کی اُس سند کے ساتھ یہ حدیث مجھے امام ابن سعد کی "الطبقات" میں نہیں ملی، البتہ سیدہ کے حالات میں مختصراً ایسی بات سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج۸ص۲۵۷)

امام ابونعیم، امام حاکم اوردوسرے محدثین کرام نے اس حدیث کومفصل لکھا ہے، اُس میں ایک جملہ یہ ہے کہ سیدہ نے جب اُس طریقہ کوملاحظہ فرمایا:

فتبسمت فاطمة وما رأيتهامتبسمة بعد أبيها إلا يومئذ.

''تو مسکرائیں اور ہم نے اُس دن کے علاوہ انہیں اُن کے بابا کے بعد مسکراتے نہیں دیکھا تھا''۔

(المستدرك للحاكم ج٣ص١٦١ وطبعة أخرى ج٤ص١٥٠، ١٥١ رقم ٤٨١٧، الذرية الطاهرة للدولابي ص١١١ رقم٢١٢)

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سیدہ نے فرمایا یہ طریقہ بہت عمدہ ہے اور:

تعرف به المرأة من الرجال.

''اس سے عورت مردوں سے ممتاز ہو جاتی ہے''۔

اور اس کی ہیئت کے بارے میں ہے کہ یہ دلہن کی پالکی کی طرح اُبھرا ہوا نظر آتا تھا۔

(الذرية الطاهرة للدولابي ص١١٢ رقم٢١٤ حلية الأولياء لأبي نعيم ج٢ص٥٣ رقم ١٤٥٥، الاستيعاب ج٤ص٤٥١)

انقراض نسب الرسول ﷺ إلا من فاطمة

قال العلماء :انقرض نسب الرسول ﷺ إلا من فاطمة؛لأن أمامة بنت بنته زينب تزوجت بعلي بوصية من فاطمة،ثم بعده بالمغيرة بن نوفل وأتت منهما بأولاد.

قال الزبير بن بكار ثم انقرض عقب زينب.

نسبِ نبوی ﷺ فقط سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے چلا

علماء کرام نے فرمایا ہے نبی کریم ﷺ کا سلسلۂ نسب سیدہ فاطمہ کے علاوہ کسی سے نہیں چلا، اس لیے نبی کریم ﷺ کی نواسی سیدہ زینب کی بیٹی امامہ کا نکاح سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا پھر اُن کے بعد مغیرہ بن نوفل کے ساتھ ہوا تھا اور دونوں سے اُن کی اولاد ہوئی

تھی اور زبیر بن بکار نے کہا ہے: پھر سیدہ زینب بنت رسول ﷺ کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چلا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وانقطع نسل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم إلا من فاطمة.

''رسول اللہ ﷺ کی نسل سیدہ فاطمہ کے علاوہ کسی سے نہیں چلی''۔

(الاصابۃ ج۸ ص۲۶۳)

ان کے علاوہ تمام سیرت نگار حضرات نے اسی بات کی تصریح فرمائی ہے لیکن حیرت ہے کہ ماضی قریب میں کراچی کے اندر ایک تنظیم ''مجلسِ عثمانِ غنی'' کے نام سے وجود میں آئی اور اُس نے تحریراً و تقریراً تمام بنات مصطفیٰ ﷺ سے نسل نبوی کا تسلسل ثابت کرنے میں ناکام کوشش کر ڈالی۔ اس سے اُن کا مقصد فقط سیدنا علی و فاطمہ علیہم السلام کی عظمت کو گھٹانا تھا۔ علامہ محمد عبد الرشید نعمانی مرحوم اور علامہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ نے خوب متانت و تہذیب سے اُن لوگوں کی تردید فرمائی ہے۔ جزاھما اللہ تعالیٰ۔

سیدہ کی مزید خصوصیات

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھا باب سیدہ کی خصوصیات پر قائم کیا ہے اور فرمایا ہے **''وهي كثيرة''** (اور یہ خصوصیات بہت ہیں) لیکن وہ فقط پانچ خصوصیات ہی پیش کر سکے ہیں اور اُن میں سے بھی بعض کو محلِ اعتراض ٹھہرایا ہے، لہٰذا باقی چار خصوصیات رہ گئیں تو پھر یہ کثیر کیونکر کہی جا سکتی ہیں؟

آیئے ہم آپ کی خدمت میں سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی کچھ ایسی فضیلتیں پیش کر رہے ہیں جو در اصل اُن کی خصوصیات ہیں۔ مثلاً:

١۔ سیدہ کا زہرا ہونا

٢۔ سیدہ کا پوری مخلوق سے حضور ﷺ کو زیادہ پیاری ہونا

٣۔ سیدہ کی رہائش کا کاشانۂ نبوی ﷺ سے متصل ہونا اور اہتمامِ نبوی سے ہونا

٤۔ سیدہ کی ہر آمد پر امام الانبیاء ﷺ کا تعظیماً کھڑا ہونا

٥۔ سیدہ کی ہر آمد پر حضور ﷺ کا انہیں اپنی جگہ پر بٹھانا

٦۔ سفر پر جاتے ہوئے آخر میں سیدہ سے ملنا

٧۔ سفر سے واپسی پر پہلے سیدہ کے پاس آنا

٨۔ ایک عرصہ تک سیدہ کے دروازہ پر ہر روز آیت تطہیر کی تلاوت کرنا

٩۔ سیدہ کے دروازے سے گزرتے ہوئے السلام علیکم یا أهل البیت فرمانا

١٠۔ سیدہ کا اہلِ کساء میں ہونا

١١۔ سیدہ کے شوہر کا ہاشمی ہونا

١٢۔ سیدہ کے شوہر کا بچپن سے نبوی تربیت یافتہ ہونا

١٣۔ سیدہ کے شوہر کا تمام مرد حضرات سے اسلام میں مقدم ہونا

١٤۔ سیدہ کے شوہر کا پوری امت سے بڑا عالم ہونا

١٥۔ سیدہ کے شوہر کا پوری امت سے زیادہ بردبار ہونا

١٦۔ سیدہ کے شوہر کا فاتح میدان ہونا

١٧۔ سیدہ کے شوہر کا ہر میدان میں علمبردار ہونا

١٨۔ سیدہ کے نکاح پر مخصوص روحانی اہتمام ہونا

١٩۔ سیدہ کے نکاح پر پوری کائنات کے نکاحوں سے زیادہ جامع دعاؤں کا ہونا

٢٠۔ سیدہ کے بچوں کے ناموں کو بدل کر بطورِ خاص حسن اور حسین نام رکھنا

٢١۔ سیدہ کے بچوں کا بچپن میں سردارِ اہلِ جنت کے مرتبہ پر فائز ہو جانا

٢٢۔ سیدہ کے بچوں کا قرآن کی طرح امت کے حق میں باعث ہدایت ہونا

٢٣۔ سیدہ کی نسل کا بلا انقطاع قیامت تک چلنا

٢٤۔ سیدہ کی اولاد میں خلافت ولایتِ باطنیہ کی امامت (قطبیتِ) عظمیٰ کا ہونا

٢٥۔ سیدہ کے بچوں کے لیے حضور ﷺ کا خطبہ چھوڑنا

٢٦۔ سیدہ کا تمام نساءِ اہلِ بیت اور پوری کائنات کی خواتین سے زیادہ صابرہ ہونا

۲۷۔ سیدہ کی نسل سے قرب قیامت میں روئے زمین کے لیے امام عادل پیدا ہونا

۲۸۔ سیدہ کے بچے کا قرب قیامت میں ہو بہو نبی کریم ﷺ کا ہم شکل پیدا ہونا

۲۹ سیدہ کے بچے کے والدین کا حضور ﷺ کے والدین کا ہم نام ہونا

۳۰۔ سیدہ کے بچے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امام ہونا اور حضور ﷺ کا اس بات پر خوش ہونا وغیرھا۔

الباب الخامس

روايتها للحديث

سیدہ سے مروی احادیث

اعلم أنها لسرعة موتها لم تروِ من الأحاديث إلا قليلاً۔ ذكروا أن جميع ما روته لا يبلغ [عشرة أحاديث] فمن ذلك :

جان لیجئے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جلد وصال فرماجانے کی وجہ سے اُن سے منقول احادیث قلیل ہیں۔ محدثین کرام نے فرمایا ہے: کُل احادیث جواُن سے منقول ہیں اُن کی تعداد دس تک نہیں پہنچتی، اُن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ "حديث المسارّة" المار.

سرگوشی والی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے۔

یہ حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے سنتالیسویں سے انچاسویں نمبر پر آچکی ہے۔

۲۔ وحديث القول عند دخول المسجد. رواه الترمذي وابن ماجه من رواية فاطمة الصغرى عنها مرسلاً، وقد ثبت أيضاً له من طريق آخر عن فاطمة، عن أبيها الحسين عنها.

اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا کی حدیث، اس کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے سیدہ فاطمہ صغریٰ کے حوالہ سے سیدہ کائنات سے مرسلا روایت کیا ہے، نیز ایک اور سند سے سیدہ فاطمہ صغریٰ نے اپنے بابا

امام حسین علیہما السلام کے حوالے سے سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے روایت کیا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے کی جامع دعا، از سیدہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، یہاں ہم پہلے جامع ترمذی اور بعد میں سنن ابن ماجہ کے الفاظ پیش کر رہے ہیں۔ جامع ترمذی میں سیدہ سے منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تو:

صلّیٰ علی محمد وسلم، وقال: رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتک، وإذا خرج صلّیٰ علی محمد وسلم وقال: رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب فضلک .

''محمد ﷺ پر درود اور سلام بھیجتے، اور عرض کرتے: میرے رب میرے گناہ معاف اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور جب باہر نکلتے تو محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتے اور عرض کرتے: میرے رب میرے گناہ معاف اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے''۔

(جامع الترمذي ص٨٦ رقم ٣١٤، مسند أحمد ج٦ ص ٢٨٢ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص ٥٦١ رقم ٢٦٩٤٨، الذرية الطاهرة للدولابي ص ١٠٥ رقم ١٩٥)

سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث یوں مذکور ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ.

اور جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ، وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ.

(سنن ابن ماجه ج١ ص٤٩٣ رقم ٧٧١ وطبعة أخرىٰ ج١ ص٤٢٥ رقم٧٧١)

بعض کتابوں میں یہ حدیث اِن الفاظ میں ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَسَلَّمَ، اَللّٰهُمَ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ، وَسَهِّلْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ.

اور جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَسَلَّمَ، اَللّٰهُمَ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ، وَسَهِّلْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ.

(الذرية الطاهرة للدولابي ص١٠٦ رقم١٩٦)

یہ جامع دعائیں ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم یہ یاد کریں اور اپنی مساجد پر بھی یہی لکھوائیں۔

٣۔ وحديث: "ألا [لا] يلومنّ امرؤ إلا نفسه يبيت وفي يده رمح مخمر". [أخرجه ابن ماجه من رواية ابنها الحسين عنها]

اور یہ حدیث کہ: ''خبردار! وہ شخص اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے جو اس حال میں سو جائے کہ اُس کے ہاتھوں میں گوشت وغیرہ سالن کی بو ہو۔ اس کو امام ابن ماجہ نے از امام حسین سیدہ فاطمہ سے روایت کیا ہے۔

(سنن ابن ماجه ج٤ ص٤٢٢ رقم٣٢٩٦ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص٢٥ رقم٣٢٩٦، الذرية الطاهرة للدولابي ص٩٨ رقم١٨١)

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس سے اگلی حدیث میں ہے کہ'' وہ ہاتھ دھوئے بغیر سو جائے اور اسے کوئی چیز نقصان پہنچادے تو وہ خود کو ملامت کرے''۔

(سنن ابن ماجه ج٤ ص٤٢٢ رقم٣٢٩٧ وطبعة أخرىٰ ج٤ ص٢٥ رقم٣٢٩٧)

٤۔ وحديث: "ترك الوضوء مما مسته النار"۔

[أخرجه أحمد من رواية الحسن بن الحسن عنها مرسلاً].

اور یہ حدیث کہ "جس چیز کو آگ نے چھوا اُسے کھا کر وضو نہ کرنا" اس کو امام احمد نے از امام حسن بن حسن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

آگ پر پکی ہوئی چیز پر وضو کی بحث

اس حدیث میں سیدہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے گھر میں وہ ہڈی تناول فرمائی جو گوشت سے علیحدہ ہو جاتی ہے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی اطلاع دی، آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کے کپڑے سے پکڑ کر عرض کیا: ابا حضور! کیا آپ وضو نہیں کریں گے؟ فرمایا: بیٹی کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا: آگ سے پکائی ہوئی چیز کھانے کی وجہ سے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاکیزہ ترین طعام کو آگ نہیں چھوا کرتی؟

(مسند أحمد ج٦ ص ٢٨٣ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص ٥٦٢ رقم ٢٦٩٥٠، مسند أبي يعلى ج١٢ ص ١٠٨ رقم ٦٧٤٠، الذرية الطاهرة للدولابي ص ٩٩ رقم ١٨٣)

آگ پر پکی ہوئی کسی چیز کو کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی دوسرا وضو کرنا لازم ہے، البتہ کلی کرنا افضل ہے اور اگر کسی چیز کی چکنائی کا اثر باقی رہ جائے تو پھر کلی کرنا ضروری ہے۔

٥۔ وحديث: "ساعة الإجابة في يوم الجمعة، أنها إذا تدلت الشمس للغروب". [أخرجه البيهقي في الشعب]

اور وہ حدیث جو "جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کے بارے میں ہے کہ وہ ساعت اُس وقت ہوتی ہے جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے"۔ اس کو امام بیہقی نے "شعب الإيمان" میں روایت کیا ہے۔

(نور اللمعة في خصائص الجمعة للسيوطي ص ٨١ رقم ١٥٧)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس کتاب میں ساعتِ اجابت کے بارے میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

إذا تدلّىٰ نصف الشمس للغروب.

''جب آدھا سورج غروب کے قریب ہو جائے''۔

(نور اللمعة في خصائص الجمعة للسيوطي ص ۸۱ رقم ۱۵۷، مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص ۴۳ رقم ۴۷)

٦۔ وأخرج أحمد عن محمد بن علي، قال: كتب إليّ عمر بن عبد العزيز أن أفتح له وصية فاطمة فكان في وصيتها: السِّتْر الذي يزعم الناس أنها أحدثته، وأن رسول الله ﷺ دخل عليها، فلما رآه رجع.

اور امام احمد نے سیدنا امام محمد بن علی (یعنی امام باقر) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ میں اُن کے لیے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا وصیت نامہ کھولوں (وہ کھولا گیا تو) اُس میں اُس پردے کا ذکر تھا جس کے بارے میں لوگ گمان کرتے ہیں کہ اُسے سیدہ نے بنایا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے تھے اور اُسے لٹکا ہوا دیکھا تھا تو لوٹ گئے تھے۔

(مسند أحمد ج ٦ ص ۲۸۳ وطبعة أخرىٰ ج ۸ ص ۵٦۳ رقم ۲٦۹۵۳)

یعنی سیدہ سے چھٹی حدیث یہی مروی ہے۔

۷۔ وأخرج الطبراني عن فاطمة بنت رسول الله ﷺ أنها أتت بالحسن والحسين إليه في شَكْواه الذي تُوفي فيه فقالت: يا رسول الله ﷺ، هذان ابناك فوَرِّثْهما شيئاً، قال: "أما الحسن فله هيبتي وسؤددي، وأما الحسين فله جودي وجرأتي، فإن ابتليتم فاصبروا، فإن العاقبة للمتقين.

امام طبرانی سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہا وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سیدنا حسن اور سیدنا حسین علیہما السلام کو لے کر آئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کے بیٹے ہیں آپ انہیں کسی چیز کا وارث بنائیں۔ فرمایا: حسن کے لیے میری سیادت اور ہیبت ہے اور حسین کے لیے

میری سخاوت اور جرأت ہے، پس اگر تم آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرنا، بیشک اچھا انجام متقین کا ہوتا ہے۔

(المعجم الكبير ج ۹ ص ۳۷٦ رقم ۱۸٤٧٤، المعجم الأوسط ج ۷ ص ۱۳٦ رقم ٦٢٤١، معرفة الصحابة لأبي نعيم ج ۲ ص ۱۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸۵ وطبعة أخرىٰ ج ۹ ص ۲۹٦ رقم ۱۵۰۹۸، ۱۵۰۹۹، مسند فاطمة الزهراء ص ٦۰ رقم ۱۳٤، ۱۳۵)

حسنین کریمین کی ہیبت، سیادت، سخاوت اور جرأت

بلاشبہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کو مصطفیٰ ﷺ کی ہیبت وسیادت عطا تھی۔ ہیبت اس قدر تھی کہ جب تک امام ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے مخالفین کو دم مارنے کی مجال نہ تھی اور وہ آپ کے خلاف خفیہ حربے استعمال کرتے رہے حتیٰ کہ یہود کی طرح زہر دلوانے سے بھی باز نہ آئے، اور جب امام کی شہادت ہوئی تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور کہا "ایک چنگاری تھی جو بجھ گئی"۔

اور سیادت بھی خوب تھی، سیادت سے سید ہے اور لغت میں سید اُسے کہتے ہیں جو اپنی قوم سے تکالیف کو دفع کرے، اور احادیث وتاریخ اس امر پر گواہ ہیں کہ جب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا اور اقتدار پسند لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر تل گئے تو آپ نے محض اہل اسلام کی خاطر مستقبل کی سلطنت سے ہاتھ اٹھا کر سیادت کا ثبوت فراہم کیا اور سامنے والے لوگوں کو فرمایا:

وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ.

اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو"۔

(الأنبياء: ۱۱۱)

بلاشبہ یہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا (کسی فرد واحد کے لیے نہیں بلکہ اسلام اور امت کے لیے) ایسا ایثار ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے حق فرمایا تھا۔

خارزار دہر میں جینا اگر ہے سیکھنا
صبر کو شبیر کے ایثار کو شبر کے دیکھ

زاریاں غمخواریاں قربانیاں ستاریاں
پھول بوٹے حضرتِ زہرا کی تو چادر کے دیکھ

(فرش پر عرش ص ۱۸۰)

امن کی خاطر سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی یہ قربانی اپنی مثال آپ ہے۔حضرت علامہ سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

بنوامیہ زر وجاہ کے حریص اُدھر
اِدھر یہ حال، کہ دنیا تھی زیرِ پائے حسن
نقیب امن واماں کا لقب ہوا، سید
فساد وفتنہ مٹانا تھا مدعائے حسن

(فیض نسبت ص ٦١)

امام حسین علیہ السلام کی سخاوت وجرأت کا کیا پوچھنا! اگر آپ اِس امامِ عالی مقام کی سخاوت وجرأت کا کچھ اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو مدینہ مقدسہ کے گھر چھوڑنے سے لے کر کربلاء کے میدان میں اپنے ہاتھوں سے کنبہ قربان کرانے اور آخر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے تک کے احوال پر ایک طائرانہ نظر ضرور ڈالیں۔اگر آپ کے سینے میں قلبِ سلیم اور سر میں فکرِ سلیم موجود ہے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ سورۃ البقرۃ [۱۵۵] میں جو اہل ایمان کی آزمائش کے لیے پانچ چیزیں ذکر فرمائی گئی ہیں، امت مسلمہ میں سے کسی پر بھی وہ پانچوں کی پانچوں بیک وقت نہیں آزمائی گئیں، ماسوا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے۔آپ پر وہ پانچوں بیک وقت آزمائی گئیں اور آپ اُن میں سے بعض کو انتہائی جرأت سے قبول کرتے اور بعض کو انتہائی سخاوت سے پیش کرتے چلے گئے۔

رضا وصبر کے جوہر دکھا رہے ہیں حسین
ستم گروں میں گھرے مسکرا رہے ہیں حسین
خدا کی راہ میں خود کو لٹا رہے ہیں حسین

وہ کربلا کی طرف بڑھتے جارہے ہیں حسین

حجاب جو ہوئے حائل، وہ اٹھا رہے ہیں حسین

جو اصل دیں ہے، وہ ہم کو دکھا رہے ہیں حسین

مٹا کے خود کو، گھرانے کو، ساتھ والوں کو

نصیبِ امتِ عاصی، جگا رہے ہیں حسین

(فیضِ نسبت ص۹۲،۹۳)

۸۔ وأخرج عن ابن أبي مليكة قال: "كانت فاطمة تنقر الحسن وتقول: "بأبي شبه رسول الله ﷺ إنه ليس شبيها لعلي".

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ امام حسن کو چٹکی بجا کر لوری دیتیں اور فرماتیں: میرے ماں باپ قربان تم رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل ہو علی کے مشابہ نہیں ہو۔

"نقر" کا معنیٰ ہے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کو ملا کر آواز پیدا کرنا، سیدہ ایک طرف ہاتھ سے یہ آواز پیدا کرتیں اور دوسری طرف یہ الفاظ گنگناتیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ خدا جانے کس کتاب سے نقل کیے ہیں لیکن مسند احمد میں یہ الفاظ شعر کی صورت میں یوں مرقوم ہیں:

بأبي شبه النبي ليس شبيها بعلي

(مسند أحمد ج٦ ص٢٨٣ وطبعة أخرىٰ ج٨ ص٥٦٣ رقم ٢٦٩٥٤، الإصابة ج٢ ص٦٢، الثغور الباسمة للسيوطي ص٣٦ رقم ٤٧)

۹۔ وأخرج الدارمي عن أنس أنها قالت له: "كيف طابت نفوسكم أن تحثوا التراب على رسول الله؟"

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں فرمایا: تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کر لیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کی؟

(سنن الدارمي ج ۱ ص ۳۲ رقم ۸۷، بخاري ص ۷۵۸ رقم ٤٤٦٢)

١٠ وأخرج ابن عساكر عن جابر بن سعيد قال: أخبرتني فاطمة بنت رسول الله ﷺ أنها رأت في نومها أنها أنكحت أبابكر، فنكح علي أسماء بنت عميس وكانت بنت عميس تحت أبي بكر فمات أبو بكر وتوفيت فاطمة فنكح علي أسماء بنت عميس.

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: مجھے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نکاح کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسماء بنت عمیس سے نکاح کیا، اور اُس وقت اسماء بنت عمیس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام وصال فرما گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے نکاح فرمایا۔

حضرت اسماء بنت عمیس کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح

حضرت اسماء بنت عمیس کا تعارف پہلے لکھا جا چکا ہے، یہاں اُن کے نکاح کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں: سب سے پہلے ان کا نکاح حضرت سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا اور اُن سے ان کے ہاں اولاد ہوئی جو اب تک چل رہی ہے۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، اُن سے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ ان کے بیٹوں محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا، ایک کہتا تھا: میں تجھ سے اور میرے والد تیرے والد سے بہتر ہیں اور دوسرا کہتا تھا: میں تجھ سے اور میرے والد تیرے والد سے بہتر ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء کو فرمایا: ان کے

درمیان فیصلہ کیجئے، انہوں نے فرمایا: میں نے جعفر سے بہتر کوئی جوان نہیں دیکھا اور ابو بکر سے بہتر کوئی بوڑھا نہیں دیکھا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو آپ نے ہمارے لیے کیا بچایا؟"۔

(الإصابة ج۸ص۱٦، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۸ص۳۹۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں افضلیت کی جو ترتیب اور جو تذکرے ہمارے درمیان مشہور ہیں یہ حضرات اس ترتیب و تذکروں سے ناواقف تھے، ورنہ حضرت اسماء بنت عمیس تو نکاحِ مرتضوی میں وصالِ ابی بکر کے بعد آئی تھیں وہ اپنے پہلے بیٹے محمد بن جعفر کو فرما سکتی تھیں: بیٹا! محمد بن ابی بکر کے والد پہلے خلیفہ تھے اور اُن کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے اور اُس پر اجماع ہو چکا ہے تو تم کس گمراہی میں پڑ گئے ہو؟ اگر حضرت اسماء بنت عمیس نے وضاحت نہیں فرمائی تو کم از کم سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی اجماع کی خلاف ورزی پر حضرت سیدنا محمد بن جعفر علیہما السلام کو متنبہ کرتے اور فرماتے: برادرزادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ محمد بن ابی بکر کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول تھے، پھر تم کس منہ سے اپنی اور اپنے باپ کی افضلیت کی بات کرتے ہو؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نوجوان، ان کی امی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ چاروں ہستیاں ترتیبِ افضلیت بترتیبِ خلافت کے اجماع سے ناواقف تھے۔

یہی نہیں بلکہ وہ صحابی جن سے سب سے زیادہ احادیث منقول ہیں وہ بھی افضلیت کی اِس ترتیب سے ناواقف تھے۔ چنانچہ امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام حاکم نے از عکرمہ، از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جعفر سے افضل نہ کسی نے جوتیاں پہنیں، نہ اونٹنی پر سوار ہوا اور نہ ہی گھوڑے کی زین پر سوار ہوا"۔

(مسند أحمد ج۲ص۴۱۳ وطبعة أخرىٰ ج۳ص۴۸۷رقم۹۳۴۲، جامع الترمذي ص ۸۵۵ رقم۳۷٦۴، السنن الکبریٰ للنسائي ج ۵ص۴۷رقم۸۱۵۷، وطبعة أخرىٰ ج۷ص۳۱۳ رقم ۸۱۰۱، المستدرك ج۳ص۴۱، ۲۰۹ وطبعة أخرىٰ ج۳ص ۵۸۵رقم۴۴۰۷ وص

۲۱۸ رقم ۴۹۸۷)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی حاکمؒ کی موافقت کی ہے۔

یہ قول صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حضرت جعفر بن ابی طالب کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں''۔

(الإصابة ج ۲ ص ۸۵)

تعجب ہے کہ کیونکر وہ صحابی افضلیت بترتیب خلافت کے اجماع سے نابلد رہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص قوتِ حافظہ پائی اور جو حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں؟ آج جو شخص ترتیب خلافت کے مطابق افضلیتِ قطعی اور اجماع قطعی کے دعوے کرتا ہے اُس کا حضرت محمد بن جعفر، محمد بن ابی بکر، اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس، اُن کے سوتیلے باپ علی المرتضیٰ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سیدہ فاطمہ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین خلیج کیسی؟

یہ اسماء بنت عمیس وہی ہیں جو سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی خدمت کیا کرتی تھیں اور جنہوں نے سیدہ کے جنازے کو لیجانے کے لیے پالکی نما چیز کا ڈیزائن تیار کیا تھا اور سیدہ اس پر اتنا خوش ہوئی تھیں کہ اپنے بابا کے وصال کے بعد پہلی اور آخری مرتبہ اُس ڈیزائن کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ خیال رہے کہ جس وقت حضرت اسماء بنت عمیس سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں مشغول تھیں اُس وقت وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں، کوئی لونڈی نہیں تھیں۔ لہٰذا ایمان سے بتلایئے جس گھرانے سے شوہر کے تعلقات کشیدہ ہوں کیا بیوی اُس گھرانے کی خدمت کیا کرتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! اگر نہیں تو پھر اُن شیر و شکر کی مانند لوگوں کے مابین بعد کے لوگ کیوں خلیج اور فاصلے پیدا کرتے ہیں؟ کیا یہ للّٰہیت و دینداری کا

حصہ ہے؟

مرویاتِ فاطمہ میں امام سیوطی اور مناوی پر اضافہ

امام سیوطی اور امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات بمشکل دس تک پہنچتی ہیں لیکن اگر تتبع کیا جائے تو مزید روایات بھی مل سکتی ہیں، مثلاً اِس وقت میرے سامنے امام دولابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الذرية الطاهرة النبوية" کسی حدیث کی تلاش کے لیے کھلی ہوئی تھی کہ اچانک میری نگاہ ایسی تین حدیثوں پر پڑی جنہیں امام سیوطی اور امام مناوی رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ سیدہ فاطمہ سے مروی ہیں۔ اہل علم بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(الذرية الطاهرة ص ۱۰۶، ۱۰۷ رقم ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰)

یہ تینوں احادیث سیدہ سے سیدہ کی اولاد نے روایت کی ہیں جبکہ اسی کتاب میں ایک چوتھی حدیث بھی میرے سامنے آئی ہے اور اُسے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

حدثنا أحمد بن يحيى الأودي: حدثنا أبو نعيم ضرار بن صرد التميمي: حدثنا عبد الكريم أبو جعفر، عن جابر، عن أبي الضحىٰ، عن مسروق، عن عائشة، قالت: حدثتني فاطمة، قالت: قال لي رسول الله ﷺ زوجك أعلم الناس علماً وأولهم إسلاماً وأفضلهم حلماً.

"ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے سیدہ فاطمہ نے حدیث بیان کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا شوہر تمام لوگوں سے بڑا عالم، اسلام میں اُن سب سے اول اور بردباری میں اُن سب سے افضل ہے"۔

(الذرية الطاهرة للدولابي ص ۱۰۳ رقم ۱۹۰)

ذرا تصور فرمائیے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث سناتے ہوئے کس قدر خوشی محسوس فرمائی ہوگی؟ شاید اسی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ سید پیر

نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ کی بارگاہ میں عرض کیا ہے۔

پاسکا کوئی نہ انسانوں میں بعد از انبیاء

جو فضیلت علم کی زہرا ترے شوہر میں ہے

(فیض نسبت ص۲۸۸)

ماينسب إليهامن الشعر

وممماينسب إليهامن الشعرقولهاترثي أباهاكمافي سيرة اليعمري:

سیدہ فاطمہ کی طرف منسوب اشعار

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو اشعار منسوب ہیں اُن میں سے بعض وہ ہیں جو انہوں نے اپنے بابا کے غم میں کہے، جیسا کہ سیرت یعمری (عیون الأثر) میں ہے:

أغبر آفاق السماء وكورت — شمس النهاروأظلم العصرات

وصالِ نبوی ﷺ نے آفاقِ سماوی کو غبار آلود کر دیا، دن کے سورج کو گرہن لگ گئی اور زمانوں پر اندھیرا چھا گیا۔

فالأرض من بعد النبي كئيبة — أسفاً عليه كثيرة الرجَفان

زمین غمِ نبی ﷺ میں گریہ کناں، افسردہ اور لرزہ خیز ہے۔

فليبكه شرق البلادوغربها — وليبكه مضروكل يماني

لہٰذا اُن کی جدائی میں بلادِ شرق و غرب اور قبیلہ مضر اور جملہ یمنیوں کو رونا چاہیے۔

وليبكه الطودالمعظم جَوُّه — والبيت ذوالأستاروالأركان

اور مکہ کے بڑے پہاڑ، اس کی فضا، غلاف والا کعبہ اور ارکان کو رونا چاہیے۔

ياخاتم الرسل المبارك ضوؤه — صلى عليك منزل الفرقان

اے بابرکت روشنی والے خاتم المرسلین! آپ پر قرآن نازل کرنے والے کا درود ہو۔

(عیون الأثر لابن سیدالناس ص ٤٥١، جامع الآثار لابن ناصرالدین دمشقي ج٧ص ٧٠٦)

روایة طاهر بن یحیی العلوي وابن الجوزي

وروي طاهر بن یحیي العلوی و ابن الجوزي فی الوفاء عن علي:

"لمادفن رسول الله ﷺ جاء ت فاطمة فوقفت علی قبره، وأخذت قبضة من تُراب القبر، وأنشأت تقول:

وقیل بل هو لعلي:

طاہر بن یحیٰ علوی اور ابن جوزی کی روایت

طاہر بن یحیٰ علوی اور ابن جوزی "الوفا" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی تدفین ہوگئی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور قبرِ نبوی پر کھڑی ہوگئیں اور قبر کی مٹی سے ایک مٹھی بھر کر یہ اشعار پڑھنے لگیں، بعض کے نزدیک یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔

ماذا علیٰ من شم تربة أحمد   ألایشم مدی الزمان غوالیا

جس نے تربتِ احمد ﷺ کی خوشبو سونگھ لی اگر وہ زمانے کی قیمتی خوشبوئیں نہ سونگھے تو اسے کوئی پروا نہیں۔

صُبّت علي مصائب لَو أنها   صُبّت علی الأیام صُرن لَیالِیا

مجھ پر اس قدر مصیبتیں آ پڑیں کہ اگر دنوں پر آتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

(الوفا بأحوال المصطفیٰ لابن الجوزي ص ٨١٩ رقم ١٥٣٨، عیون الأثر لابن سیدالناس ص ٤٥١، جامع الآثار للدمشقي ص ٦٠٥)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک یہ اشعار سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، یہ بات کسی حد تک درست بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ "دیوان علی" کے بعض نسخوں میں یہ اشعار ملتے ہیں، لیکن

سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا ان اشعار کو اپنے بابا کے روضہ مقدسہ پر پڑھنا جہاں قرین قیاس ہے وہیں اُن کے حال کے بھی عین مطابق ہے۔

ماتمثلت به من الشعر

وروي أنها تمثلت بشعر فاطمة بنت الأحجم:

سیدہ کا دوسرے شعراء کے کلام کو پڑھنا

اور روایت کی گئی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر فاطمہ بنت احجم کے اشعار اپنے حال کے مطابق پڑھے۔

قد كنتَ لي جبلاً ألوذ بظله　　　فتَركْتَنِي أمشي لأجْرَدَ ضَاحي

آپ میرے لیے پہاڑ تھے، میں اُس کے سایہ میں پناہ لیتی تھی، پس آپ نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا،

قد كنتُ ذات حَمِيَّةٍ ماعشتَ لي　　　أمشي البرازَ وكنتَ أنت جناحي

جب تک آپ زندہ رہے میں کھلے میدان میں باعزت محفوظ رہی، آپ میرے بال و پر تھے۔

فاليوم أخضع لِلّذليل وأتقي　　　منه وأدفع ظالمي بالرّاحِ

آج میں کمزور ذلیل کے سامنے بھی عاجز ہوں اور اس سے ڈرتی ہوں اور اپنے ظالم سے خالی ہاتھ دفاع کرتی ہوں۔

وإذا دعت قُمْرِيَّةٌ شجناً لها　　　ليلاً على فَنَنٍ دعوت صباحي

اور جب رات کے وقت قمری اپنے غم میں پکارتی ہے میں بھی اپنی چیخ لگاتی ہوں، میرا غم بھی قمری جیسا ہے۔

تنبیہ

یہ اشعار جس کسی کے بھی ہوں سیدہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایسے اشعار کو زبان پر لاتیں، کیونکہ پیچھے ایسی احادیث آچکی جن میں سیدہ کو فرمایا گیا کہ تم کائنات کی خواتین کی طرح نہیں ہو، لہٰذا صبر

کرنے میں بھی اُن سے بلند رہنا۔

ماروٰاه الثعلبي

وروي الثعلبي بإسناده: أن الحسن والحسين مرضا فعادهما المصطفىٰ في ناس فقالوا: يا أبا الحسن، لو نذرت، فنذر علي وفاطمة: إن شُفِيَا أن يصوما ثلاثاً، فشفيا ولا شيء عندهم، فاقترض علي من يهودي آصعا، فصنعت فاطمة طعاماً، وقدمته له عند فطره، فوقف بالباب سائل، فاستطعمهم فقال علي:

سورۃ الدھر کی آیات کی شانِ نزول میں ثعلبی کی روایت

ثعلبی اپنی سند سے راوی ہیں کہ ایک بار حضرت حسن اور حضرت حسین ﷺ بیمار ہوگئے تو حضور ﷺ نے لوگوں کی معیت میں ان کی عیادت کی تو لوگوں نے کہا: یا ابا الحسن! اگر آپ منت مان لیتے تو بہتر ہوتا تو حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نذر مان لی کہ اگر یہ دونوں شفایاب ہوگئے تو وہ دونوں تین روزے رکھیں گے، سو وہ بچے صحت یاب ہوگئے لیکن سیدنا علی وفاطمہ کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، اس پر حضرت علی ﷺ نے ایک یہودی سے چند صاع قرض لیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا تیار کیا اور افطار کے وقت حضرت علی ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ اُدھر دروازے پر سائل آکھڑا ہوا تو حضرت علی ﷺ نے فرمایا:

فاطم ذات المجد واليقين   يا بنت خير الناس أجمعين

سخاوت ویقین والی فاطمہ! اے تمام انسانوں سے افضل کی لختِ جگر!

أما ترين البائس المسكين   قد قام بالباب له حنين

کیا آپ اُس پریشان مسکین کو دیکھ رہی ہیں جو دروازے پر کھڑا ہے۔

يشكو إلى الله ويستكين　　　يشكو إلينا جائع حزين

وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کر رہا ہے اور سکون مانگ رہا ہے، ہم سے بھوک وغم کی شکایت کر رہا ہے۔

كل امرىء بكسبه رهين　　　وفاعل الخيرات يستعين

ہر شخص اپنی کمائی کا مرہونِ منت ہوگا اور نیکیاں کرنے والا مدد طلب کرے گا۔

موعده جنة عليين　　　حرّمها الله على الضنين

اُس کے وعدے کا مقام بلند جنت ہے اور بخیل پر اللہ نے اسے حرام کر رکھا ہے۔

وللبخيل موقف مَهين　　　تهوي به النار إلى سِجِّين

اور بخیل کے لئے رسوائی کا مقام ہوگا، آگ اُس کو سجین کی طرف لے جائے گی۔

فقالت فاطمة :

اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

أمرك سمع يا ابن عَمِّ وطاعة　　　ما بي من لوم ولا وضاعة

(اے رسول اللہ کے چچازاد) آپ کا حکم سمع وطاعت کا درجہ رکھتا ہے، مجھے اس معاملہ میں کوئی اعتراض وغیرہ نہیں۔

غُذيت باللب وبالبراعة　　　أطعمه ولا أبالي الساعة

باریک بینی اور جود وعطا مجھے گھٹی میں ملے ہیں، آپ اس کو کھلایئے مجھے کوئی پروا نہیں۔

أرجو إذا أنفقت من مجاعة　　　أن ألحق الأخيار والجماعة

مجھے امید ہے کہ جب میں بھوک کے باوجود کھلاؤں گی تو بہتر لوگوں کی جماعت میں شامل ہوں گی،

وأدخل الخلد ولي شفاعة

اور جنت الخلد میں داخل ہوں گی اور مجھے شفاعت ملے گی۔

فأعطى الطعام ومكثوا يومهم وليلتهم لم يذوقوا الماء فصنعت مثله، فوقف بالباب يتيم فاستطعم ، فقال علي رضي الله عنه:

پس انہوں نے وہ کھانا یتیم کو دے دیا اور خود ایک دن رات پانی تک نہ چکھا، پھر دوسرے روز اسی طرح کھانا تیار کیا تو دروازہ پر ایک یتیم آ کھڑا ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

یافاطمة بنت السید الکریم بنت نبي لیس بالزنیم

اے سخی سردار کی لختِ جگر فاطمہ! تو نبی کی بیٹی ہے کسی گمنام کی نہیں۔

قدجاء نا اللّٰه بذا الیتیم من یرحم اللّٰه فهو رحیم

اللہ تعالیٰ نے اس یتیم کو ہمارے پاس بھیجا ہے، جس پر اللہ رحم فرماتا ہے تو وہی رحیم ہوتا ہے۔

موعده فی جنة النعیم قد حُرم الخلد علی اللئیم

اُس کے وعدے کی جگہ نعمتوں والی جنت ہے، بیشک جنت بخیل پر حرام کی گئی ہے۔

یساق فی النار إلی الجحیم شرابه الصدید و الحمیم

اُسے نار جہنم کی طرف ہانکا جائے گا جس میں اس کا مشروب پیپ اور کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

فقالت فاطمة :

اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

إني لأعطیه ولا أبالي وأوثر اللّٰه علی عیالي

بیشک میں اس کو کھانا دوں گی اور رضائے الٰہی کو اپنے بچوں پر ترجیح دوں گی۔

أمسَوْا جیاعا وهم أشبالي أصغرهما یقتل فی القتال

انہوں نے کل بھی فاقہ کیا تھا اور یہ میرے شیر ہیں، ان میں سے چھوٹا میدان میں جنگ کرے گا۔

بکربلاء یقتل فی اغتیال للقاتل الویل مع الوبال

وہ دھوکے سے کربلا میں شہید کیا جائے گا، اس کے قاتل کے لیے وبال اور ہلاکت ہے۔

تهوي به النار إلى سفال مُصفد اليدين بالأغلال

لقوله زادت على الأكيال

اسے طوق پہنا کر جہنم کی گہرائی میں ڈالا جائے گا، ہاتھ زنجیروں سے جکڑے ہوں گے، اس کے بولنے پر وزن بڑھایا جائے گا۔

فأعطى الطعام، وأمسكوا يومين وليلتين لم يذوقوا شيئا إلا الماء القراح فوقف بالباب أسير فاستطعم فقال علي:

پس انہوں نے کھانا دے دیا اور خود دو روز و شب محض پانی کے سوا کچھ نہ چکھا، پھر تیسرے روز دروازہ پر ایک قیدی نے آ کر کھانا مانگا تو حضرت علی ﷺ نے فرمایا:

فاطمة بنت النبي أحمد بنت نبي سيد مُسوَّد

احمد نبی کی لختِ جگر فاطمہ، سیادت مآب سردار کی بیٹی فاطمہ!

هذا أسير للنبي المهتدى مكبل في غله المقيد

یہ قیدی ہدایت یافتہ نبی کی خدمت میں طوق میں بندھے ہوئے مقید ہو کر آئے ہیں۔

يشكو إلينا الجوع والتشدد من يطعم اليوم يجده في غد

ہمارے پاس بھوک اور شدت کی شکایت لائے ہیں، جو آج ان کو کھلائے گا کل وہی پائے گا

عند العلي الواحد الموحّد ما يزرع الزراع سوف يحصد

اُس بلند تنہا و یکتا کے پاس (وہ مرتبہ پائے گا) جو کاشت کرے گا عنقریب وہی کاٹے گا

فأطعمني من غير منّ أو نكد حتى تجازي بالذي لا ينفد

پس تم ان کو بغیر احسان جتلائے کھانا کھلاؤ تا کہ تمہیں وہ جزا دی جائے جو ختم نہ ہوگی۔

فقالت فاطمة :

اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

لم يبق مما جئت غير صاع　　　قد دميت كفي مع الذراع

جو کچھ آپ لائے تھے اُس میں سے ایک صاع باقی ہے، میرے ہاتھ بازؤوں سمیت درد کر رہے ہیں۔

ابناي والله من الجياع　　　أبوهما بمحتده صناع

اللہ کی قسم میرے بچے بھوکے ہیں ان کا باپ محنت مشقت سے کچھ کما کر لائے ہیں۔

يصنع المعروف بابتداع　　　عبل الذراعين طويل الباع

وما على رأسي من قناع

لیکن وہ عجیب انداز میں بھلائی کرتے ہیں، وہ لمبے (سخی) ہاتھوں والے ہیں، (ہر حال میں سخاوت کرتے ہیں) خواہ میرے سر پر دوپٹہ بھی نہ ہو۔

فأعطوه الطعام ومكثوا ثلاثا لا يذوقون الأكل وقد قضوا نذرهم، فأخذ علي الحسين، وأقبل على المصطفىٰ وهم يرتعشون كالفراخ من شدة الجوع فقال المصطفىٰ: "ما أشد ما يسوؤني مما أرى بكم، انطلق بنا إلى ابنتي فاطمة" فلما رآها، وقد لصق بطنها بظهرها وغارت عينها لشدة الجوع قال: واغوثاه! يموت أهل بيت محمد جوعاً؟! فنزل قول الله تعالىٰ: ﴿يوفون بالنذر﴾ إلى قوله :﴿إنما نطعمكم لوجه الله﴾ وهذا حديث كذب موضوع. فقد قال الحكيم الترمذي :

هذا من الأحاديث التي تنكرها القلوب وهو حديث مسروق مفتعل لا

يروج إلا على أحمق جاهل غبي.

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات بزيادة على ذلك وقال:

هذا لا يشك أحد في وضعه

وممن جزم بوضعه الذهبي، وزين الدين العراقي، والحافظ بن حجر العسقلاني وغيرهم ممن كان يؤمن بالله واليوم الآخر لا يحل لهم نسبة ذلك للمصطفىٰ، ولا إلى فاطمة، ولا إلى علي، وحاشا بلاغتهم من هذه الألفاظ الركيكة، والعبارات المنحطة الوضيعة، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

پس انہوں نے وہ کھانا اُسے دے دیا اور خود تین شب روز کھانے کی کوئی چیز نہ چکھی اور اپنی نذر پوری کرلی۔ پھر حضرت علی حسنین کریمین کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، درآنحالیکہ وہ چوزے کی طرح شدت بھوک سے کانپ رہے تھے۔ اس پر مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: یہ شدت جو میں دیکھ رہا ہوں اس سے مجھے بہت دکھ پہنچا ہے، چلو میری بیٹی فاطمہ کے پاس چلتے ہیں۔ پس جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو اُن کا پیٹ کمر سے چپک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہائے افسوس! ۔ کیا اہل بیت بھوک سے مرجائیں گے؟ اس پر ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ سے لے کر ...... إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ﴾ تک آیات الٰہیہ نازل ہوئیں۔

یہ حدیث جھوٹی ہے، گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ حکیم ترمذی نے کہا: یہ وہ باتیں ہیں جنہیں دل تسلیم نہیں کرتے، یہ سروق اور من گھڑت حدیث ہے، اس کو احمق، جاہل اور غبی کے علاوہ کوئی نہیں چلائے گا۔

ابن جوزی نے اس کو کچھ اضافہ کے ساتھ "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں کرے گا۔

اور جنہوں نے اس کے موضوع ہونے کا کہا اُن میں امام ذہبی، زین الدین عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے محدثین ہیں۔ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے حلال نہیں کہ وہ اس

کو حضور ﷺ، سیدہ فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرے۔ اُن کی بلاغت ایسے کمزور اور سطحی الفاظ سے بہت بلند ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ثعلبی کی مذکورہ روایت پر تبصرہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جن اشعار والفاظ کے ساتھ ثعلبی سے یہ روایت نقل کی ہے، واقعی یہ قابل اعتبار نہیں ہے اور اِس روایت میں جو اشعار مذکور ہیں وہ اہل بیت کی فصاحت وبلاغت سے بعید ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات کی یہ شانِ نزول بھی موضوع اور جعلی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کے اختتامِ کتاب پر تعجب

پہلے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ سیدہ کے اشعار کے نمونے میں ثعلبی سے اس قدر زیادہ اشعار لائے کہ پانچ صفحات بھر دیے اور آخر میں کہہ دیا کہ یہ من گھڑت اور جھوٹ ہیں اور پھر اسی پر کتاب کو ختم کر دیا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ اشعار یا یہ حدیث موضوع اور جھوٹ ہے یا نہیں لیکن ہمیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اختتامِ کتاب کے اس انداز پر بے حد تعجب ہے، انہیں چاہیے تھا کہ وہ اشعار وغیرہ کا تذکرہ پہلے کرتے اور سیدہ کے وصال اور اُن کی مرویات کا تذکرہ بعد میں کرتے اور کتاب کو کسی مثبت موضوع پر ختم کرتے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ...... کی شان نزول

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ کے اشعار کے نمونے کے ضمن میں ثعلبی سے اشعار پیش کر کے جو اُن کی تردید کی اور کہا کہ اِس روایت اور اِن اشعار کو وہ شخص قبول نہیں کرے گا جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ ہمارے نزدیک موضوع روایات کی تردید میں یہ جوش وجذبہ قابلِ ستائش ہے لیکن اس روایت کو ثعلبی (جو حاطب اللیل مشہور ہے) نے ہی ذکر نہیں کیا بلکہ اُن سے قبل اور مابعد دوسرے مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے۔

اگر ثعلبی کی روایت میں رکیک اور اہل بیت کی بلاغت کے مقام سے گرے ہوئے اشعار موجود ہیں تو اصلاً یہ واقعہ اشعار کے بغیر منقول ہے، چنانچہ متعدد مفسرین کرام نے لکھا ہے:

''یہ آیات سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئیں، کیونکہ انہوں نے تین دن تک مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا دیا تھا اور خود بھوکے رہے تھے''۔

(بحر العلوم للسمرقندي ج٣ ص ٤٣٠، لطائف الإشارات ج٣ ص ٣٧٥، الدر المنثور ج٨ ص ٣٧١، معالم التنزيل ج٤ ص ٤٢٨، الدر المنثور عن ابن عباس عن ابن مردويه ج٨ ص ٣٧١، أسباب نزول القرآن للواحدي ص ٤٧٠، الوسيط للواحدي ج ٤ ص ٤٠١، المحر الوجيز ج٥ ص ٤٠٨، تفسير الملتقط لسيد محمد گیسو دراز ج٢ ص ٨٧٨، ٨٧٩)

بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل قصہ میں اشعار نہیں ہوتے لیکن بعد والے لوگ اُسے منظوم بنا کر اُن ہی کی زبان میں بولتے ہیں جن کے ساتھ وہ واقعہ بیتا ہو، جیسا کہ بعض لوگ جبریل علیہ السلام کی زبان میں

''آفاقہا گردیدہ ام، بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری''

وغیرہ اشعار لاتے ہیں۔ لہٰذا ہدفِ تنقید یہ اشعار ہونے چاہئیں اصل واقعہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ثعلبی کی روایات پر اعتراضات کرنے میں شدید ترین مصنف ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اشعار کے بغیر یہ روایت قابلِ قبول ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان آیات کی شانِ نزول میں دو قول نقل کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، انہوں نے ایک شب کسی کے کھجور کے باغ کو کچھ شعیر (جو) کے عوض بطور مزدوری سیراب کیا حتیٰ کہ صبح ہوگئی، پھر جب صبح کو جو لیکر آئے تو اُس کے تیسرے حصے کو گوندھا اور کھانے کے لیے کچھ تیار کیا اور جب دستر خوان پر بیٹھے تو ایک مسکین آ گیا، انہوں نے وہ سارا کھانا اسی کو دے دیا، پھر دوسرے دن دوسری تہائی تیار کی تو ایک یتیم آ گیا تو انہوں نے وہ طعام یتیم کو دے دیا، پھر تیسرے دن باقی تہائی تیار فرما کر دستر خوان پر بیٹھے تو مشرکین میں سے ایک قیدی آ گیا، انہوں نے وہ طعام اسی کو دے دیا اور خود بھوکے رہ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو عطا نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوالدحداح انصاری ﷛ کی شان میں نازل ہوئی، انہوں نے ایک دن روزہ رکھا پھر جب افطار کا ارادہ کیا تو ایک مسکین ایک یتیم اور ایک قیدی آگئے تو انہوں تین روٹیاں انہیں عطا فرمادیں اور ایک روٹی انہوں نے اور اُن کے اہل خانہ نے کھائی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مقاتل کا قول ہے''۔

(زادالمسیر لابن الجوزي ج۸ص۱٦۸)

امام مقاتل بن سلیمان نے یہ دونوں واقعے نقل کیے ہیں۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج۳ص٤۲۸)

یہ دونوں قول درست ہیں لیکن چونکہ اہل بیت مسلسل تین دن تک خود بھوکے رہ کر سارا کھانا سائلین کو دیتے رہے اور حضرت ابوالدحداح ﷛ کے مقابلہ میں اُن کی قربانی زیادہ ہے اور مشکل ہے اس لیے اُن کے واقعہ کو شہرت اور مقبولیت بھی زیادہ حاصل ہوئی۔

اِس شانِ نزول میں منفی اور مثبت اقوال

آپ نے پڑھا کہ اس آیت کی شانِ نزول میں سیدنا علی وفاطمہ اور حضرت ابوالدحداح انصاری ﷛ کے واقعے بیان کیے گئے ہیں لیکن جو لوگ ان آیات کو عام رکھنا چاہتے ہیں اور کسی شخص یا خانوادے کے ساتھ مخصوص کرنے کے روادار نہیں ہیں اُنہوں نے فقط حضرت علی ﷛ کے واقعہ کی تردید کی ہے اور حضرت ابوالدحداح ﷛ کے واقعہ کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ یہاں ہم اس واقعہ کی نفی کرنے والے اور اس کو کسی حد تک درست تسلیم کرنے والے حضرات کی عبارات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

امام قرطبی کا اس واقعہ پر تبصرہ

میرے مطالعہ کے مطابق اس واقعہ کی نفی میں جیسی شدت امام ابوعبداللہ القرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے ایسی شدت کسی دوسرے کے ہاں نہیں ملتی۔ چنانچہ اُن کے بعد والے لوگوں نے اس واقعہ کی

نفی میں اکثر اُن ہی کی پیروی کی ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ نے امام قرطبی کی عبارت کا مخصوص حصہ اپنی طرف سے جدید حوالہ جات کے ساتھ نقل کیا ہے، لہٰذا ہم اُن حوالہ جات کے ساتھ امام قرطبی کا کلام نقل کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جاہل شخص یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کا ایثار کرنا مذموم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ .

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، آپ کہیے جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔ (البقرۃ: ۲۱۹)

یعنی جو تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اور نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے۔

(صحیح البخاری ۱۴۲۶، سنن نسائی ۲۵۴۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مرد جو کچھ خرچ کرتا ہے اس میں افضل دینار وہ ہے جس کو وہ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم ۹۹۴، سنن ترمذي ۱۹۶۶، سنن ابن ماجۃ ۲۷۶۰، السنن الکبریٰ للنسائی ۹۱۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دینار کو

تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے غلام پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جس کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو۔

(صحیح مسلم ۱۹۹۵، السنن الکبریٰ ۱۹۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ان کا کار مختار (سیکرٹری) آیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے غلاموں کو ان کی روزی دے دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ ان کو ان کی روزی دو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس کو روزی دینے کا وہ مالک ہے اس کو روزی نہ دے۔

(صحیح مسلم ۹۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (خرچ کرنے میں) سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو، پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو، پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتے داروں کو دو، پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔

(صحیح مسلم ۹۹۷، سنن نسائی ۲۵۴۶)

کیا کوئی صاحب عقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی ان احادیث اور ان احکام سے ناواقف تھے، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پانچ اور چھ سال کے بچوں کو تین دن اور تین راتیں بھوکا رکھا، حتیٰ کہ وہ بھوک کی شدت سے بے حال ہو گئے، ان کی آنکھیں اندر دھنس گئیں اور ان کے پیٹ ان کی کمر سے چپک گئے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ ان کا یہ حال دیکھ کر رو پڑے، چلو مان لیا کہ حضرت علی نے اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی تو

کیا یہ ان کے لیے جائز تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو بھی اس ایثار پر برانگیختہ کرتے، چلو مان لیا کہ ان کی اہلیہ نے بھی حضرت علی کی طرح اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی، تو کیا حضرت علی کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تین دن اور تین راتیں بھوکا رہنے کی ترغیب دیتے، نیز حضرت علی کے لیے یہ کب ضروری تھا کہ وہ سائل کو پانچوں روٹیاں دے دیتے، وہ سائل کو ایک روٹی دے دیتے، باقی روٹیاں وہ خود اور ان کے اہل وعیال کھاتے، کوئی احمق اور جاہل ہی ایسا کام کرسکتا ہے، جو دل حق آگاہ ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے کام کا گمان نہیں کر سکتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ قید خانوں میں بیٹھے ہوئے ایسی احادیث گھڑتے رہتے ہیں، اور جب ماہر علماء کے پاس یہ احادیث پہنچتی ہیں تو وہ ان کو مسترد کر دیتے ہیں اور ہر چیز کے لیے آفت اور سازش ہوتی ہے اور دین کی آفت اور سازش سب سے زیادہ ہوتی ہے"۔

(الجامع لأحکام القرآن ج ١٩ ص ١١٩)"۔

(تبیان القرآن للسعیدي ج ١٢ ص ٤٣٩، ٤٤٠)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں ایک آیت اور پانچ احادیث ہیں جو انہوں نے راہِ الٰہی میں خرچ کرنے کی میانہ روی وغیرہ امور کے متعلق نقل فرمائی ہیں اور بظاہر یہی اُن کی وزنی دلیل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے آیات واحادیث پیش کرتے ہوئے عدم تدبر سے کام لیا ہے، اگر وہ تھوڑا سا غور فرماتے تو انہیں سمجھ آجاتی کہ اِن آیات واحادیث میں عامۃ الناس کو تلقین فرمائی گئی ہے خواص کا معاملہ اس سے بلند ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ "آپ اپنا ہاتھ نہ گردن سے باندھ رکھیں اور نہ ہی مکمل کھلا چھوڑ دیں" [بني إسرائیل: ٢٩] لیکن اس حکم کے باوجود متعدد احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر روز جب تک مکمل نہ خرچ کر لیتے اُس وقت تک آپ کو نیند نہ آتی، پھر یہ معمول بھی فقط اُس چیز کے بارے میں تھا جو آپ کے کاشانہ مقدسہ میں موجود ہوتی جبکہ بعض احادیث میں یہاں تک آیا ہے کہ آپ نے بعض سائلین کو فرمایا:

ابتع عليّ فإذا جاء ني شيء قضيته.

''ہمارے نام پر کچھ خرید لو جب ہمارے پاس کوئی چیز آئے گی ہم ادا کر دیں گے''۔

(الشمائل المحمدية للترمذي ص ٢٩٤ رقم ٣٥٦، مكارم الأخلاق ج ٢ ص ٥٨٦ رقم ٦٢١، البحر الزخار ج ١ ص ٣٩٦ رقم ٢٧٣، كشف الأستار ج ٤ ص ٢٥٤ رقم ٣٦٦٢، سبل الهدیٰ ج ٧ ص ٥٢)

اسی طرح صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے ایک مرتبہ پورا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا اور گھر والوں کے لیے کچھ بھی باقی نہ رکھا۔ اس سلسلے میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ بھی سورۃ الحدید کی آیت نمبر [۱۰] کے تحت اُن کا ایک واقعہ لائے ہیں جس میں ہے کہ انہوں نے اپنے تن کے کپڑے بھی اتار کر دے دیے تھے اور خود ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے۔

(الجامع لأحكام القرآن ج ١٧ ص ٢٠٦، ضياء القرآن ج ٥ ص ١١٤)

ہر چند کہ بعض محدثین نے حضرت ابوبکر ﷛ کے اِس واقعہ کو کذب قرار دیا ہے، لیکن چونکہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بلا تردید نقل کیا ہے لہٰذا یہ اُن کے نزدیک مقبول ہے، مگر یہ واقعہ اُن کی پیش کردہ اُس آیت و احادیث کے خلاف ہے جو انہوں نے سیدنا علی ﷛ کے واقعہ کی تردید میں نقل کی ہیں۔ تعجب ہے کہ انہیں سورۃ الدھر کی تفسیر میں جو احادیث یاد آ گئیں وہ سورۃ الحدید کی تفسیر میں کیوں نہ یاد آئیں؟

ہمارے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کا پورا مال خرچ کرنا بھی درست ہے اور سیدنا علی و فاطمہ ﷛ کا پورا طعام اٹھا کر سائلین کو دے دینا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اِن ہستیوں کا شمار خواص میں ہوتا ہے عوام میں نہیں۔

پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ کا اس واقعہ پر تبصرہ

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن اہلِ تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے

اس پر جرح وتنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر ایک فقیر آیا تھا تو اسے ایک روٹی دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں، پانچوں حضرات کھا لیتے۔ اسی طرح دوسرے دن، تیسرے دن، ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی۔ نیز معصوم بچے ویسے ہی مکلف نہیں اور جبکہ ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں، ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت علیؓ اس کو کیسے روا رکھ سکتے تھے۔ تیسرا یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے، ان کے کھانے، ان کے پہننے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ عہد جاہلیت کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس لیے قرطبی لکھتے ہیں: **فهذا حديث مزوّق مزيّف**۔ یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں:

قال الحكيم الترمذي هذا حديث مفصّل لا يروح الا على احمق وجاهل، واورده ابن الجوزي في الموضوعات.

حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں"۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ٥ ص ٤٤٤، ٤٤٥)

پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں، انہوں نے لکھا:

"ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی"۔

میں کہتا ہوں: ایسی معقولیت شکولیت ہمارے ہاں چلتی ہے محبانِ خدا اور ائمۃ الزہداء حضرات کے سودے معقولیت کے خلاف تو نہیں ہوتے مگر معقولیت سے ماوراء ضرور ہوتے ہیں۔ رب العالمین کے ساتھ یہ سودا انہوں نے کیا تھا جو دو عطا اور ایثار جن کی گھٹی میں موجود تھا۔

دوسری بات پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی:

"نیز معصوم بچے ویسے ہی مکلف نہیں"۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ عامۃ الناس کے معصوم بچے نہیں بلکہ سلاطینِ فقراور زاھد الناس ہستیوں کے بچے تھے، ایسے بچے پیدا ہوتے ہی اپنے ماں باپ کی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ بتلایئے بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی جو تیرنا شروع کر دیتا ہے اُسے کون سکھاتا ہے؟ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پیدا ہوتے ہی جو رمضان المبارک کی تعظیم میں کھانا پینا حتیٰ کہ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کا دودھ تک ترک کر دیا تھا، کیا وہ شرعی طور پر مکلف تھے؟ کیا اُنہیں اُن کے ماں باپ نے روزہ رکھنے پر آمادہ کیا تھا؟ اُن کے فضائل ومناقب کی کتب میں آیا ہے کہ اُن کی والدہ ماجدہ سیدتنا ام الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

"جب میں نے اپنے بیٹے عبد القادر کو جنم دیا تو وہ رمضان المبارک کے ایام میں میرا دودھ نہیں پیتا تھا، لوگوں پر بوجہ بادل رمضان کا چاند مخفی رہا تو وہ میرے پاس آکر پوچھنے لگے، میں نے کہا: آج میرے بچے نے میرا دودھ نہیں پیا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رمضان کا دن تھا، اور اُس وقت سے ہمارے شہر میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ سادات کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جو رمضان المبارک کے دنوں میں دودھ نہیں پیتا"۔

(بهجة الأسرار للشطنوفي ص ١٧٢، قلائد الجواهر للتاذفي ص ٣، الكواكب الدرية للمناوي ج ٢ ص ٢٥٦، جامع كرامات الأولياء للنبهاني ج ٢ ص ١٦٨)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اس واقعہ پر تبصرہ

اس سے آگے ہم مودودی صاحب کی عبارت کا جائزہ بھی پیر صاحب کی عبارت کے ساتھ لینا مناسب سمجھتے ہیں، کیونکہ پیر صاحب کی عبارت مودودی صاحب کی عبارت کی طرح ہے بلکہ غالباً ان ہی کی عبارت سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تیسری بات یہ ہے:

"تیسرا یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے، ان کے کھانے، ان کے پہننے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، عہدِ جاہلیت کے قیدیوں

کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی"۔

اس جملہ سے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ جب قیدیوں کی خاطر تواضع کا خصوصی اہتمام موجود تھا تو پھر پیٹ بھرنے کے لیے بھیک کی اجازت نہیں تھی، سوکوئی قیدی کیونکر اہل بیت کے دروازے پر آیا ہوگا؟ لہٰذا یہ واقعہ ہی بے بنیاد ہے۔

راقم الحروف عرض کر چکا ہے کہ غالباً پیر صاحب کی یہ تقریر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر سے ماخوذ ہے، اور ان دونوں کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو انہیں یاد نہیں رہا کہ اُن کے نزدیک سورۃ الدھر مکی ہے یا پھر اُن کے نزدیک اس کی بعض آیات مدنی بھی ہیں، اس لیے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں جنگی قیدیوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔

مودودی صاحب نے ایک مقام پر لکھا ہے:

> "اس کے علاوہ قیدیوں کے معاملہ میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ وہ اگر حکومت کی قید میں ہوتے تو حکومت ان کی خوراک اور لباس کا انتظام کرتی تھی، اور کسی شخص کے سپرد کیے جاتے تو وہ شخص انہیں کھلانے پلانے کا ذمہ دار ہوتا۔ اس لیے مدینہ طیبہ میں یہ بات ممکن نہ تھی کہ کوئی قیدی بھیک مانگنے کے لیے نکلتا"۔

(تفہیم القرآن ج٦ص ١٨١،١٨٢)

میں پوچھتا ہوں: مکہ میں قیدی تھے نہیں اور مدینہ میں قیدیوں کا بھیک مانگنے کے لیے نکلنا ممکن نہ تھا تو پھر بتلائیے یہ آیت اسلام کے کس دور پر صادق آئے گی؟ یا پھر اللہ ﷻ نے خواہ مخواہ ہی "مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا" کے ساتھ "وَّاَسِيْرًا" (قیدی) کا اضافہ کر دیا ہے؟ اندازہ لگائیے اس واقعہ کے انکار میں کس قدر دوراز کار تاویلات کا سہارا لیا جا رہا ہے، لیکن کہاں تک یہ تاویلات چلیں گی؟ آخر غلط تاویلات کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنے اسی قلم سے ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

> "قدیم زمانے میں دستور یہ تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑیاں لگا کر روزانہ باہر نکالا

جاتا تھااور وہ سڑکوں پر یا محلوں میں بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے، بعد میں اسلامی حکومت نے یہ طریقہ بند کیا (کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۱۵۰ طبع ۱۳۸۲ھ) اس آیت میں قیدی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو، خواہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو، یا کسی جرم میں قید کیا گیا ہو، خواہ اُسے قید کی حالت میں کھانا دیا جاتا ہو یا بھیک منگوائی جاتی ہو"۔

(تفہیم القرآن ج٦ ص١٩٧)

یہاں قدیم زمانے سے کونسا زمانہ مراد ہے؟ مکہ میں اسلامی حکومت تو تھی ہی نہیں، اگر کفار کی حکومت تھی اور اُن کے قیدی تھے تو اُن کے قیدیوں کو کن ابرار لوگوں نے کھانا کھلا کر جنت کمائی تھی؟ اور اگر "قدیم زمانے" سے ایسا زمانہ مراد ہے جس کا تعلق اعلان نبوت سے قبل یا ہجرت سے قبل ہو تو اس کا تعین کیا جائے۔ پھر پہلے مقام پر مودودی صاحب نے فرمایا "مدینہ طیبہ میں یہ بات ممکن نہ تھی کہ کوئی قیدی بھیک مانگنے کے لیے نکلتا"۔ اور دوسرے مقام پر لکھا کہ "بعد میں اسلامی حکومت نے یہ طریقہ بند کیا" کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ بعد میں اسلامی حکومت نے بھیک مانگنے کا طریقہ کب اور کہاں بند کیا؟ مکہ میں یا مدینہ میں؟ حضور ﷺ کے دور میں یا خلفاء راشدین کے دور میں؟ اگر کہا جائے کہ خلفاء راشدین کے دور میں تو پھر ان آیات کا معنوی تعلق مستقبل سے ہوگا اور مودودی صاحب نے حال کا معنی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔

"اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں"۔

(تفہیم القرآن ج٦ ص١٩٦)

ایک طرف آیت کا یہ ترجمہ رکھیں اور دوسری طرف مودودی صاحب کا یہ دعویٰ سامنے رکھیں:

"قیدیوں کے معاملہ میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا جائے"۔

پھر غور فرمائیں کہ مسکین اور یتیم کے علاوہ ابرار لوگوں نے جن قیدیوں کو کھانا کھلایا وہ قیدی کون تھے؟

کیونکہ مدینہ میں بھیک کے لیے نکلنا ممکن نہ تھا اور مودودی صاحب کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں اسلامی حکومت نہیں تھی تو پھر یہ قیدی کون تھے، کہاں تھے، اسلام کی قید میں تھے یا کفر کی؟

سورۃ الدھر مکی ہے یا مدنی؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرات حسنین کریمین کی ولادت مدینہ میں ہوئی بلکہ سیدنا علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی بھی مدینہ میں ہوئی جبکہ سورۃ الدھر مکی سورۃ ہے تو یہ واقعہ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ نے "روح المعاني" کے حوالہ سے لکھا ہے:

"پھر اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہو کیونکہ حضرت علی کی حضرت فاطمہ سے شادی مدینہ میں ہوئی تھی اور وہیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تھے، حالانکہ النحاس نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے"۔

(تبیان القرآن ج۱۲ ص۴۴۰)

دوسرے مقام پر "روح البیان" کے حوالے سے لکھا ہے:

"اس قصہ کی بنا پر لازم آئے گا کہ یہ سورت مدنی ہو حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور حضرت علی کے ساتھ حضرت فاطمہ کا نکاح جنگ احد کے بعد مدینہ میں ہوا تھا"۔

(تبیان القرآن ج۱۲ ص۴۴۲)

اس سے قبل علامہ سعیدی صاحب اس سورۃ کے تعارف میں اس کے مکی اور مدنی ہونے کے اختلاف کا ذکر بھی کر چکے ہیں اور لکھ چکے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ یہ مکی ہے۔

اس پر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ ایک عمومی تصور ہے کہ یہ سورت مکی ہے، حقیقت یہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جمہور نے اس کو مکی کہا ہے اسی طرح جمہور نے اس کو مدنی بھی کہا ہے، اور اکثر نے فقط مدنی کہا ہے جبکہ محققین نے کہا: اس کا اکثر حصہ مدنی ہے اور کچھ آیات مکی ہیں اور بعض نے فقط ایک آیت کے علاوہ باقی پوری سورت کو مدنی کہا ہے۔ آیئے ہم یہ تینوں صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک سورۃ الدھر کا مدنی ہونا

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

أحدها: أنها مدنية كلها، قاله الجمهور، منهم مجاهد وقتادة.

''اُن میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ مکمل سورت مدنی ہے، یہ جمہور کا قول ہے، اُن ہی میں مجاھد اور قتادہ بھی ہیں''۔

(زادالمسیر ج۸ ص ١٦٤)

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وتسمى سورة الإنسان أيضاً وهي مدنية كذا قال مجاهد وقتادة والجمهور.

''اور اس کا نام سورۃ الانسان بھی ہے، اور یہ مدنی ہے جیسا کہ مجاھد، قتادہ اور جمہور نے کہا ہے''۔

(لباب التأويل في معاني التنزيل ج٤ ص ٣٧٦)

ابن عادل حنبلی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقال الجمهور: مدنية.

''جمہور نے کہا مدنی ہے''۔

(اللباب في علوم الكتاب ج٢٠ ص ٣)

امام عزالدین بن عبدالسلام، امام قرطبی، امام شربینی، امام سلیمان الجمل، امام صاوی، قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(تفسير القرآن العظيم ص٦٢٧؛ الجامع لأحكام القرآن ج١٩ ص١٠٧؛ السراج المنير ج٨ ص١٩٧؛ الفتوحات الإلهية ج١٨٢؛ حاشية الصاوي علىٰ تفسير الجلالين ج٦ ص٢٢٨٢؛ فتح القدير ج٥ ص٤١٤؛ فتح البيان ج١٤ ص٤٥٣)

امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

هي مكية عند الجمهور، وقال ابن عادل: إنها مدنية عند

الجمهور وهو مخالف لما قاله الفاضل المحشي، وقيل مدنية مطلقاً.

"یہ جمہور کے نزدیک مکی ہے اور ابن عادل نے کہا: جمہور کے نزدیک مدنی ہے،

اور یہ فاضل محشی کے قول کے خلاف ہے، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً مدنی ہے"۔

(حاشية الشهاب علىٰ تفسير البيضاوي ج٩ ص٣٤٩)

سورۃ الدھر کو مطلقاً مدنی کہنے والے

امام ابن جریر طبری، امام سمرقندی، امام واحدی، زمخشری، امام نسفی اور علامہ بقاعی وغیرھم نے فقط ایک ہی قول ذکر کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور دوسرا قول ذکر نہیں کیا۔

(جامع البيان ج١٤ جز٢٩ ص٢٥١؛ الوسيط ج٤ ص٣٩٨؛ بحر العلوم ج٣ ص٤٢٩؛ الكشاف ج٤ ص٦٦٦؛ مدارك التنزيل وحقائق التأويل ج٣ ص١٩٠١؛ نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ج٨ ص٢٥٩)

علوم قرآن میں مشہورترین اہل قلم امام برھان الدین زرکشی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نے ترتیب نزولی کے لحاظ سے انتیس [٢٩] سورتوں کو مدنی لکھا ہے اور سورۃ الدھر کو بھی اُن ہی سورتوں میں ذکر کیا ہے۔

(البرهان في علوم القرآن ج١ ص٢٨١؛ الإتقان في علوم القرآن ج١ ص٥٨)

سورۃ الدھر کی اکثر آیات کا مدنی اور بعض کا مکی ہونا

مفسرین کے نزدیک یہ مسلّم قول ہے کہ بعض سورتوں میں مکی اور مدنی دونوں طرح کی آیات ہوتی ہیں اور کسی سورت میں مکی آیات زیادہ ہوں تو اُسے مکی کہہ دیا جاتا ہے اور مدنی آیات زیادہ ہوں تو اُسے مدنی کہہ دیا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ کسی سورت کی ابتدائی آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسے مکی یا مدنی کہہ دیا جاتا ہے۔ امام زرکشی اور امام سیوطی نے اس سلسلے میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ چونکہ سورۃ الدھر کا اکثر حصہ مدنی آیات پر مشتمل ہے اس لیے جمہور کے نزدیک یہ مدنی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس علم میں تخصص کی حیثیت رکھنے والے مصنفین امام زرکشی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نے اسے مدنی سورتوں میں ذکر کیا ہے لیکن چونکہ

اس میں بعض آیات کے مدنی ہونے کا قول بھی مذکور ہے اس لیے امام سیوطی اس کو اُن سورتوں میں بھی لائے ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے جہاں ہر سورت کا علیحدہ علیحدہ تعارف کرایا ہے وہاں لکھا ہے:

سورة الإنسان : قيل مدنية ، وقيل مكية إلا آية واحدة ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا﴾

''سورة الإنسان: کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکی ہے مگر ایک آیت ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا﴾ مکی ہے''۔

(الإتقان في علوم القرآن ج١ ص٦٧)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ ''وقيل مكية إلا آية واحدة'' سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آیت کے علاوہ باقی سورت مکی ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ایک آیت کے علاوہ باقی سورت مدنی ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمان الثعلبی المالکی لکھتے ہیں:

قيل مكية وقيل مدنية، وقال الحسن وعكرمة: منها آية مكية، وهي قوله تعالىٰ ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا﴾ والباقي مدني.

''ایک قول یہ ہے کہ مکی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مدنی ہے، حضرت حسن اور عکرمہ نے کہا: اس کی ایک آیت مکی ہے اور وہ یہ ارشادِ الٰہی ہے ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا﴾ اور باقی مدنی ہے''۔

(الجواهر الحسان في تفسير القرآن ج٥ ص٥٢٧)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری نو آیات کے علاوہ باقی سورت مدنی ہے۔ چنانچہ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقال آخرون فيها مكي من قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا﴾ إلىٰ آخرها وما تقدم مدني.

''اور دوسرے مفسرین کرام نے فرمایا ہے: اس میں ارشادِ الٰہی ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا﴾ سے لے کر آخر تک [۹] آیات مکی ہیں اور شروع والی [۲۲] آیات مدنی ہیں''۔

(النکت والعیون ج٦ ص ١٦١)

اس تفصیل سے آپ اندازہ لگائیں کہ اس سورت کے مکی ہونے کے بارے میں جو عمومی تأثر پایا جاتا ہے اور اس کے مدنی ہونے کی جو سراسر نفی کی جاتی ہے وہ کس حد تک درست ہے؟ پھر اس سے اُن لوگوں کے طرزِ استدلال میں بھی غور فرمایئے جو دوسرے دلائل سے قطع نظر فقط یہ تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور حسنین کریمین کی ولادت مدینہ میں ہوئی تھی تو یہ واقعہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

بعض انصار کی عظمت کا تحقیق کی نذر ہونا

افسوس صد افسوس! جن لوگوں نے اہل بیت کرام علیہم السلام کے اس عظیم الشان واقعہ کو مشقِ تحقیق بنایا اُن کی نظروں سے حضرت ابو الدحداح انصاری ﷛ کے ایثار کا واقعہ بھی اوجھل ہو گیا، حالانکہ اُن سے اس قسم کے ایثار کے شواھد بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ تو انہوں نے اپنا مکمل باغ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کر دیا تھا، اُس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے اور اُسی میں اُن کا گھر بھی تھا۔ جب وہ باغ کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے واپس آئے تو باغ کے اندر نہ گئے بلکہ باہر سے آواز لگائی: اے ام الدحداح! اس باغ اور گھر سے باہر آ جاؤ، میں نے یہ باغ رب العالمین کو دے دیا ہے۔

(الجامع لأحکام القرآن ج٣ ص ٢٢٦)

سو جب ایسے پیکرِ ایثار کے بارے میں آ چکا ہے کہ انہوں نے چار میں سے تین روٹیاں سائلین کو دے دی تھیں اور باقی ایک روٹی پر اُنہوں نے اور اُن کے گھر والوں نے گزارا کیا تھا تو اُن کے واقعہ کو تائیداً یا تردیداً کیوں نہیں بیان کیا جاتا؟ مان لیا کہ اہل بیت کا واقعہ معقولیت کے خلاف ہے لیکن اُن کا واقعہ تو معقولیت کے خلاف نہیں، کیونکہ اُس میں نہ معصوم بچوں کو تین دن تک بھوکے رکھنے کا ذکر ہے اور نہ ہی پانچوں

کی پانچوں روٹیاں سائل کو دینے کا ذکر ہے۔ لیکن افسوس کہ اس معقول واقعہ کو بھی اہل بیت کے واقعے کی غیر معقولیت ثابت کرنے کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

سورۃ الدھر میں حوروں کے عدمِ ذکر میں حکمت

ہر چند کہ کچھ مفسرین اِن آیات کی مشہور شانِ نزول میں متأمل نظر آتے ہیں، اور اُنہیں اِن آیات کا سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین علیہم السلام کی شان میں نازل ہونا بعید معلوم ہوتا ہے مگر مشہور محدثین و مفسرین نے اِن آیات کو اہل کساء علیہم السلام کی شان میں مخصوص سمجھا ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتب میں سورۃ الدھر کی تفسیر کا احاطہ کرتے ہوئے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ جب اِس سورت میں جنت کی تمام نعمتوں کا ذکر ہے تو پھر حوروں کا ذکر کیوں نہیں؟ پھر اُنہوں نے خود ہی بیان کیا ہے کہ یہ عدمِ ذکر سیدہ فاطمہ کے احترام کے پیشِ نظر ہے۔ یہاں ہم اُن کے تعجب والے مخصوص جملے کو مع سیاق وسباق نقل کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

مَنْ مثل عَلِيٍّ ؟ مَنْ مثل فَاطِمَةَ؟ كَمْ صَبَرَا عَلَى أَمْوَاجِ بَلَايَا متلاطمة وَآثَرُوا الْفَقْرَ وَ نَارَ الْجُوْعِ حاطمة، فَلَهُمْ نَضَارَةُ الْوُجُوْهِ وَالْأَهْوَالُ لِلْوُجُوْهِ خاطمة. يا سرعان، مَا انْقَلَبَ حُزْنُهُمْ سُرُوْرًا ﴿وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾.

كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ النَّبِيِّ ﷺ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَكَانَ عَلِيٌّ أَعَزَّ الْخَلْقِ عَلَيْهِ، وَجَعَلَ اللهُ رَيْحَانَتَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَلَدَيْهِ. فَإِذَا أَحْضَرَهُمُ الْحَقُّ غَدًا عِنْدَهُ وَلَدَيْهِ أَكْرَمَهُمْ إِكْرَامًا عَظِيْمًا مَوْفُوْرًا ﴿وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾.

وَا عَجَبًا ذَكَرَ فِي هٰذِهِ الْآيَاتِ نَعِيْمَ الْجَنَّاتِ مِنَ الْمَلْبُوْسِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ، وَالْأَرَائِكِ وَالْقُصُوْرِ وَالْعُيُوْنِ الْجَارِيَاتِ، وَلَمْ يَذْكُرِ النِّسَاءَ، وَهُنَّ غَايَةُ اللَّذَّاتِ احْتِرَامًا لِفَاطِمَةَ أَشْرَفِ الْبَنَاتِ. وَمَنْ يَصِفُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءَ لَا يَذْكُرُ حُوْرًا. ﴿إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾.

”سیدنا علی علیہ السلام کی مثل کون؟ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی مثل کون؟ انہوں نے کس قدر موجوں کی طرح آنے والی تکالیف پر صبر کیا، انہوں نے (لذات پر) فقر اور جلا دینے والی بھوک کی آگ کو ترجیح دی، لہٰذا ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے، درآنحالیکہ بعض چہرے مرجھائے ہوں گے۔ اے جلد باز انسان! اس دن ان کا غم خوشی میں نہیں بدلے گا ﴿وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾“ اور (اے اہل بیت) تمہارے عمل کی قدر ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور سیدنا علی علیہ السلام آپ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹوں کو آپ کے دنیا کے دو پھول بنایا۔ چنانچہ جب کل قیامت کے دن حق تعالیٰ ان کے بیٹوں کو اپنی بارگاہ میں لائے گا تو انہیں بڑے کثیر انعام واکرام سے نوازے گا ﴿وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (اور [اے اہل بیت] تمہاری محنت مقبول ہو چکی۔

حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جنتوں کی نعمتوں میں سے ملبوسات، مشروبات، ماکولات، پلنگوں، محلات اور جاری چشموں کا ذکر کیا ہے مگر حوروں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ لذتوں کی انتہا ہیں۔ فقط سیدہ فاطمہ کے احترام کی وجہ سے کیونکہ وہ معزز ترین بیٹی ہیں۔ جو فاطمۃ الزہراء کے اوصاف بیان کرتا ہے وہ حوروں کا ذکر نہیں کرتا“۔

(التبصرة لابن الجوزي ج١ ص ٤٥٩)

اس سے قبل موصوف نے لکھا ہے:

لما جاء ت المديحة على الإيثار ووصف نعيم الجنة لم يذكر في ذلک الحور حفظاً لقلبِ فاطمة، وكيف يذكر الحور، وهن مماليک مع الحرة.

”جب ایثار کی مدح فرمائی اور جنتی نعمتوں کا حال بیان کیا تو سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے قلب مبارک کی عظمت کے پیش نظر حوروں کا ذکر نہیں کیا، بھلا حوروں کا ذکر کیوں کیا

جاتا جبکہ وہ آزاد خاتون کی باندیاں ہوں گی"۔

(التبصرة لابن الجوزي ج١ ص٤٥٨)

یہ بہت بہترین نکتہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دنیا میں سیدہ فاطمہ علیہا السلام پر سوکن نہیں ڈالی گئی، سو ممکن ہے کہ جنت میں بھی اُن کے قلب اقدس کی خاطر اُن کے محل میں حوروں کی رسائی نہ ہو۔ نیز سیدہ خود دنیا میں حور پر نور تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اُن تمام آلائش سے منزہ ومبراء تھیں جن سے دوسری خواتین دوچار ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کو سمجھانے میں بعض مفسرین کی کوشش

اللہ ﷻ نے جس انداز میں ابرار لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ انداز ہی دلالت کرتا ہے کہ نزول قرآن کے دور میں اس کا کوئی عملی نمونہ ضرور رونما ہوا ہوگا۔ شاید اسی انداز بیان سے متاثر ہو کر بعض مفسرین نے کہا: اگر اس سورت کو مکی تسلیم کیا جائے تب بھی اِن آیات کی عملی تفسیر کا صحابہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر حکیم ترمذی اور ابن جوزی کے وضع کے حکم کے بعد لکھا ہے:

قال السيوطي: لأن السورة مكية ودخول علي على فاطمة بعد الهجرة بسنتين، قلت: وهذا الاعتراض ملحق بما قال مقاتل، وماقال مجاهد وعطاء أيضاً، فإن نزول الآية في رجل من الأنصار يقتضي كون الآية مدنية، وكذا عمل علي لليهودي بشيء من الشعير أيضاً لايتصور إلا في المدينة، لأن اليهود لم يكونوا بمكة، بل نفس الآية يقتضي كونها مدنية لأن الأسارى لم تكن إلا بالمدينة، لم يكن بمكة جهاد ولا أسر فالظاهر أن بعض هذه السورة مدنية وإن كانت بعضها مكية، وعلى كون كلها مكية، ففي الآية إخبار بالغيب عن حال المسلمين بعد الهجرة.

"امام سیوطی نے کہا: اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت علی کی سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا سے شادی ہجرت سے دوسال بعد ہوئی۔ میں (قاضی ثناء اللہ) کہتا ہوں: یہ اعتراض (ابوالدحداح انصاری) والے اُس قول پر بھی ہوگا جو مقاتل نے ذکر کیا اور اُس پر بھی جو مجاھد اور قتادہ نے (اس سورت کو مدنی) کہا۔ بلاشبہ آیت کا نزول انصار میں سے کسی شخص کے حق میں بھی ہو تو اُس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو، اور اسی طرح سیدنا علی ﷺ کا کچھ جو کے عوض یہودی کی مزدوری کرنا بھی مدینہ کے سوا متصور نہیں، اس لیے کہ مکہ میں یہود نہ تھے، بلکہ مضمونِ آیت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ مدنی ہو، اس لیے کہ مدینہ کے علاوہ قیدیوں کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ مکہ میں جہاد تھا اور نہ ہی قیدی۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے اور کچھ مکی ہے اور اگر مکمل سورت مکی ہو تو پھر اس آیت میں غیب کی اطلاع ہے کہ مسلمان ہجرت کے بعد یہ عمل کریں گے"۔

(تفسير المظهري ج١٠ ص١٢٣)

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس عبارت کو بار بار غور سے پڑھئے اور حسبِ ذیل آیات کو بھی مدنظر رکھئے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا. عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا. يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا. وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا.

"بیشک نیک لوگ پئیں گے ایسے جام جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جسے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔ جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سُو پھیلا ہوگا اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم

اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے"۔

(الدھر: ۵ تا ۹)

ہر چند کہ ہر آیت کی شانِ نزول کا ہونا ضروری نہیں لیکن کیا یہ اسلوب اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اِن آیات کی کوئی نہ کوئی شانِ نزول ہوگی۔

کیا ان آیات کی کوئی بھی شانِ نزول درست نہیں؟

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وھذا علیٰ أن الآیة نزلت في جمیع الأبرار ومن فعل فعْلا حسناً.

"صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام ابرار (نیکوکاروں) کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ہر اس شخص کے متعلق جس نے کوئی نیک کام کیا"۔

(الجامع لأحکام القرآن ج۱۹ ص۱۲۲؛ تبیان القرآن ج۱۲ ص۴۴۱)

غور فرمایئے! کس طرح اس واقعہ پر طبع آزمائی کرتے ہوئے حضرت ابوالدحداح انصاری اور بعض دوسرے انصار ﷺ کے شانِ نزول پر مبنی واقعات نظر انداز ہو گئے؟ بجا ہے کہ یہ آیات ہر اُس شخص کے بارے میں عام ہیں جس کا حسنِ عمل ان آیات کے مطابق ہو، اور بالکل اُسی طرح عام ہیں جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کی شان میں نازل ہونے والی سورۃ اللیل کی آیات ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ...... ﴾ ہر اُس مسلمان کے حق میں عام ہیں جس کا حسنِ عمل اُن آیات کے مطابق ہو، لیکن شانِ نزول کے طور پر سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کی جو خصوصیت ہے اگر تاویلات کی آڑ میں اُس کا انکار کیا جائے تو کیا یہ انصاف ہوگا؟ لہٰذا اگر کسی کے نزدیک اہل بیت کی فضیلت سنداً ثابت نہ ہو یا معقولیت کے خلاف ہو تو کیا ان آیات کی شانِ نزول کا کوئی واقعہ بھی درست نہیں ہوگا؟

بہر حال قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق قبل از ہجرت ہو یا بعد از ہجرت، انصار کا ہو یا اہل بیت کا، اِن آیات کی شانِ نزول کا کوئی بھی واقعہ جہاں عقلاً درست ہے وہیں نقلاً بھی اس کے خدوخال

کتب تفسیر میں موجود ہیں۔اب ہر شخص کی مرضی ہے کہ وہ اِن آیات کو شانِ نزول کے ساتھ قبول کرے یا بغیر شانِ نزول کے۔

اس شانِ نزول کے بارے میں راقم کا موقف

ہر چند کہ حکیم ترمذی اور مصنف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اِن آیات کی شانِ نزول کے طور پر اہل بیت کے واقعہ کو قبول کرنا حماقت وغباوت ہے لیکن ہمیں اس واقعہ میں کوئی بات عقل ونقل کے خلاف نظر نہیں آتی، کیونکہ تین روز تو کیا تین روز سے زائد بھی خورد ونوش کے بغیر گزارا جاسکتا ہے، ہمارے دور میں (معاذ اللہ) زلزلوں کے ایام میں ملبہ تلے دب کر کھانا پانی کے بغیر لوگ بلکہ چھوٹے چھوٹے بچے زندہ برآمد ہوئے جبکہ اہل بیت تو افطار وسحور کے وقت پانی نوش فرماتے رہے، اور احادیث پاک سے ثابت ہے کہ اگر کھانے پینے کو کچھ بھی نہ ملے پھر بھی زندہ رہنا ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سئل عن طعام المؤمنين في زمن الدجال؟ قال: طعام الملائكة، قالوا: وما طعام الملائكة؟ قال: طعامهم منطقهم بالتسبيح والتقديس فمن كان منطقه يومئذ التسبيح والتقديس أذهب الله عنه الجوع.

"نبی کریم ﷺ سے زمانہ دجال کے مومنین کے طعام کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کا طعام ملائکہ کے طعام کی طرح ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی: ملائکہ کا کیا طعام ہے؟ فرمایا: تسبیح وتقدیس، پس اُس زمانہ میں جو شخص تسبیح وتقدیس کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی بھوک ختم کردے گا"۔

(المستدرك للحاكم ج٤ ص٥٥٧ وط: ج٥ ص٧١٦ حديث ٨٦٠٨)

یہ حدیث علامہ علی متقی الہندی، امام نابلسی اور مولانا زکریا سہارنپوری نے بھی ذکر کی ہے۔

(كنز العمال ج١٤ ص٣٠٠؛ الحديقة الندية للنابلسي ج١ ص٢٤٠؛ فضائل ذکر ص١٦٧)

امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور امام نابلسی نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

وفي هذا الحديث دليل لما ذكرناه من أن اللّٰه تعالىٰ قد يهب حالة شريفة لبعض عباده تغنيه عن الطعام والشراب، وإن هذه الحالة تكون في فتنة الدجال لكافة المؤمنين.

''اس حدیث میں اُس بات کی دلیل ہے جو ہم نے ذکر کی کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایسی معزز حالت سے سرفراز فرماتا ہے جو انہیں کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ بیشک یہ مقام دجال کے زمانے میں تمام مومنین کو حاصل ہوگا''۔

(الحديقة الندية ج ۱ ص ۲۳۹،۲۴۰)

مولانا زکریا سہارنپوری لکھتے ہیں:

''دنیا میں بغیر کھائے پیئے صرف اللہ کے ذکر پر گزارہ ممکن ہوسکتا ہے اور دجال کے زمانہ میں عام مومنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اِس زمانہ میں خواص کو اس حالت کا میسر ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔ اس لیے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول ہیں کہ معمولی غذا پر یا بلا غذا کے وہ کئی کئی دن گزار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب کی نہیں''۔

(فضائل ذکر ص ۱۶۷،۱۶۸)

شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: بعض اولیاء کرام چالیس چالیس دن یا اس سے بھی زیادہ بغیر کچھ کھائے پیئے گزارتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے، ان کی بھوک کہاں چلی جاتی ہے؟

قال: يطفئه النور، وقد سألت بعض الصالحين عن ذلك فذكر لي كلاماً بعبارة دلت على أنه يجد فرحاً بربه ينطفئ معه لهب الجوع، وهذا في الخلق واقع إن الشخص يطرقه فرح وقد كان جائعاً فيذهب عنه

الجوع وهكذا في طرق الخوف يقع ذلك.

''انہوں نے فرمایا: ان کی بھوک کو نور بجھا دیتا ہے۔امام سہروردی فرماتے ہیں: میں نے یہی سوال بعض صالحین سے کیا تو انہوں نے فرمایا: جب اللہ کا ولی اللہ تعالیٰ سے فرحت پاتا ہے تو اس کی بھوک کی حرارت بجھ جاتی ہے، اور یہ عام لوگوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچے اور وہ بھوکا ہو تو اس کی بھوک چلی جاتی ہے اور اسی طرح خوف کے عالم میں بھی ہوتا ہے''۔

(عوارف المعارف ملحق بإحياء علوم الدين للغزالي ج٥ ص١٧٠)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اجی جس کے ہو دِل میں دردِ الفت
اسے کب ہوئے خواب و خور کی فرصت
اُٹھا چھاتی میں دردِ عشق جس کی
اسے پھر نیند کس کی بھوک کس کی؟

(لامع الدراري على جامع البخاري ج٢ ص٢٥٢)

حسنین کریمین علیہما السلام کے لیے نذر (منت) کے دنوں میں اگر یہ مقام حاصل نہ مانا جائے تب بھی وہ عام نہیں بلکہ شاہین بچے تھے، یہی وجہ ہے کہ اسی عمر میں انہیں نوجوانانِ اہلِ جنت کا سردار بنا دیا گیا تھا۔ان کے علاوہ اس عمر کے کسی بچے کو ایسا اعزاز کبھی نہیں ملا۔لہٰذا اگر انہوں نے کم عمری میں اپنی مرضی سے تین روزے رکھے ہوں اور مسکین، یتیم اور اسیر کو خود پر ترجیح دی ہو تو یہ اُن کی سیادت کے عین مطابق ہے۔

اہلِ بیت کے غلاموں کی شان

قربان جاؤں یہ تو سید ہستیاں تھیں (جن کا منصب ہی خود تکالیف برداشت کر کے دوسروں کو سکھ پہنچانا ہوتا ہے) لیکن جو ان کے غلام ہو جائیں تو وہ بھی کرگس جیسی صفات سے بلند ہو کر شاہینی صفات کے حامل ہو جاتے ہیں۔چنانچہ جہاں سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین ﷺ نے تین روزے رکھے اور اپنا

کھانا سائلین کو دے کر ایثار کا ثبوت دیا وہیں اُن کی باندی بھی اس عمل میں شامل ہو کر زمرۂ ابرار میں داخل ہوگئیں۔ انہوں نے باقاعدہ اِن الفاظ میں نیت کی تھی:

إن برأ سيداي صمت لله عز وجل.

''اگر میرے دونوں آقا بیماری سے بری ہو گئے تو میں اللہ ﷻ کے لیے روزے رکھوں گی''۔

(أسد الغابة في معرفة الصحابة ج٧ ص ٢٥٦)

انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ وہ اہل بیت کی سچی مُحِبّہ تھیں، اور انتہائی بلند خیال تھیں اور اُن کا حال کسی عرب شاعر کے اس قول کے مطابق تھا۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ

لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صِلَاحًا

''میں صالحین میں سے نہیں ہوں پر اُن سے محبت کرتا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیکی عطا فرمادے''۔

اس خلوصِ نیت کی بدولت اس باندی پر کیسا کرم ہوا؟ اگر آپ اُسے سمجھنا چاہتے ہیں تو مذکورہ بالا آیات کے ترجمہ میں غور فرمائیں، آپ پر واضح ہوگا کہ ایک ہی جست میں یہ بی بی کیسے زمرۂ ابرار میں شامل ہوگئی۔ کسی فارسی شاعر نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

ذرۂ خاکم ولے با مہر دارم دوستی

ہائے کوباں تا فراز عرش می خواہم رسید

ہوں تو میں خاک کا ذرہ لیکن آفتاب سے دوستی رکھتا ہوں، اچھلتے قدموں سے عرش کی بلندی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔

بلاشبہ یہ بی بی باندی ہونے کے باوجود اونچوں سے نسبت کی بدولت سنور گئی۔

تیری نسبت نے سنوارا ہے میرا اندازِ حیات

میں اگر تیرا نہ ہوتا سگِ دنیا ہوتا

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فضل ترے نال لوہے تر دے، بھٹیاں دے سنگ رل کے

کتے جنت جائز محمد، سنگ ولیاں دے رل کے

علماء کرام نے اس سعادت مند باندی کا نام "فضة النوبية" ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بی بی کا ذکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا ہے اور ان کے متعلق دو واقعے ذکر کیے ہیں، اُن میں سے ایک واقعہ یہی شانِ نزول ہے لیکن اس کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے:

قال الذهبي: كأنه موضوع.

''ذہبی نے کہا: گویا کہ یہ موضوع ہے''۔

اس پر حافظ لکھتے ہیں:

وليس ما قاله بعيد.

''اور ذہبی نے جو کہا وہ بعید نہیں''۔

(الإصابة ج۸ ص ۲۸۱)

اس پر ہم عرض کرتے ہیں: لیکن ہمارے نزدیک اُن حضرات کا قول بعید نہیں جنہوں نے اس واقعہ کو حق کہا ہے، اور اس کی تائید خود اِن دونوں حضرات کے الفاظ کی لچک میں موجود ہے۔ اہل علم ایک مرتبہ ان الفاظ میں پھر غور فرمائیں۔

حضرت بی بی فضہ رضی اللہ عنہا کی کرامت

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن کا دوسرا واقعہ یہ لکھا ہے:

''ابن صخر نے "**الفوائد**" میں اور ابن بشکوال نے "**كتاب المستغيثين**" میں اپنی سند سے از حسین بن علاء، از جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی، از امام حسین، از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو ایک خادمہ عطا فرمائی، اُس کا نام فضة النوبیہ تھا، اور اُس نے گھر کے آدھے کام کی ذمہ داری اٹھائی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ایک دعا سکھائی جو وہ مانگا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے اُسے فرمایا: آٹا گوندھو گی یا روٹی پکاؤ گی؟ اُس نے عرض کیا: اے میری سیدہ! میں آٹا گوندھوں گی اور لکڑیاں جمع کروں گی۔ پس وہ چلی گئیں، لکڑیاں جمع کیں، گٹھڑی باندھی اور اٹھانا چاہی تو نہ اٹھا سکیں۔ اس پر انہوں نے وہ دعا پڑھی جو نبی کریم ﷺ نے انہیں سکھائی تھی، اور وہ یہ ہے:

يَاوَاحِدُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ أَحَدٌ، تُمِيْتُ كُلَّ أَحَدٍ، وَتُفْنِيْ كُلَّ أَحَدٍ، وَأَنْتَ عَلىٰ عَرْشِكَ وَاحِدٌ، وَلَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ.

''اے وہ واحد ذات جس کی مثل کوئی نہیں، تو ہر ایک کو مارتا ہے اور تو ہی ہر ایک کو فنا کرتا ہے اور تو اپنے عرش پر یکتا ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند''۔

پس اِن الفاظ کا پڑھنا تھا کہ اچانک ایک بدوی آیا گویا کہ وہ قبیلہ ازدِ شنوہ سے تھا، اُس نے وہ گٹھڑی اٹھائی اور بابِ فاطمہ پر پہنچا دی''۔

(الإصابة ج۸ ص ۲۸۱،۲۸۲)

حیرت سے یوں نہ میری رفعت کو دیکھئے
جن کا گدا ہوں، اُن کی سخاوت کو دیکھئے
وابستہ نعلینِ آلِ نبی ہوں میں
مجھ کو نہ دیکھئے، میری نسبت کو دیکھئے

ہم بھی نسبت کے محتاج ہیں اور تمنا ہے کہ ہم پر بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نظر کرم ہو لیکن ع

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

تاہم یہ بھی اصول ہے کہ ذھب (سونے) کو اُس وقت تک زیور کی شکل دے کر اپنایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اُس کے ساتھ فضة (چاندی) کا ربط پیدا نہ کیا جائے۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ ہم بی بی فضہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نسبت قائم کریں تا کہ اُن کے ذریعہ ہمیں بھی سلسلة الذھب میں کہیں جگہ مل جائے،

بلکہ بعض مشائخ کے مطابق یہ نسبت سیدۂ کائنات کی عفت وعصمت کے پیشِ نظر انتہائی ضروری ہے، کیونکہ وہاں عفت کا یہ عالم ہے کہ سیدہ کائنات علیہا السلام عالمِ خواب میں بھی اُسے ملحوظ رکھتی ہیں۔ بعض مشائخ کے خیال کی تائید اُس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ہم قدرت اللہ شہاب کے حوالے سے اس سے قبل لکھ چکے ہیں۔ ایک مرتبہ اُس واقعہ کو پھر غور سے پڑھیے۔

اعترافِ تقصیر

جن کی شان میں ہمارا قلم چلتا رہا کما حقہ اُن کی شانِ کمال اور حسن وجمال کا احاطہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اُن کے حسن کی منظر کشی کرنا چاہے تو وہ مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور زمین کے چہرہ پر رہنے والا انسان اپنے مشاہدہ کی رسائی کے مطابق یا تو زمین کی کسی خوبصورت چیز کی مثال پیش کرتا ہے یا پھر اُس کی نگاہ آسماں پر کچھ چمکتی ہوئی چیزوں تک جاتی ہے تو وہ اُن ہی کی مثال پیش کر دیتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ میرا محبوب چودھویں کے چاند یا چمکتے آفتاب کی مانند ہے، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ صحابہ کرام ﷺ بھی جب حسنِ نبوی ﷺ کی منظر کشی کرنے لگتے تو ان مثالوں سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے، حالانکہ چاند سورج کا نور میرے آقا کے نور سے لیا ہوا ہے، لیکن جب انسان نے چاند سورج سے زیادہ روشن اور پھولوں سے زیادہ نکھری ہوئی کوئی چیز دیکھی ہی نہیں تو وہ مثال دے تو کیا دے؟

بلاشبہ ہر چیز حسین ہے لیکن ﴿كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اور ﴿أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ تو انسان کی شان میں آیا ہے، لہٰذا انسان سے مکرم اور حسین کوئی چیز نہیں۔ یاد رکھیے! آج جو چیز بھی تکریم وتعظیم کے لائق ہے کسی نہ کسی صورت میں اُس کی تعظیم کا سبب انسان ہے۔ کعبہ ہو، مقام ابراہیم ہو یا کوئی مقام ہو سب کی تعظیم میں انسان کی عظمت کارفرما نظر آتی ہے اور پوری کائنات کا وجود ہی انسان کے وجود کے باعث ہے، لہٰذا خود سوچیے! کہ پھر انسانوں میں سے اُن منتخب ہستیوں کی عظمت کا احاطہ کیونکر کیا جاسکتا ہے جو خلاصۂ کائنات کی شان رکھتی ہیں؟

خاتمة

الحمدللہ، آج ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق 17 جولائی 2012 کو یہ بابرکت کتاب اختتام پذیر ہوئی، اس کتاب کے ترجمہ، تحقیق اور تشریح میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ محض اللہ عزوجل کے فضل سے ہے اور جو خامیاں ہیں وہ میری طرف سے ہیں۔ اُس کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ خامیوں سے درگزر کرتے ہوئے اپنے فضل کا پردہ ڈال کر اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اہل کساء، تمام آل پاک، خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین عظام اور جملہ اہل اسلام کی خوشنودی کا ذریعہ فرمائے۔

دعا

یاربّ العالمین! اس کتاب کے مصنف، مترجم وشارح، کمپوزر، پروف ریڈر، اس کی اشاعت میں معاون، اس کے قارئین اور اہل بیت کرام علیہم السلام کے جملہ محبین کی مغفرت فرما اور اُن کو دنیا و آخرت کی فوز وفلاح عطا فرما، اور سب کے والدین، عزیز و اقارب اور آقا کی پوری امت کی مغفرت فرما، آمین!

بِجَاهِ حَبِيْبِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيْمِ.

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى فَضْلِهِ وَإِحْسَانِهِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ.

والسلام مع الاکرام
ظہور احمد فیضی
0300 488 1239
zafaizi92@gmail.com

یہاں آخر میں، ہم فضیلۃ الشیخ عباس عثمان المطر مدظلہ
کا سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں
وہ نذرانہ عقیدت پیش کررہے ہیں جو انہوں نے
مکۃ المکرمہ میں سیدہ کے مزار پر حاضری
کے موقع پر ہمارے بعض مشائخ کو پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

مِنْ مَنَاقِبِ السَّيِّدَةِ خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

سیدتنا خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے فضائل

۱۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ.

اے مومنوں کی ماں! آپ پر سلام ہو۔

۲۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَيِّدَتَنَا خَدِيْجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ.

اے ہماری سردارہ خدیجہ بنتِ خویلد آپ پر سلام ہو۔

۳۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّ سَيِّدَتِنَا فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَأُمَّ الْقَاسِمِ وَالطَّيِّبِ [وَالزَّيْنَبِ] وَرُقَيَّةَ وَأُمِّ كُلْثُوْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ.

اے ہماری سردارہ فاطمۃ الزہراء، قاسم، طیب، رقیہ اورام کلثوم ﷺ کی ماں آپ پر سلام ہو۔

٤۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الْكَامِلَةُ الْعَفِيْفَةُ الشَّرِيْفَةُ الطَّاهِرَةُ.

اے کاملہ، پاک دامن، معزّزہ، پاکیزہ آپ پر سلام ہو۔

۵۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الزَّوْجَةُ الْعَظِيْمَةُ الشُّجَاعَةُ الْعَاقِلَةُ الرَّزِيْنَةُ الْمَصُوْنَةُ الْجَلِيَّةُ.

اے عظمت والی، بہادر، عقل مند، بلند فکر، محفوظہ اور جلیل القدر زوجہ رسول ﷺ آپ پر سلام ہو۔

٦۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ قُرَيْشٍ وَوَالِدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ فِي الْجَنَّةِ

اے خواتین قریش کی سیدہ اور جنت میں تمام جہانوں کی سردارہ کی والدہ آپ پر سلام ہو۔

۷۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَابِقَةَ الْخَلْقِ إِلَى الْإِسْلَامِ.

اے پوری مخلوق سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کرنے والی خاتون آپ پر سلام ہو۔

۸۔ جَزَاكِ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ رَسُوْلِنَا وَسَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرَ الْجَزَاءِ حِيْنَمَا زَمَّلْتِيْهِ وَدَثَّرْتِيْهِ.

اللہ تعالیٰ ہماری اور ہمارے آقا محمد ﷺ کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جب آپ نے انہیں کملی اور چادر اوڑھائی تھی۔

۹۔ جَزَاكِ اللّٰهُ عَنْ دِيْنِ الْإِسْلَامِ خَيْرَ الْجَزَاءِ وَمَا يُخْزِيْكِ اللّٰهُ أَبَداً.

اللہ تعالیٰ آپ کو دینِ اسلام کی جزائے خیر عطا فرمائے گا اور وہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں فرمائے گا۔

۱۰۔ اَلسَّلامُ عَلَیْکِ اَیَّتُهَا الاُمُّ الرَّؤُوْمُ وَالزَّوْجَةُ الْحَنُونُ وَالْوَالِدَةُ الْعَطُوْفَةُ الْمَرْأَةُ الْمُسْلِمَةُ.

اے کریموں کی امی اور اے مہربان کی زوجہ اور شفقت وسلامتی والی خاتون آپ پر سلام ہو۔

۱۱۔ هَنِیْئًا لَکِ بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِیْهِ وَلَا نَصَبَ.

آپ کو جنت میں وہ محل مبارک ہو جس میں کسی قسم کا شور اور تکلیف نہیں ہوگی۔

۱۲۔ هَنِیْئًا لَکِ یَامَنْ أَخْبَرَ جِبْرِیْلُ علیہ السلام بِمَا عَزَمْتِ لِتَقْدِیْمِ إِنَاءٍ فِیْهِ شَیْءٌ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ تَقْدِمِیْهِ لِلنَّبِیِّ ﷺ.

آپ کو وہ پیغام (قصرِ جنت) مبارک ہو جو جبریل علیہ السلام نے اُس وقت دیا تھا جب آپ ایک برتن میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء لیکر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آ رہی تھیں۔

۱۳۔ هَنِیْئًا لَکِ یَا اُمَّنَا الَّذِیْ نَزَلَ عَلَیْکِ السَّلَامُ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یُبَشِّرُکِ بِبَیْتٍ بِالْجَنَّةِ لَا قَصَبَ لَا صَخَبَ فِیْهِ وَلَا نَصَبَ.

اے ہماری ماں آپ پر رب العالمین کی بارگاہ سے نازل شدہ سلام مبارک ہو جو ایسے جنتی محل کی بشارت کے وقت پہنچایا گیا تھا جس میں شور و تکلیف نہیں ہوگی۔

۱٤۔ هَنِیْئًا لَکِ بِزَوَاجِکِ بِالنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ ﷺ وَکُنْتُمْ أَسْعَدَ زَوْجَیْنِ وَأَکْرَمَ عَرُوْسَیْنِ.

آپ کو نبی کریم ﷺ کی زوجیت مبارک ہو، آپ انتہائی سعادت مند جوڑا اور معزز ترین دلہن دولھا ہو۔

۱۵۔ هَنِیْئًا لَکِ بِالشَّهَادَةِ النَّبَوِیَّةِ إِذْ قَالَ: آمَنَتْ بِیْ وَصَدَّقَتْنِیْ بِمَا اَقُوْلُ وَوَاسَتْنِیْ بِمَا لِکِ وَرَزَقَ اللّٰهُ مِنْکِ الْأَوْلَادَ وَالْبَنَاتِ.

آپ کو نبی کریم ﷺ کی وہ گواہی مبارک ہو جب انہوں نے فرمایا: آپ مجھ پر اُس وقت ایمان لے آئیں اور میری تصدیق کی جب میں نے آپ کو اطلاع دی، اور اپنے مال سے میری معاونت کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ سے بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائیں۔

۱٦۔ هَنِیْئًا لَکِ یَا اُمَّنَا لِاِخْتِیَارِکِ اَفْضَلَ رَجُلٍ فِی الْکَوْنِ وَبَذْلِیْ مِنْ مَالِکِ وَصِحَّتِکِ وَجَمَالِکِ لِهٰذَا الرَّجُلِ الْعَظِیْمِ بِالرَّغْمِ مِنْ کِبَرِ سِنِّکِ وَأَیَّدْتِیْهِ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ.

آپ کو کائنات میں عظیم انسان کا انتخاب کرنا اور اپنا مال، صحت اور جمال بڑی عمر کے باوجود اُس عظیم انسان پر قربان کرنا اور ہر شے سے اس کی مدد کرنا مبارک ہو۔

١٧۔ هَنِيْئًا لَكِ بِسُرُوْرِكِ بِمَا قَالَهُ خَادِمُكِ مَيْسَرَةُ مِنْ شَأْنِ النَّبِيِّ الْأَمِيْنِ الْأُمِّيِّ.

آپ کو وہ خوش خبری مبارک ہو جو آپ کو آپ کے خادم میسرہ نے نبی امین اور امی ﷺ کے بارے میں دی تھی۔

١٨۔ جَزَاكِ اللّٰهُ عَنْ رَسُوْلِنَا وَسَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرَ الْجَزَاءِ.

اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے رسول اور ہمارے آقا محمد ﷺ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

١٩۔ جَزَاكِ اللّٰهُ عَنْ دِيْنِ الْإِسْلَامِ خَيْرَ الْجَزَاءِ يَا جَدَّةَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ.

اے حسنین کریمین کی مقدس نانی اللہ تعالیٰ آپ کو دینِ اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

٢٠۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ الْمُعَلَّاءِ أُبَشِّرُكُمْ بِأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ، يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ [عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ] أَجْمَعِيْنَ.

اے جنتِ معلیٰ کے مکینو! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ بیشک قیامت آنے والی ہے، اُس میں کوئی شک نہیں، اور بیشک اللہ تعالیٰ قبر والوں کو اٹھائے گا، اللہ تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحمت فرمائے۔

٢١۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا سَيِّدَتَنَا خَدِيْجَةُ وَسَيِّدَتَنَا فَاطِمَةُ، مَا الْأَقْطَابُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَالْأَبْدَالُ إِلَّا غُبَارُ أَقْدَامِكُمْ، وَالْوِلَايَةُ تَحْتَ أَمْرِكُمْ، عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ آلِكُمْ آلَافُ صَلوٰةٍ وَسَلَامٍ.

اے سیدتنا خدیجہ وسیدتنا فاطمہ! تمام اولیاء، اقطاب اور ابدال تمہارے قدموں کی خاک ہیں اور ولایت آپ کے تابع ہے، آپ پر اور آپ کی آل پر لاکھوں درود وسلام ہوں۔

٢٢۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالرِّسَالَةِ وَشَهِدُوْا لَهُ، وَالَّذِيْنَ شَهِدُوْا بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ، وَالْحَيَوَانَاتِ وَالنَّبَاتَاتِ وَالْجَمَادَاتِ، بِسِرِّ الْفَاتِحَةِ.

اے اللہ! امت محمدیہ ﷺ کے اُن انسانوں، جنوں، حیوانوں، درختوں اور پتھروں پر رحمت نازل فرما جو اُن کی رسالت پر ایمان لائے اور اُن کے حق میں گواہی دی اور جنہوں نے توحید کی گواہی دی۔ سورۃ الفاتحہ کی بشارت سے۔

مرتّبان: عباس عثمان المطر، ومحمد إسماعيل العباسي

❁❁❁❁❁

مآخذ ومراجع

شرح
إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

المعروف:

مناقب الزهراء

بترتيب حروفِ تهجّي

حديث

١ـ **الآحاد والمثاني**: إمام أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم، متوفّٰى ٢٨٧ هـ، دار الراية، الرياض، الطبعة الأولىٰ ١٤١١هـ.

٢ـ **الآداب**: إمام أبو بكر أحمد بن حسين البيهقي، متوفّٰى ٤٥٨ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٦هـ.

٣ـ **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة**: أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري، متوفّٰى ٨٤٠هـ، دار الوطن، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ.

٤ـ **الأحاديث المختارة مما ليس في الصحيحين**: محمد بن عبد الواحد المقدسي الحنبلي، متوفّٰى ٦٤٣هـ، مكتبة النهضة الحديثية، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٠ هـ.

٥ـ **الإحسان بترتيب صحيح إبن حبان**: أبو حاتم محمد بن حبان البستي متوفّٰى ٣٥٤هـ، **بترتيب** : الأمير علاء الدين علي بن بلبان الفارسي، متوفّٰى ٧٣٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧هـ.

٦ـ **الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان**: أبو حاتم محمد بن حبان البستي متوفّٰى ٣٥٤هـ، **بترتيب**: الأمير علاء الدين علي بن بلبان الفارسي، متوفّٰى ٧٣٩هـ، بتحقيق شعيب

الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٨هـ.

٧۔ **الأدب المفرد**: إمام أبوعبد اللّٰه محمد بن إسمعيل البخاري، متوفّٰی ٢٥٦هـ، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة الأولىٰ ١٤١٩هـ.

٨۔ **الأذكار المنتخبة من كلام سيد الأبرار ﷺ**: محي الدين أبوزكريا يحي بن شرف النووي متوفّٰی ٦٧٦هـ، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة السادسة ١٤١٣هـ.

٩۔ **الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة**: علي بن سلطان محمد المشهور بملا علي القاري، متوفّٰی ١٠١٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٥هـ.

١٠۔ **المؤطا**: لإمام الأئمة وعالم المدينة مالك بن أنس، دار المعرفة بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٠هـ.

١١۔ **أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب**: شيخ محمد درويش، الحوت، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ.

١٢۔ **أطراف الغرائب والأفراد للدارقطني**: حافظ ابوالفضل محمد بن طاهر المَقْدِسي، متوفّٰی ٥٠٧هـ، دار التدمرية، الرياض، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٨هـ.

١٣۔ **إعلاء السنن**: شيخ ظفر أحمد عثماني التهانوي متوفّٰی ١٣٩٤هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ.

١٤۔ **الأوسط من السنن والإجماع والخلاف**: أبوبكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري، متوفّٰی ٣١٨هـ، دار الفلاح، مصر، الطبعة الثانية، ١٤٣١هـ.

١٥۔ **البحر الزخار المعروف بمسند البزار**: إمام أحمد عمرو بن عبد الخالق البزار، متوفّٰی ٢٩٢هـ، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٩هـ.

١٦۔ **بغية الباحث في زوائد مسند الحارث**: حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي متوفّٰی ٨٠٧هـ، تحقيق: مسعد السعدني، دار الطلائع القاهرة.

١٧۔ **البيان والتعريف في أسباب وُرود الحديث الشريف**: إبراهيم بن محمد الشهير بابن حمزة الحسيني، متوفیٰ ١١٢٠ھ، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤ھ.

١٨۔ **تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار**: إمام أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي، متوفیٰ ٣٢١ھ، دار بلنسية، مكة المكرمة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

١٩۔ **تذكرة الموضوعات** علامة محمد طاہر پٹنی، متوفیٰ ٩٨٦ھ، دار إحياء التراث العربي، بیروت، الطبعة ١٤١٥ھ.

٢٠۔ **الترغيب والترهيب**: إمام زكی الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذری متوفیٰ ٦٥٦ھ، دار الكتب العلمية، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٢١۔ **تهذيب الآثار وتفصيل الثابت عن رسول الله ﷺ من الأخبار**: الإمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، متوفیٰ ٣١٠ھ دار الكتب العلمية، بیروت، الطبعة الأولى ١٤٢٩ھ.

٢٢۔ **جامع الأصول في أحاديث الرسول**: الإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزري متوفیٰ ٦٠٦ھ، دار ابن كثير دمشق، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٢ھ.

٢٣۔ **الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله ﷺ وسننه وأيامه**: (صحيح البخاري) إمام محمد بن إسمعيل البخاري، متوفیٰ ٢٥٦ھ، دار السلام، الرياض، الطبعة الثانية ١٤١٩ھ.

٢٤۔ **الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير ﷺ**: جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفیٰ ٩١١ھ، دار التوفيقية للتراث، القاهرة.

٢٥۔ **الجامع المختصر من السنن عن رسول الله ﷺ ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل (جامع ترمذي)**: إمام أبو عيسیٰ محمد بن عيسیٰ الترمذي، متوفیٰ ٢٧٩ھ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

٢٦ـ **جامع المسانيد:** الحافظ أبي الفرج عبدالرحمن بن علي الجوزي الحنبلي متوفیٰ ٥٩٧ھ، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٦ھ.

٢٧ـ **الجمع بين الصحيحين:** محمد بن فتوح الحُميدي، متوفی ٤٨٨ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولی ١٤١٩ھ.

٢٨ـ **جمع الجوامع:** حافظ جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفیٰ ٩١١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ١٤٢١ھ.

٢٩ـ **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء:** إمام أبو نُعَيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني متوفیٰ ٤٣٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٣٠ـ **خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ﷺ:** إمام أحمد بن شعيب النسائي متوفیٰ ٣٠٣ھ بتحقيق أبو إسحاق الحويني، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٧ھ.

٣١ـ **خصائصُ علي:** بتحقيق محمد الكاظم، مجمع إحياء الثقافة الإسلامية، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.

٣٢ـ **خصائصُ علي:** بتحقيق أحمد ميرين البلوشي، مكتبة وادي الحور الشارقة، الطبعة الثانية ١٤٢١ھ.

٣٣ـ **الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة:** حافظ جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفیٰ ٩١١ھ، دار الفكر، بيروت ١٤١٥ھ.

٣٤ـ **الزهد:** إمام عبد الله بن المبارك متوفیٰ ١٨١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.

٣٥ـ **الزهد:** إمام أحمد بن حنبل متوفیٰ ٢٤١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٤ھ.

٣٦۔ **زوائد مسند أحمد:** عبد اللّٰہ بن أحمد بن حنبل متوفّیٰ ۲۹۰ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ.

٣٧۔ **زوائد ابن ماجة:** أحمد بن أبي بكر البوصيري، متوفّیٰ ۸۴۰ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۴ھ.

٣٨۔ **السنة:** إمام أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني متوفّیٰ ۲۸۷ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۱۳ھ.

٣٩۔ **السنة:** إمام عبد الله بن أحمد بن حنبل متوفّیٰ ۲۹۰ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۴ھ.

٤٠۔ **سنن ابن ماجة:** إمام أبو عبد الله محمد بن يزيد متوفّیٰ ۲۷۳ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ.

٤١۔ **سنن ابن ماجة:** إمام أبو عبد اللّٰہ محمد بن يزيد متوفّیٰ ۲۷۳ھ، بتحقيق شعيب الأرنؤط وغيره، دار الرسالة العالمية، دمشق، الطبعة الأولىٰ ۱۴۳۰ھ۔

٤٢۔ **سنن الأصفهاني:** الحافظ الإمام الجليل أبي نعيم صاحب الحلية، جامع: أبو عبد الله عبد السلام بن محمد، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولىٰ ۱۴۲۵ھ.

٤٣۔ **سنن أبي داود:** إمام أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني متوفّیٰ ۲۷۵ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱۴۲۳ھ.

٤٤۔ **سنن الدارمي:** إمام أبو عبد الله عبد الرحمان الدارمي، متوفّیٰ ۲۵۵ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۷ھ.

٤٥۔ **سنن سعيد بن منصور:** إمام سعيد بن منصور خراساني مكي متوفّیٰ ۲۲۷ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱۴۰۵ھ.

٤٦۔ **السنن الكبرىٰ:** إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، متوفّیٰ ۳۰۳ھ،

مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١هـ.

٤٧۔ **السنن الكبرىٰ**: إمام أبوعبدالرحمن أحمدبن شعيب النسائي، متوفّىٰ ٣٠٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١١هـ.

٤٨۔ **السنن الكبرىٰ**: إمام أبو بكر أحمد بن حسين البيهقي متوفّىٰ ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٤هـ.

٤٩۔ **السنن المجتبىٰ (سنن النسائي)**: إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي متوفّىٰ ٣٠٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ.

٥٠۔ **الشذرة فى الأحاديث المشتهرة**: محمدبن طولون الصالحي متوفّىٰ ٩٥٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.

٥١۔ **شرح السنة**: إمام محي السنة حسين بن مسعود الفراء البغوي متوفّىٰ ٥١٦هـ، دار الفكر، بيروت ١٤١٤هـ.

٥٢۔ **الشريعة**: أبوبكر محمدبن حسين بن عبدالله الآجري، متوفّىٰ ٣٦٠هـ، دار الكتاب العربي بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٠هـ.

٥٣۔ **شعب الإيمان**: إمام أبو بكر أحمدبن حسين البيهقي متوفّىٰ ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٠هـ.

٥٤۔ **صحيح ابن خزيمة**: إمام محمد بن إسحاق بن خزيمة متوفّىٰ ٣١١هـ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٤هـ.

٥٥۔ **عمل اليوم والليلة**: أبوبكر أحمدبن محمد الدينوري المعروف بابن السني، متوفّىٰ ٣٦٤هـ، مؤسسة الكتب الثقافية، الصنائع، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ.

٥٦۔ **الفتن**: حافظ نُعيم بن حماد الخزاعي المروزي متوفّىٰ ٢٢٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ.

٥٧۔ **فردوس الأخبار**: حافظ شیرویه بن شهردار ابن شیرویه الدیلمي متوفیٰ ٥٠٩ھ، دار الريان، القاهرة، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٨ھ.

٥٨۔ **الفوائد**: حافظ عبدالوهاب بن محمد المعروف بإبن مندة العبدي متوفیٰ ٤٧٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ١٤٢٣ھ.

٥٩۔ **الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة**: محمد بن علي الشوكاني متوفیٰ ١٢٥٠ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولی ١٤٠٦ھ.

٦٠۔ **الفوائد المنتقاة و الغرائب الحسان عن شيوخ الكوفين**: الحافظ أبو علي محمد بن علي الصوري، متوفیٰ ٤٤١ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٧ھ.

٦١۔ **كتاب الأسماء والصفات**: إمام أبو بكر أحمد بن حسين البهيقي، متوفیٰ ٤٥٨ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٥ھ.

٦٢۔ **كتاب الأوائل**: إمام أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم متوفیٰ ٢٨٧ھ، دار البشائر الاسلامية، بيروت، الطبعة الأولی ١٤٢٥ھ.

٦٣۔ **كتاب الفقيه و المتفقه**: حافظ أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، متوفیٰ ٤٦٢ھ، دار ابن الجوزي، مكة المكرمة، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٦٤۔ **كتاب الفوائد، الشهير بالغيلانيات**: حافظ أبو بكر محمد بن عبدالله بن ابراهيم الشافعي، متوفیٰ ٣٥٤ھ، دار ابن الجوزي، مكة المكرمة، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٦٥۔ **كتاب الدعاء**: إمام أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني متوفیٰ ٣٦٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ١٤١٣ھ.

٦٦۔ **كشف الأستار عن زوائد البزار**: حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي متوفیٰ ٨٠٧ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٤ھ.

٦٧۔ **كشف الخفاء و مزيل الألباس**: إسمعيل بن محمد العجلوني، متوفیٰ ١١٦٤ھ،

دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱٤۱۸ھ.

٦٨۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال** : علامة علي متقي بن حسام الدين برهانپوري، متوفّیٰ ۹۷٥ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۰٥ھ.

٦۹۔ **کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق**: إمام عبد الرؤف بن علی المناوي متوفّیٰ ۱۰۰۳ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۸ھ.

۷۰۔ **اللآلی المصنوعة الأحادیث الموضوعة**: جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بکر السیوطي، متوفّیٰ ۹۱۱ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱٤۱۷ھ.

۷۱۔ **اللؤلؤ المرصوع فیما لا أصل له أو بأصله موضوع**: محمد بن خلیل القاؤقجي الطرابلسي متوفّیٰ ۱۳۰٥ھ، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱٤۱٥ھ.

۷۲۔ **لباب النقول في أسباب النزول**: حافظ جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بکر السیوطي متوفّیٰ ۹۱۱ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت.

۷۳۔ **مجمع البحرین فی زوائد المعجمین**: حافظ نور الدين علي بن أبي بکر الهیثمي متوفّیٰ ۸۰۷ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱٤۱۹ھ.

۷٤۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**: حافظ نور الدين علي بن أبي بکر الهیثمي متوفّیٰ ۸۰۷ھ، دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱٤ھ.

۷٥۔ **مختصر زوائد مسند البزار**: حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفّیٰ ۸٥۲ھ مؤسسة الکتب الثقافیة، الصنائع، الطبعة الثالثة ۱٤۱٤ھ.

۷٦۔ **مختصر سنن أبي داود**: للحافظ عبدالعظیم بن عبدالقوي المنذري متوفّیٰ ٦٥٦ھ، مکتبة المعارف الریاض، الطبعة الأولیٰ ۱٤۳۱ھ.

۷۷۔ **المستدرک علی الصحیحین**: إمام أبو عبد الله محمد بن عبدالله الحاکم نیشاپوري متوفّیٰ ٤۰٥ھ، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۸ھ.

٧٨۔ مسند ابن الجعد: أبو القاسم عبد الله بن محمد البغوي متوفیٰ ٣١٧ھ، مؤسسة النادر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٠ھ.

٧٩۔ مسند إسحاق بن راهوية: إمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد الحنظلي المروزي متوفیٰ ٢٣٨ھ، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤١٠ھ

٨٠۔ مسند إسحاق بن راهوية: إمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد الحنظلي المروزي متوفیٰ ٢٣٨ھ، دار الكتاب العربي، بيروت الطبعة الأولى ١٤٢٣ھ.

٨١۔ مسند أبي يعلى الموصلي: إمام أحمد بن علي المثنى التميمي متوفیٰ ٣٠٧ھ، بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٨٢۔ مسند أبي يعلى الموصلي: إمام أحمد بن علي المثنى التميمي متوفیٰ ٣٠٧ھ، بتحقيق حسين سليم أسد، دار المأمون للتراث دمشق، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٠ھ.

٨٣۔ المسند: إمام أبو بكر عبد الله بن محمد إبن أبي شيبة متوفیٰ ٢٣٥ھ، دار الوطن، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٨٤۔ المسند: إمام أحمد بن حنبل متوفیٰ ٢٤١ھ، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.

٨٥۔ المسند: إمام عبد الله بن الزبير الحميدي متوفیٰ ٢١٩ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ.

٨٦۔ مسند سعد بن أبي وقاص ﷺ: إمام أبي عبد الله أحمد بن إبراهيم بن كثير الدورقي البغدادي، متوفیٰ ٢٤٦ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٧ھ.

٨٧۔ مسند الصحابة: إمام أبو بكر محمد بن هارون الروياني متوفیٰ ٣٠٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٨٨۔ مسند فاطمة الزهراء: الإمام الحافظ جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي

متوفّیٰ ۹۱۱ھ، مؤسسة الکتب الثقافیة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۳ھ.

۸۹۔ **مسند الشهاب:** إمام محمد بن سلامة بن جعفر الشافعي القضاعي، متوفّیٰ ۴۵۴ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۵ھ.

۹۰۔ **مسند الفردوس، وهو الفردوس بمأثور الخطاب:** أبي شجاع شیرویه بن شهر دار الدیلمي متوفّیٰ ۵۰۹ھ، بتحقیق: السعید بن بسیوني زغلول، دار الکتب العلمیة، بیروت. الطبعة الثانیة 2010ء۔

۹۱۔ **المسند:** إمام سلیمان بن داود بن جارود الطیالسي متوفّیٰ ۲۰۴ھ، دار المعرفة، بیروت.

۹۲۔ **المسند:** إمام سلیمان بن داود بن جارود الطیالسي متوفّیٰ ۲۰۴ھ، بتحقیق محمد حسن إسماعیل، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولیٰ ۲۰۰۴ھ.

۹۳۔ **مشکاة المصابیح:** إمام عبدالله محمد بن عبدالله الخطیب التبریزي متوفّیٰ ۷۴۱ھ، دار الأرقم بیروت.

۹۴۔ **مصابیح السنة:** محي الدین حسین بن مسعود الفراء البغوي متوفّیٰ ۵۱۶ھ، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۷ھ.

۹۵۔ **المصنّف:** إمام عبد الرزاق بن همام الصنعاني متوفّیٰ ۲۱۱ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۱ھ.

۹۶۔ **المصنّف:** إمام ابوبکر عبدالله بن محمد بن أبي شیبة، متوفّیٰ ۲۳۵ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۶ھ.

۹۷۔ **المصنّف:** إمام ابوبکر عبدالله بن محمد بن أبي شیبة، متوفّیٰ ۲۳۵ھ، بتحقیق محمد عوّامة، دار قرطبة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۷ھ.

۹۸۔ **المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة:** أحمد بن علي بن حجر العسقلاني،

متوفّیٰ ۸۵۲ھ،دار الباز، عباس أحمد الباز، مکة المکرمة، الطبعة الأولیٰ ۱٤۰۷ھ.

۹۹۔ **المعجم الأوسط**: إمام أبوالقاسم سلیمان بن أحمد الطبراني متوفّیٰ ۳٦۰ھ، مکتبة المعارف، الریاض، ۱٤۰۵ھ.

۱۰۰۔ **المعجم الصغیر (الروض الداني)**: إمام ابوالقاسم سلیمان بن أحمد الطبراني متوفّیٰ ۳٦۰ ھ، مکتب الإسلامي، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۰۵ھ.

۱۰۱۔ **المعجم الکبیر**: إمام أبوالقاسم سلیمان بن أحمد الطبراني متوفّیٰ ۳٦۰ھ، دار احیاء التراث العربي، بیروت.

۱۰۲۔ **المعجم الکبیر**: إمام أبوالقاسم سلیمان بن أحمد الطبراني متوفّیٰ ۳٦۰ھ، بتحقیق أبومحمد الأسیوطي، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۸ھ.

۱۰۳۔ **المغني عن حمل الأسفار في الأسفار في تخریج مافی الإحیاء من الأخبار**: (علی هامش الإحیاء) إمام زین الدین أبي الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقي، متوفّیٰ ۸۰٦ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ.

۱۰٤۔ **المقاصد الحسنة في بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة**: شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوي، متوفّیٰ ۹۰۲ھ دار الکتاب العربي، بیروت، الطبعة الثالثة ۱٤۱۷ھ.

۱۰۵۔ **المقصد العلي في زوائد مسند أبي یعلی الموصلي**: حافظ نورالدین علي بن أبي بکر الهیثمي متوفّیٰ ۸۰۷ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ.

۱۰٦۔ **المنتقیٰ**: إمام عبد اللّٰه بن علي بن جارود نیشابوري متوفّیٰ ۳۰۷ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱٤۱۷ھ.

۱۰۷۔ **موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان**: حافظ نورالدین علي بن أبي بکر الهیثمي، متوفّیٰ متوفّیٰ ۸۰۷ھ مؤسسة الرسالة، بیروت.

تفسیر

١٠٨ـ **أحكام القرآن:** علامة أبوبكر بن عبد الله المعروف بابن العربي متوفّیٰ ٥٤٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة ١٤١٦ھ.

١٠٩ـ **أسباب نزول القرآن:** أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي متوفّیٰ ٤٦٨ھ، دارا لكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١١ھ.

١١٠ـ **المحرر الوجيز:** أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عطيه الأندلسي ٥٤٦ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ھ.

١١١ـ **الوسيط في تفسير القرآن المجيد:** أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي النيسابوري متوفّیٰ ٤٦٨ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ.

١١٢ـ **بحر العلوم:** أبو الليث نصر بن محمد السمرقندي متوفّیٰ ٣٧٥ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ھ.

١١٣ـ **بصائر ذوی التمييز في لطائف الكتاب العزيز:** إمام مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادي متوفّیٰ ٨١٧ھ، المكتبة العلمية، بيروت.

١١٤ـ **تبيان القرآن:** شيخ الحديث علامة غلام رسول سعيدی، (معاصر) فريد بك سٹال، لاهور.

١١٥ـ **تفهيم القرآن:** سيد ابو الأعلىٰ مودودي، متوفّیٰ ١٣٩٩ھ، إداره ترجمان القرآن لاهور.

١١٦ـ **تفسير البغوي:** للإمام أبي محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي الشافعي متوفّٰی ٥١٦ھ، دار المعرفة بيروت، الطبعة الثالثه ١٤١٣ھ.

١١٧ـ **تفسير القرآن العزيز:** إمام عبد الرحمن بن محمد إدريس بن أبي حاتم الرازي، متوفّیٰ ٣٢٧ھ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الثانية ١٤١٩ھ.

۱۱۸۔ **تفسير القرآن العظيم:** حافظ عماد الدين اسماعيل بن عمر بن كثير الشافعي متوفیٰ ۷۷٤ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة ۱٤۰٦ھ.

۱۱۹۔ **حاشية الصاوي:** علامة محمد بن أحمد الصاوي متوفیٰ ۱۲٤۱ھ، دار الفكر بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۹ھ.

۱۲۰۔ **التفسير المظهري:** قاضي ثناء الله پاني پتي متوفیٰ ۱۲۲۵ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۲۵ھ.

۱۲۱۔ **تفسير الملتقط:** حضرت خواجه صدر الدين ابو الفتح الولي الأكبر الصادق سيد محمد حسيني الملقّب بگيسودراز متوفیٰ ۸۲۵ھ، مكتبه نفائس القرآن، نفيس منزل، كريم پارك، راوی روڈ، لاهور.

۱۲۲۔ **الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي):** لأبي عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۲۰ھ.

۱۲۳۔ **الجواهر الحسان في تفسير القرآن:** عبد الرحمن محمد بن مخلوف الثعالبي الشافعي، متوفیٰ ۸۷۵ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۸ھ.

۱۲٤۔ **الدر المنثور في التفسير بالمأثور:** الإمام الحافظ جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفیٰ ۹۱۱ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة ۱٤۱٤ھ.

۱۲۵۔ **اللباب في علوم الكتاب:** الإمام المفسر أبي حفص عمر بن علي ابن عادل الدمشقي الحنبلي متوفیٰ ۸۸۰ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۹ھ.

۱۲٦۔ **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني:** علامة أبو الفضل سيد محمود آلوسي حنفي بغدادي متوفیٰ ۱۲۷۰ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة ۱٤۱٤ھ.

۱۲۷ **زاد المسير في علم التفسير:** أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي، الحنبلي متوفیٰ ۵۹۷ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱٤ھ.

١٢٨۔ **السراج المنير**: محمد بن أحمد الخطيب الشربيني، متوفیٰ ۹۷۷ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٥ھ.

١٢٩۔ **ضياء القرآن**: جسٹس علامہ پیر محمد کرم شاہ الأزهري متوفیٰ ١٤١٨ھ، ضياء القرآن پبلی کیشنز، لاهور.

١٣٠۔ **عناية القاضي وكفاية الراضي**: علامة أحمد شهاب الدين الخفاجي المصري، الحنفي متوفیٰ ١٠٦٩ھ، دار الكتب العلميه، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ھ.

١٣١۔ **غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسير نيشاپوري)**: علامة نظام الدين بن محمد القُمي، متوفیٰ ٧٢٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ.

١٣٢۔ **فتح البيان في مقاصد القرآن**: علامة صديق بن حسن بن علي الحسين القنوجي البخاري متوفیٰ ١٣٠٧ھ، المكتبة العصرية بيروت،

١٣٣۔ **فتح القدير**: قاضي محمد بن علي الشوكاني، متوفیٰ ١٢٥٠، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولىٰ ١٤١٤ھ.

١٣٤۔ **محاسن التأويل (التفسير القاسمي)**: علامة محمد جمال الدين القاسمي متوفیٰ ١٣٣٢ھ، دار احياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ.

١٣٥۔ **مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)**: محمد بن عمر التميمي البكرى، المعروف بإمام الرازي، متوفیٰ ٦٠٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١١ھ.

١٣٦۔ **نظم الدرر في تناسب الآيات والسور**: للإمام برهان الدين أبي الحسن إبراهيم بن عمر البقاعي متوفیٰ ٨٨٥ھ، مكتبة دار الباز مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ.

١٣٧۔ **النكت والعيون**: أبو الحسن علي بن محمد الماوردي البصري، متوفیٰ ٤٥٠ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، الصنائع، الطبعة الأولىٰ ١٤١٢ھ.

شُرُوح حدِيث

١٣٨_ إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري: علامة أحمد بن أبي بكر الخطيب القسطلاني، متوفى ٩٤٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ.

١٣٩_ إكمالُ إكمالِ المُعْلِم: علامة أبو عبد الله محمد بن خليفة الوشتاني أبي المالكي، متوفى ٨٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولى ١٤١٩هـ.

١٤٠_ إكمال المعلم بفوائد مسلم: قاضي عياض بن موسى مالكي الأندلسي، متوفى ٥٤٤هـ، دار الوفا، المنصورة، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ.

١٤١_ الأجوبة المرضية من الأحاديث النبوية: حافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي متوفى ٩٠٢هـ، دار الراية، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ.

١٤٢_ بحر الفوائد المشهور بمعاني الأخبار: للإمام الحافظ أبي بكر محمد بن إبراهيم بن يعقوب الكلاباذي البخاري متوفى ٣٨٠هـ، دار السلام القاهرة، الطبعة الأولى ١٤٢٩هـ.

١٤٣_ البيان والتعريف في أسباب ورود الحديث الشريف: إبراهيم بن محمد بن كمال الدين الحنفي الشهير بابن حمزة الحسيني، متوفى ١١٢٠هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

١٤٤_ تحفة الأحوذي بشرح الجامع الترمذي: شيخ عبد الرحمن مبار كبوري متوفى ١٣٢٥هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ.

١٤٥_ التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: علامة محمد إدريس الكاندهلوي، متوفى ١٣٩٤هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ.

١٤٦_ تيسير الباري شرح صحيح البخاري: علامة وحيد الزمان، تاج كمپني پاكستان.

١٤٧_ حاشية السندهي على النسائي: أبو الحسن محمد بن عبد الهادي السندي، التتوي، متوفى ١١٣٨هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ.

١٤٨ـ **زهر الربى على المجتبى (شرح سنن النسائي)**: جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي متوفیٰ ٩١١، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ

١٤٩ـ **ظلال الجنة في تخريج السنة**: محمد ناصر الدين الألباني، متوفیٰ ـــ، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة ١٤١٣هـ.

١٥٠ـ **عارضة الأحوذي بشرح صحيح الترمذي**: علامة أبو بكر محمد بن عبد الله إبن العربي متوفیٰ ٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨هـ.

١٥١ـ **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**: حافظ بدر الدين محمود بن أحمد العيني الحنفي، متوفیٰ ٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، الطبعة الأولیٰ ١٣٤٨هـ.

١٥٢ـ **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**: حافظ بدر الدين محمود بن أحمد العيني الحنفي، متوفیٰ ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢١هـ.

١٥٣ـ **عون المعبود شرح سنن أبي داود**: شمس الحق عظيم آبادي متوفیٰ ١٣٢٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ.

١٥٤ـ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**: حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفیٰ ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٦هـ.

١٥٥ـ **فيض الباري شرح صحيح البخاري**: شيخ محمد أنور الكشميري الحنفي، دار الضياء حولي الكويت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٦هـ.

١٥٦ـ **قوت المغتذي علیٰ جامع الترمذي** امام جلال الدين عبدالرحمن أبي بكر السيوطي، متوفی ٩١١هـ، دار النوادر، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٣هـ.

١٥٧ـ **القول المسدد في الذبِّ عن المسند للإمام أحمد**: حافظ أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفیٰ ٨٥٢هـ، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٤هـ.

١٥٨۔ **الكاشف عن حقائق السنن (شرح الطيبي على المشكوة):** شرف الدين حسين بن محمد الطيبي متوفىٰ ٧٤٣ھ، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ھ.

١٥٩۔ **كفاية الحاجة في شرح سنن ابن ماجة:** أبو الحسن محمد بن عبد الهادي السندي التتوي، متوفىٰ ١١٣٨ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ.

١٦٠۔ **لامع الدراري على جامع البخاري:** مولانا محمد زكريا سهارنپوري متوفىٰ ١٤٠٢ھ مكتبة ايج ايم سعيد كمپنى، كراچى، ١٣٧٩ھ.

١٦١۔ **المحلّىٰ فى الأحاديث والآثار:** أبو محمد علي بن أحمد بن حزم، متوفىٰ ٤٥٦ھ، دار اتحاد العربي، بيروت، ١٣٨٧ھ.

١٦٢۔ **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح:** علي بن سلطان محمد المعروف بملا علي القاري متوفىٰ ١٠١٤ھ، المكتبة التجاريه، مكة المكرمة.

١٦٣۔ **معالم السنن شرح سنن أبي داود:** أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي متوفىٰ ٣٨٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١١ھ.

١٦٤۔ **المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم:** إمام أبو العباس أحمد بن عمر القرطبي المالكي متوفىٰ ٦٥٦ھ، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ھ.

١٦٥۔ **مكمل إكمال الأكمال:** علامة محمد بن محمد السنوسي المالكي متوفىٰ ٨٩٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ.

١٦٦۔ **المنهاج بشرح مسلم لابن الحاج:** علامة يحيىٰ بن شرف النووي متوفىٰ ٦٧٦ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٤ھ.

١٦٧۔ **نعمة الباري في شرح صحيح البخاري:** علامة غلام رسول سعيدي (معاصر)، فريد بك سٹال لاهور، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٨ھ.

١٦٨۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**: محمد بن علي بن محمد القاضي الشوكاني متوفّی ۱۲۵۵ھ، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ.

سیرت و فضائل

١٦٩۔ **الإشارة إلى سيرة المصطفى**: حافظ علاء الدين أبو عبدالله بن قليج المغلطائي، متوفّی ۷٦٢ھ، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولیٰ ١٤١٦ھ.

١٧٠۔ **الأمن والعلیٰ**: امام أحمد رضا حنفي، متوفّی ۱۳٤۰ھ، أكبر بك سيلرز، لاهور.

١٧١۔ **أنسان العيون في سيرة الأمين المأمون (السيرة الحلبية)**: علي بن برهان الدين الحلبي متوفّی ١٠٤٤ھ، دار المعرفة، بيروت.

١٧٢۔ **الأنوار في آيات النبي المختار ﷺ**: إمام عبدالرحمان الثعالبي متوفّی ۸۷۵ھ، دار إبن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ.

١٧٣۔ **الأنوار في شمائل النبي المختار**: الإمام محی السنة الحسين بن مسعود بن محمد الفراء البغوي متوفّی ٥١٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٦ھ.

١٧٤۔ **الأنوار المحمدية من المواهب اللدنية**: الشيخ يوسف بن إسماعيل النبهاني، متوفّی ١٣٥٠ھ، الطبعة الأدبية، بيروت ١٣٢١ھ.

١٧٥۔ **إشراق مصابيح السيرة المحمدية بمزج أسرار المواهب اللدنية (شرح الزرقاني على المواهب)**: محمد عبدالباقي الزرقاني متوفّی ١١٢٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧ھ.

١٧٦۔ **أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل**: علامة شهاب الدين أحمد بن حجر الهيثمي المكي، متوفّی ٩٧٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ.

١٧٧۔ **أعلام النبوة**: علامة أبو الحسن علي بن محمد الماوردي متوفّی ٤٥٠ھ، مطبوعة دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ.

١٧٨ـ **بهجة المحافل وبغية الأماثل**: أبو زكريا عماد الدين يحي بن أبي بكر العامري اليمني متوفّىٰ ٨٩٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ.

١٧٩ـ **تارخ الخميس في أحوال أنفَس نفيس ﷺ**: الإمام الشيخ حسين بن محمد بن الحسن الدياربكري دار صادر، بيروت.

١٨٠ـ **جامع الآثار في السير و مولد المختار**: امام ابن ناصر الدين الدمشقي متوفّىٰ ٨٤٢هـ، دار الفلاح، مصر، الطبعة الأولىٰ ١٤٣١هـ.

١٨١ـ **جلاء الأفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام**: محمد بن أبي بكر إبن قيم الجوزية متوفّىٰ ٧٥١هـ، دار الكتاب العربي، بيروت ١٤١٧هـ

١٨٢ـ **جلاء الأفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام**: محمد بن أبي بكر إبن قيم الجوزية متوفّىٰ ٧٥١هـ، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ

١٨٣ـ **جواهر البحار في فضائل النبي المختار**: إمام يوسف بن إسماعيل النبهاني متوفّىٰ ١٣٥٠هـ، مصطفى البابي الحلبي، مصر ١٣٧٩هـ،

١٨٤ـ **جواهر البحار في فضائل النبي المختار**: إمام يوسف بن إسماعيل النبهاني متوفّىٰ ١٣٥٠هـ، و دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧هـ.

١٨٥ـ **حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين**: الشيخ يوسف بن إسماعيل النبهاني متوفّىٰ ١٣٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولى ١٤١٧هـ.

١٨٦ـ **دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة**: إمام أبو بكر أحمد بن حسين البيهقي متوفّىٰ ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٥هـ.

١٨٧ـ **دلائل النبوة**: أبو نُعَيْم أحمد بن عبد الله الاصفهاني متوفّىٰ ٤٣٠هـ، دار النفائس، بيروت الطبعة الثالثة ١٤٠٦هـ.

١٨٨ـ **دلائل النبوة**: أبو القاسم إسماعيل بن محمد التيمي الأصبهاني متوفّىٰ ٥٣٥هـ، دار

العاصمة، الرياض، النشرة الأولى ١٤١٢هـ.

١٨٩۔ **الروض الأنف:** أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله السهيلي، متوفیٰ ٥٧١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ.

١٩٠۔ **الرياض الأنيقة في شرح أسماء خير الخليقة ﷺ :** الإمام الحافظ جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفیٰ ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٥هـ.

١٩١۔ **زاد المعاد في هدي خير العباد :** شمس الدين محمد بن أبي بكر إبن قيم الجوزية متوفیٰ ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٩هـ .

١٩٢۔ **الزهر الباسم في سير أبى القاسم:** الإمام الحافظ النسابة مغلطاي بن قليج البكجري متوفیٰ ٧٦٢هـ، دار السلام القاهرة، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٣هـ.

١٩٢۔ **سبل الهدیٰ والرشاد في سيرة خير العباد:** إمام محمد بن يوسف الصالحي الشامي متوفیٰ ٩٤٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤هـ.

١٩٣۔ **سعادة الدارين في الصلاة على سيد الكونين ﷺ:** قاضي يوسف بن إسماعيل النبهاني متوفیٰ ١٣٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ.

١٩٤۔ **سير أعلام النبلاء (سيرة):** شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي، متوفیٰ ٧٤٨هـ دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧هـ .

١٩٥۔ **السيرة النبوية:** محمد بن إسحاق بن يسار المطلبي المدني متوفیٰ ١٥١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤هـ.

١٩٦۔ **السيرة النبوية وأخبار الخلفاء:** حافظ أبو حاتم محمد بن حبان البستي، متوفیٰ ٣٥٤هـ، مؤسسة الكتب الثقافية، الصنائع، الطبعة الثانية ١٤١١هـ.

١٩٧۔ **السيرة النبوية:** سيد أحمد بن زيني دحلان المكي ١٣٠٤هـ، دار إحياء التراث العربي،

بیروت، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ.

١٩٨ـ **السيرة النبوية:** أبو الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي متوفیٰ ٧٧٤هـ دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ.

١٩٩ـ **شرح الشفاء:** علي بن سلطان محمد القاري متوفیٰ ١٠١٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠٠ـ **شرف المصطفى ﷺ:** إمام أبو سعد عبد الملك بن أبي عثمان الخركوشي النيسابوري متوفیٰ ٤٠٦هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

٢٠١ـ **الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ:** قاضي عياض بن موسىٰ اليحصبي المالكي متوفیٰ ٥٤٤هـ، دار الكتاب العربي، بيروت،

٢٠٢ـ **الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ:** قاضي عياض بن موسىٰ اليحصبي المالكي متوفیٰ ٥٤٤هـ، مؤسسة الكتب الثقافية. الطبعة الثانية ١٤٢١هـ.

٢٠٣ـ **الطبقات الكبرىٰ:** إمام محمد بن سعد بن منيع الظهري، متوفیٰ ٢٣٠هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧هـ.

٢٠٤ـ **العجالة السنية علىٰ ألفية سيرة النبوية:** زين الدين محمد عبد الرؤف المناوي، متوفیٰ ١٠٣١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٤هـ.

٢٠٥ـ **علموا أولادكم محبة آل بيت النبي:** محمد عبده يماني، مؤسسة علوم القرآن بيروت، الطبعة الرابعة ١٤٢٤هـ.

٢٠٦ـ **عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير:** أبو الفتح محمد بن محمد بن سيد الناس متوفیٰ ٧٣٤هـ، مكتبة دار التراث، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.

٢٠٧ـ **غاية السول في خصائص الرسول ﷺ:** إمام أبي حفص عمر بن علي الأنصاري إبن الملقن متوفیٰ ٨٠٤هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٤هـ.

۲۰۸۔ **فضائل درود شریف**: مولانا زکریا سهارنپوري متوفّیٰ ۱٤۰۲ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت.

۲۰۹۔ **القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع ﷺ**: إمام محمد بن عبد الرحمٰن السخاوي متوفّیٰ ۹۰۲ھ، ومؤسسة الريان، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۲ھ.

۲۱۰۔ **كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب ﷺ (الخصائص الكبرىٰ)**: جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفّیٰ ۹۱۱ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۰۵ھ.

۲۱۱۔ **كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب ﷺ (الخصائص الكبرىٰ)**: جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفّیٰ ۹۱۱ھ، دار التوفيقية، القاهرة.

۲۱۲۔ **اللفظ المكرم بخصائص النبي المعظم ﷺ**: حافظ قطب الدين محمد بن محمد الخيضري الشافعي متوفّیٰ ۸۹٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۷ھ.

۲۱۳۔ **محمد ﷺ الإنسان الكامل**: السيد محمد ابن السيد علوي المالكي المكي الحسيني، متوفّیٰ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۹ھ.

۲۱٤۔ **معجزات الرسول**: مصطفىٰ مراد، دار الفجر للتراث القاهرة، الطبعة الثانية ۱٤۳۱ھ.

۲۱۵۔ **المغانم المطابة في فضائل الطابة**: مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، متوفّیٰ ۸۱۷ھ، مركز بحوث ودراسات المدينة المنورة، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۳ھ.

۲۱٦۔ **المنح المكية في شرح الهمزية**: إمام شهاب الدين أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي الشافعي متوفّیٰ ۹۷٤ھ، دار المنهاج بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۲٦ھ.

۲۱۷۔ **المواهب اللدنية بالمنح المحمدية**: إمام أحمد بن محمد القسطلاني متوفّیٰ ۹۲۳ھ، مكتب الإسلامي بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۲ھ.

۲۱۸۔ **موسوعة سيرة سيد الأنام عليه الصلاة والسلام**: دكتور السيد جعفر مصطفىٰ سبيه

(المعاصر) المكتبة المكية، مكة المكرمة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢هـ.

٢١٩ـ **نسيم الرياض في شرح الشفاء القاضي عياض**: شهاب الدين أحمد الخفاجي المصري متوفیٰ ١٠٦٩هـ، المطبعة الأزهرية المصرية، الطبعة الأولى ١٣٢٧هـ

٢٢٠ـ **نشر الطيب في ذكر النبي الحبيب ﷺ**: مولانا أشرف علي تهانوي متوفیٰ ١٣٦٢هـ، تاج كمپنی، کراچی.

٢٢١ـ **نظم الدرر السنية في السيرة الزكية**: إمام زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي، متوفّی ٨٠٦هـ، دار المنهاج، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٦هـ.

٢٢٢ـ **الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ**: أبو الفرج عبد الرحمن علي بن الجوزي متوفیٰ ٥٩٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ.

أُصُولِ حَدِيْث

٢٢٣ـ **الإسناد من الدين**: شيخ عبد الفتاح أبو غدة، مكتبة المطبوعات الإسلامية بحلب، الطبعة الأولیٰ ١٤١٢هـ.

٢٢٤ـ **بهجة المنتفع**: لأبي عمر عثمان بن سعيد الداني المقري متوفیٰ ٤٤٤هـ، دار عبد الأول محمد الأنصاري المدينة المنورة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨هـ.

٢٢٥ـ **تقريب النواوي مع تدريب الراوي**: إمام ابو زكريا محي الدين يحي بن شرف النووي، متوفیٰ ٦٧٦هـ، مكتبة الكوثر، الرياض، الطبعة الثانية الأولیٰ ١٤١٥هـ.

٢٢٦ـ **التبصرة و التذكرة**: الحافظ الشيخ زكريا بن محمد الأنصاري السنكي، متوفیٰ ٩٢٥هـ، دار الكتب العلمية بيروت.

٢٢٧ـ **ترتيب الموضوعات**: شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي متوفیٰ ٧٤٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥هـ.

٢٢٨ـ **التقييد و الإيضاح لما أطلق وأغلق من مقدمة ابن الصلاح**: زين الدين عبد الرحيم

بن الحسين العراقي، متوفیٰ ۸۰٦ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، الطبعة الرابعة ١٤١٦ھ.

٢٢٩۔ **تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة**: أبو الحسن علي بن محمد بن عراق الكناني متوفیٰ ٩٦٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠١ھ.

٢٣٠۔ **جامع شروح مقدمة ابن الصلاح**: أبو حفص سراج الدين عمر بن رسلان البلقيني، متوفیٰ ٨٠٥ھ، دار الغد الجديد، القاهرة، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٢ھ.

٢٣١۔ **الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع**: أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي متوفیٰ ٤٦٣ھ، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٣ھ.

٢٣٢۔ **الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل**: محمد عبد الحي اللكنوي الهندي متوفیٰ ١٣٠٦ھ، مكتبة المطبوعات الإسلامية، بحلب، الطبعة الثالثة ١٤٠٨ھ.

٢٣٣۔ **شرحُ شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر**: الإمام المحدث علي بن سلطان محمد الهروي القاري متوفیٰ ١٠١٤ھ، شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، بيروت.

٢٣٤۔ **الشذا الفياح من علوم إبن الصلاح**: الشيخ برهان الدين الأبناسي، متوفیٰ ٨٠٢ھ، مكتبة الرشد، الرياض الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٢٣٥۔ **علل الحديث ومعرفة الرجال والتاريخ**: امام أبو الحسن علي ابن المديني متوفیٰ ٢٣٤ھ، دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الثانية ١٤٣٠ھ.

٢٣٦۔ **فتح المغيث شرح ألفية الحديث**: المحدث الحافظ أبي الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقي متوفیٰ ٨٠٦ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة ١٤٢١ھ.

٢٣٧۔ **فتح المغيث شرح الفية الحديث**: شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي متوفیٰ ٩٠٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ.

٢٣٨۔ **لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث**: عبد الفتاح أبو غدة، متوفیٰ ١٤١٧ھ،

مطبوعة دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٤ھ .

٢٣٩۔ **معرفة علوم الحديث**: إمام ابوعبدالله الحاكم النيسابوري، متوفّىٰ ٤٠٥ھ، المكتبة العلمية، المدينة المنورة، الطبعة الثانية ١٣٩٧ھ.

٢٤٠۔ **مفتاح الجنة فى الإحتجاج بالسنة**: إمام جلال الدين أبي بكر بن عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي، متوفّىٰ ٩١١ھ، مكتبه الصحابة جدة، الطبعة الثانية ١٤١٣ھ.

٢٤١۔ **مقدمة إبن الصلاح مع التقيد والإيضاح**: عثمان بن عبدالرحمان المشهور بابن الصلاح، متوفّىٰ ٦٤٣ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، الطبعة الرابعة ١٤١٦ھ.

٢٤٢۔ **نتيجة النظر في نخبة الفكر**: الحافظ كمال الدين محمد بن محمد بن حسن الشمني القسنطيني متوفّىٰ ٨٢١ھ، دار المنهاج، الرياض، الطبعة الأولىٰ ١٤٣١ھ.

٢٤٣۔ **النكت**: حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفّىٰ ٨٥٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٤ھ.

اسماء الرّجال

٢٤٤۔ **الاستيعاب في معرفة الأصحاب**: إمام أبو عمرو يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبدالبر القرطبي متوفّىٰ ٤٦٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥ھ.

٢٤٥۔ **الإصابة في تمييز الصحابة**: حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفّىٰ ٨٥٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ھ .

٢٤٦۔ **أسد الغابة في معرفة الصحابة**: أبو الحسن علي بن محمد المعروف بابن الأثير الجزري متوفّىٰ ٦٣٠ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ھ.

٢٤٧۔ **الكامل في ضعفاء الرجال**: إمام الحافظ أبي أحمد عبدالله بن عدي الجرجاني، المتوفّىٰ ٣٦٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨ھ.

۲٤۸۔ **تقریب التهذیب:** حافظ شهاب الدین أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفیٰ ۸٥۲ھ، دار الفکر بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱٥ھ .

۲٤۹۔ **تهذیب التهذیب:** حافظ شهاب الدین أحمد بن علي بن حجر العسقلاني متوفیٰ ۸٥۲ھ، دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱٥ھ.

۲٥۰۔ **تهذیب الکمال في أسماء الرجال:** حافظ جمال الدین یوسف المزي متوفیٰ ۷٤۲ھ، دار الفکر، بیروت ۱٤۱٤ھ.

۲٥۱۔ **کتاب المعجم:** الإمام أبي سعید أحمد بن محمد بن زیاد ابن العربي، دار ابن الجوزي الدمام، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۸ھ.

۲٥۲۔ **معجم الصحابة:** القاضي أبي الحسنین بن قانع البغدادي متوفیٰ ۳٥۱ھ، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲٦ھ.

۲٥۳۔ **میزان الإعتدال في نقد الرجال:** علامة شمس الدین محمد بن أحمد الذهبي متوفیٰ ۷٤۸ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱٥ھ.

کُتُب عقائد و کلام

۲٥٤۔ **إتحاف الزائر و أطراف المقیم السائر:** إمام أبو الیمن عبد الصمد بن عبد الوهاب بن عساکر، متوفیٰ ٦۸٦ھ، دار أرقم بن أبی الأرقم، بیروت.

۲٥٥۔ **إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب و الفضائل:** للعلامة محمد عبد الرؤف بن علي بن زین العابدین المناوي، متوفیٰ ۱۰۳۱ھ، مکتبة القرآن القاهرة.

۲٥٦۔ **الإشاعة لأشراط الساعة:** السید محمد البرزنجي الحسیني، دار الکتاب العربي، بیروت، الطبعة ۱٤۲٥ھ.

۲٥۷۔ **الاعتقاد و الهدایة إلی سبیل الرشاد:** إمام أبو بکر أحمد بن الحسین البیهقي، متوفیٰ ٤٥۸ھ، بتحقیق عبد الله محمد الدرویش، الیمامة دمشق، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۰ھ،

٢٥٨۔ **الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد:** إمام أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي، متوفى ٤٥٨ھ ،دار الفضيلة، الرياض، بتحقيق أبوعبدالله أحمد بن إبراهيم أبوالعينين، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ھ.

٢٥٩۔ **السيف المسلول على من سب الرسول ﷺ:** الشيخ تقي الدين علي بن الكافي السّبكي متوفىٰ ٧٥٦ھ ،دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ، دار الفتح عمان، الأردن، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١ھ.

٢٦٠۔ **شرح أصول إعتقاد أهل السنة والجماعة:** أبوالقاسم هبة الله بن الحسن الطبري الشافعي المعروف باللالكائي متوفىٰ ٤١٨ھ دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٣ھ.

٢٦١۔ **شفاء السقام في زيارة خير الأنام:** تقى الدين علي بن عبد الكافي السبكي، متوفىٰ ٧٥٦ھ، مطبوعة نوريه رضويه پبلى كيشنز، لاهور، الطبعة الأولى ١٤٢٥ھ.

٢٦٢۔ **شفاء السقام في زيارة خير الأنام:** امام تقي الدين علي بن عبدالكافي بن علي السبكي الشافعي متوفى ٧٥٦ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٩ھ.

٢٦٣۔ **الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع والزندقة:** أحمد بن حجر الهيثمي المكي الشافعي متوفىٰ ٩٧٥ھ، مطبوعة مكتبة القاهرة، مصر، الطبعة الثانية ١٣٨٥ھ.

كُتُبِ فقه حنفي

٢٦٤۔ **البحر الرائق شرح كنز الدقائق:** شيخ زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري، متوفىٰ ٩٧٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨ھ.

٢٦٥۔ **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع:** أبوبكر بن مسعود الكاساني متوفىٰ ٥٨٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ.

٢٦٦۔ **تنوير الأبصار متن درمختار:** محمد بن عبدالله بن أحمد الخطيب التمرتاشي الحنفي،

متوفیٰ ۱۰۰٤ھ،دار إحیاء التراث العربي،بیروت،الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ

۲٦۷۔ **درمختار شرح تنویر الأبصار**: محمد بن علي الملقب علاء الدین الدمشکي المروف بالحصکفي،متوفیٰ ۱۰۸۸ھ،دار إحیاء التراث العربي، بیروت ۱٤۱۹ھ.

۲٦۸۔ **ردالمحتار علی الدر المختار**: علامة سید محمد أمین ابن عابدین الشامي متوفیٰ ۱۲۵۲ھ،دار إحیاء التراث العربي،بیروت ۱٤۱۹ھ.

۲٦۹۔ **شرح الفقه الأکبر**: علامة علي بن سلطان محمد القاري، متوفیٰ ۱٤۱۰ھ، دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ۱٤۰٤ھ.

۲۷۰۔ **فتاویٰ رضویة**: إمام أحمد رضا خان قادري متوفیٰ ۱۳٤۰ھ،مطبوعة مکتبه رضویة آرام باغ کراچی،رضافاؤنڈیشن جامعیة نظامیة رضویة،لاهور.

۲۷۱۔ **فتح القدیر في شرح الهدایة**: إمام کمال الدین بن الهمام،متوفیٰ ۸٦۱ھ،دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۵ھ.

۲۷۲۔ **المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط علیٰ لباب المناسک** : امام أبو الحسن نور الدین محمد بن عبدالهادي السندي،متوفیٰ ۱۱۳۸ھ.

فقه شافعي

۲۷۳۔ **الحاوي للفتاوي**: الإمام الحافظ جلال الدین السیوطي متوفیٰ ۹۱۱ھ،دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ۱٤۰۲ھ

۲۷٤۔ **الحاوي للفتاوي**: الإمام الحافظ جلال الدین السیوطي متوفیٰ ۹۱۱ھ، دار الکتاب العربي،بیروت الطبعة ۱٤۲۵ھ.

فقه حنبلي

۲۷۵۔ **أحکام النساء**: أبوالفرج عبد الرحمن علي بن الجوزي الحنبلي، متوفیٰ ۵۹۷ھ، دار الفکر بیروت، الطبعة الثالثة ۱٤۱٦ھ.

٢٧٦۔ تحفة المودود بأحكام المولود محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیة متوفّیٰ ٧٥١ھ، المکتب الإسلامی، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٢٧٧۔ کتاب الجدل علیٰ طریقة الفقهاء: أبو الوفا علي بن عقیل بن محمد بن عقیل البغدادي الحنبلي متوفّیٰ ٥١٣ھ، مکتبة الثقافة الدینیة، القاهرة.

٢٧٨۔ مجموعة الفتاوی: أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم إ بن تیمیة الحنبلي، متوفّیٰ ٧٢٨ھ، دار ابن حزم، بیروت، الطبعة الثانیة ١٤٢٢ھ.

فضائل اعمال

٢٧٩۔ الآداب الشرعیة والمنح المرعیة: شمس الدین أبو عبد الله محمد بن مفلح المقدسي الحنبلي، متوفّیٰ ٧٦٣ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٢٨٠۔ تبلیغی نصاب: مولانا محمد زکریا سهارنپوری متوفّیٰ ١٤٠٢ھ، اداره اشاعتِ دینیات انار کلی، لاهور.

٢٨١۔ تحفة الذاکرین شرح حصن حصین: قاضي محمد بن علي الشوکاني، متوفّیٰ ١٢٥٠ھ، دار الجیل، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.

٢٨٢۔ جامع بیان العلم وفضله: إمام أبو عمرو یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر القرطبي، متوفّیٰ ٤٦٣ھ، دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الرابعة ١٤١٩ھ.

٢٨٣۔ فضائل أعمال: مولانا محمد زکریا سهارنپوری متوفّیٰ ١٤٠٢ھ، کتب خانه فیضي لاهور پاکستان.

٢٨٤۔ فضائل صدقات: مولانا محمد زکریا سهارنپوری متوفّیٰ ١٤٠٢ھ، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی.

٢٨٥۔ کتاب التهجد وقیام اللیل: إمام أبو بکر بن أبی الدنیا متوفّیٰ ٢٨١ھ، مکتبة الرشد، الریاض، الطبعة الثانیة ١٤٢١ھ.

۲۸٦۔ **العلم الهيب من الكلم الطيب:** محمودبن أحمدبدرالدين العيني متوفیٰ۸۵۵ھ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى١٤١٩ھ.

۲۸۷۔ **مختصر كتاب قيام الليل:** أبوعبدالله محمدبن نصرالمروزي، متوفیٰ۲۹٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعةالأولیٰ١٤٢٥ھ.

۲۸۸۔ **مكارم الأخلاق ومعاليها:** أبي بكرمحمدبن جعفرمتوفیٰ۳۲۷ھ، مطبعةالمدني القاهرة، الطبعةالأولیٰ١٤١١ھ.

۲۸۹۔ **نتائج الأفكارفي تخريج أحاديث الأذكار:** حافظ أحمدبن علي بن حجر العسقلاني، متوفیٰ۸۵۲ھ، دارابن كثير، دمشق، الطبعةالأولیٰ١٤٢١ھ.

۲۹۰۔ **نورالـلمعةفي خصائص الجمعة:** امام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي متوفیٰ۹۱۱ھ، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعةالثانية١٤٠٧ھ.

۲۹۱۔ **الوابل الصيب من الكلم الطيب:** محمدبن ابی بكرابن قيم الجوزيةمتوفیٰ۷۵۱ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى١٤١٨ھ.

كُتُبِ أَخْلَاق و تَصَوُّف

۲۹۲۔ **إتحاف السادةالمتقين بشرح احياء علوم الدين:** سيدمحمدبن محمدالحسيني الزبيدي، متوفیٰ ۱۲۰۵ھ، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ.

۲۹۳۔ **إحياء علوم الدين:** إمام محمدبن محمدالغزالي متوفیٰ۵۰۵ھ، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ.

۲۹٤۔ **الحديقةالنديةشرح الطريقةالمحمدية:** عارف بالله سيدي عبد الغني النابلسي، متوفیٰ۱۱٤۳ھ، دارالطباع العامرة، استنبول ١٤٠٠ھ.

۲۹۵۔ **عوارف المعارف ملحق بإحياء علوم الدين:** شيخ شهاب الدين أبو حفص عمر السهروردي، متوفیٰ...... دارالفكر بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٦ھ.

٢٩٦۔ **الفتوحات المكية:** أبو عبداللہ محمد المعروف بابن عربي متوفّیٰ ٦٣٨ھ، دار الفکر، بيروت، ١٤١٤ھ.

٢٩٧۔ **الكواكب الدرية في تراجم السادة الصوفية:** زين الدين محمد عبدالرؤوف المناوي متوفّیٰ ١٠٢١ھ، دار صادر، بيروت، الطبعة الأولى ١٩٩٩ء.

فَضَائِلُ وَمَنَاقِب

٢٩٨۔ **إحياء الميت بفضائل أهل البيت:** امام جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفّیٰ ٩١١ھ، دار المدينة المنورة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

٢٩٩۔ **الأنوار الباهرة بفضائل أهل البيت النبوي والذرية الطاهرة:** أبو الفتوح عبدالله بن عبدالقادر التليدي (معاصر) مكتبة الإمام الشافعي، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

٣٠٠۔ **أسمى المطالب في سيرة أمير المومنين علي بن أبي طالب عليه السلام:** دكتور علي محمد محمد الصلّابي دار إبن كثير، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٥ھ.

٣٠١۔ **الإشراف على مناقب الأشراف:** حافظ أبو بكر عبدالله بن محمد بن أبي الدنيا متوفّیٰ ٢٨١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٢ھ.

٣٠٢۔ **تذكرة الخواص:** علامہ يوسف بن قزاؤ علي بن عبدالله، المعروف بسبط إبن الجوزي، متوفّیٰ ٦٥٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ.

٣٠٣۔ **الثغور الباسمة في مناقب فاطمة:** امام جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفّیٰ ٩١١ھ، دار الصحابة، طنطاء، الطبعة الأولیٰ ١٤١١ھ.

٣٠٤۔ **جواهر العقدين في فضل الشرفين:** نور الدين علي بن عبدالله السمهودي متوفّیٰ ٩١١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥ھ.

٣٠٥۔ **حدائق بخشش:** إمام أحمد رضا حنفيؒ متوفّیٰ ١٣٤٠ھ، پروگریسو بکس، لاہور.

٣٠٦۔ **خامس الخلفاء الراشدين أمير المؤمنين الحسن بن على بن أبي طالب رضي الله عنهما:**

الدكتور علي محمد الصلابي دار إبن كثير دمشق، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٥هـ.

٣٠٧- **در السحابة في مناقب القرابة و الصحابة**: قاضي محمد بن علي الشوكاني، متوفىٰ ١٢٥٠، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٤هـ.

٣٠٨- **ذخائر العقبىٰ في مناقب ذوى القربىٰ**: محب الدين أحمد بن عبد الله الطبري، متوفىٰ ٦٩٤هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٧هـ.

٣٠٩- **الذرية الطاهرة النبوية**: حافظ أبو بشر محمد بن أحمد الدولابي متوفىٰ ٣١٠هـ، الدار السلفية الكويت، الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ.

٣١٠- **رشفة الصادى من بحر فضائل بنى النبي الهادى ﷺ**: سيد أبو بكر شهاب الدين العلوي الحضرمي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ.

٣١١- **روض الرياحين**: أبو السعادات عبد الله بن أسعد اليافعي المكي متوفىٰ ٧٦٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ.

٣١٢- **الرياض النضرة في مناقب العشرة**: حافظ محب الدين الطبري متوفىٰ ٦٩٤هـ، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٩٩٦ء.

٣١٣- **الرياض النضرة في مناقب العشرة**: حافظ محب الدين الطبري متوفىٰ ٦٩٤هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ.

٣١٤- **السمط الثمين في مناقب أمهات المؤمنين**: الإمام محب الدين أحمد بن عبد الله الطبري، متوفىٰ ٦٩٤هـ المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

٣١٥- **صفة الصفوة**: أبو الفرج عبد الرحمان ابن الجوزي متوفىٰ ٥٩٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٩هـ.

٣١٦- **العلم الظاهر في نفع النسب الطاهر**: علامة سيد محمد أمين إبن عابدين الشامي متوفىٰ ١٢٥٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٣١٧ـ **فضائل الصحابة:** إمام أبوعبدالله أحمدبن محمدبن حنبل، متوفّٰى ٢٤١هـ، دارابن الجوزي، الدمام، الطبعة الثالثة ١٤٢٦هـ.

٣١٨ـ **فضائل فاطمة الزهراء:** الإمام الحافظ أبي عبدالله الحاكم النيسابوري متوفّٰى ٤٠٥هـ، دار الفرقان القاهرة، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٩هـ.

٣١٩ـ **الفتح المبين في فضائل الخلفاء الراشدين وأهل البيت الطاهرين:** سيد أحمد بن زيني دحلان المكي متوفّٰى ١٣٠٤هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ.

٣٢٠ـ **كتاب الأربعين في فضائل آل بيت الطاهرين:** عبدالله بن صالح بن محمد العبيد، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٣١هـ.

٣٢١ـ **كتاب تحقيق منيف الرتبة لمن ثبت له شرف الصحبة:** علامة خليل بن كيكلدي العلائي، متوفّٰى ٧٦١هـ، دار العاصمة، الرياض، النشرة الأولىٰ ١٤١٠هـ.

٣٢٢ـ **اللطائف الأحمدية فى المناقب الفاطمية:** علامه سيد احمد حسن سنبهلى چشتى، مولانا اشرف على تهانوى، دار النفائس كريم پارك راوى روڈ لاهور.

٣٢٣ـ **معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار:** شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفّٰى ٧٤٨هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٨هـ.

٣٢٤ـ **معرفة ما يجب لآل البيت النبوي علىٰ من عاداهم:** امام تقي الدين المقريزي، متوفّٰى ٨٤٥هـ، دار الاعتصام، القاهرة، الطبعة الأولىٰ ١٣٩٢هـ.

٣٢٥ـ **مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب:** أبو الحسن علي بن محمد الواسطي المعروف بابن المغازلي متوفّٰى ٤٨٣هـ، دار الآثار، صنعاء، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٤هـ.

٣٢٦ـ **مناقب علي والحسنين وأمهما فاطمة الزهراء ﷺ:** الدكتور عبدالمعطي أمين قلعجي، دار الوعى، حلب، الطبعة الأولىٰ ١٣٩٩هـ.

٣٢٧ـ **مناقب علي والحسنين وأمهما فاطمة الزهراء ﷺ:** الشيخ محمد فواد عبدالباقي،

دار الحديث، القاهرة، سنة الطبعة ١٤٢٣هـ.

٣٢٨- **موسوعة آل بيت النبي الأطهار:** صلاح الدين محمود السعيد، دار الغد الجديد القاهرة، الطبعة الأولىٰ ١٤٣٢هـ.

٣٢٩- **موسوعة العشرة المبشرون بالجنة:** الشيخ أحمد عزو عناية، علي محمد مصطفىٰ، دار نظير عبود، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٩هـ.

٣٣٠- **نزل الأبرار بما صحّ مِنْ مَناقِبِ أهْلِ البيت الأطهار:** الحافظ محمد بن معتمد خان البدخشاني الحارثي، متوفّىٰ ١١٢٦هـ، شركة الكتبي بيروت.

٣٣١- **نساء أهل البيت في ضوء القرآن والحديث:** أحمد خليل جمعة، معاصر، دار اليمامة دمشق، الطبعة الخامسة ١٤٢٣هـ.

٣٣٢- **نساء مبشرات بالجنة:** أحمد خليل جمعة، معاصر، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الخامسة ١٤٢٤هـ.

لُغة

٣٣٣- **تاج العروس من جواهر القاموس:** سيد محمد مرتضىٰ الحسيني الزبيدي متوفّىٰ ١٢٠٥هـ، دار الفكر، بيروت ١٤١٤هـ.

٣٣٤- **تاج اللغة وصحاح العربية (الصحاح):** أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري متوفّىٰ ٤٤٠هـ، دار الفكر بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ.

٣٣٥- **تهذيب الأسماء واللغات:** علامة يحيىٰ بن شرف النووي متوفّىٰ ٦٧٦هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ.

٣٣٦- **الغريبين في القرآن والحديث:** أبو عبيد أحمد بن محمد الهروي متوفّىٰ ٤٠١هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ.

٣٣٧- **الفائق في غريب الحديث:** محمود بن عمر الزمخشري متوفّىٰ ٥٨٣هـ، دار الكتب

العلمية، بيروت، الطبعة الاولیٰ ١٤١٧ھ.

٣٣٨۔ **القاموس المحيط:** إمام مجدالدين محمدبن يعقوب الفيروز آبادي متوفّیٰ ٨١٧ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٣ھ.

٣٣٩۔ **كتاب التعريفات:** علامة مير سيد شريف علي بن محمد الجرجاني متوفّیٰ ٨٢٦ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ.

٣٤٠۔ **كتاب الدلائل في غريب الحديث:** أبي محمدالقاسم بن ثابت السرقسطي متوفّیٰ ٣٠٢ھ، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الثانية ١٤٣٢ھ.

٣٤١۔ **كتاب العين:** لأبي عبدالرحمن الخليل بن أحمدالفراهيدي متوفّی ١٧٥ھ، دار إحياء التراث العربي بيروت.

٣٤٢۔ **لسان العرب:** إمام محمدبن مكرم المعروف بإبن منظورالأفريقي متوفّی ٧١١ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٦ھ.

٣٤٣۔ **مجمع بحار الأنوار:** علامة محمدطاهر فتني متوفّیٰ ٩٨٦ھ، مكتبة دار الإيمان المدنية المنورة، الطبعة الثالثة ١٤١٥ھ.

٣٤٤۔ **مشارق الأنوار على صحاح الآثار:** قاضي أبوالفضل عياض بن موسیٰ اليحصبي المالكي متوفّیٰ ٥٤٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ھ.

٣٤٥۔ **مصباح اللغات:** عبدالحفيظ بلياوي، مدينه پبلشنگ كمپنی، كراچی، الطبعة الأولیٰ ١٩٨٢ء.

٣٤٦۔ **المصباح المنير:** أحمدبن محمدعلي المقري الفيومي متوفّیٰ ٧٧٠ھ، مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ.

٣٤٧۔ **معجم المقاييس فی اللغة:** أبوالحسين أحمدبن فارس بن زكريا متوفّی ٣٩٥ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ.

٣٤٨۔ **المفردات في غريب القرآن**: إمام حسين بن محمد راغب الأصفهاني متوفیٰ ٥٠٢ھ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨ھ.

٣٤٩۔ **المنجد**: لويس معلوف اليسوعي متوفیٰ ١٩٤٦ء، المطبعة الكاثوليكية، لبنان، الطبعة الثانية، عشرة ١٣٩٤ھ.

٣٥٠۔ **النهاية في غريب الحديث**: علامة محمود بن أثير الجزري متوفیٰ ٦٠٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨ھ.

سیرو تاریخ

٣٥١۔ **إزالة الخفاء في تاريخ الخلفاء**: شاه ولي الله محدث دهلوي، قديمي كتب خانه آرام باغ، كراچی.

٣٥٢۔ **البداية والنهاية**: حافظ عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي الشافعي متوفیٰ ٧٧٤ھ، دار ابن كثير دمشق، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٨ھ۔

٣٥٣۔ **البداية والنهاية**: حافظ عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي الشافعي متوفیٰ ٧٧٤ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٦ھ.

٣٥٤۔ **بُلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب**: السيد محمود شكري الألوسي البغدادي، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٣٠ھ.

٣٥٥۔ **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام**: الإمام أبي عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي متوفیٰ ٧٤٨ھ دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ

٣٥٦۔ **تاريخ الأمم والملوك**: إمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري متوفیٰ ٣١٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٤ھ.

٣٥٧۔ **تاريخُ بغداد أو مدينة السلام**: امام الحافظ أبي بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي

متوفیٰ ٤٦٣ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثالثة.، 2011.

۳۵۸۔ **تاریخ الخلفاء:** الإمام الحافظ جلال الدین عبدالرحمان بن أبي بکر السیوطي متوفیٰ ۹۱۱ ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ.

۳۵۹۔ **تاریخ عمر بن الخطاب ﷺ:** أبو الفرج عبدالرحمان ابن الجوزي متوفیٰ ۵۹۷ھ، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۵ھ.

۳٦۰۔ **تاریخ مدینة:** أبو زید عمر بن شبة النمیري المصري متوفیٰ ۲٦۲ھ، دار التراث، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۰ھ.

۳٦۱۔ **تاریخ مدینة دمشق:** إمام أبي القاسم علي بن الحسن إبن هبة الله بن عبدالله بن عساکر الشافعي متوفیٰ ۵۷۱ھ دار الفکر بیروت، ۱٤۱٦ھ.

۳٦۲۔ **التحفة اللطیفة في تارخ المدینة الشریفة:** شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوي متوفیٰ ۹۰۲ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱٤ھ .

۳٦۳۔ **تذکرة الحفاظ:** امام شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفیٰ ۷٤۸ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثانیة ۱٤۲۸ھ.

۳٦٤۔ **تلقیح فهوم أهل الأثر في عیون التاریخ والسیر:** أبو الفرج عبدالرحمان إبن الجوزي متوفیٰ ۵۹۷ھ، شرکة دار أرقم بن أبي الأرقم، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۸ھ.

۳٦۵۔ **جمهرة أنساب العرب:** لأبي محمد علي بن أحمد بن سعید بن حزم الأندلسي متوفیٰ ٤۵٦ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲٤ھ.

۳٦٦۔ **سیر أعلام النبلاء:** إمام شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفیٰ ۷٤۸ھ، دار الفکر بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۷ھ.

۳٦۷۔ **الکامل في التاریخ:** عز الدین أبو الحسن علي بن محمد الشهیر بابن الأثیر الجزري

متوفّٰی ۶۳۰،بیت الافکار الدولیة ،الأردن۔

۳۶۸۔ **مختصر تاریخ دمشق**: إمام محمد بن مکرم المعروف بإبن منظور، متوفّٰی ۷۱۱ھ، دار الفکر، دمشق،الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۹ھ.

۳۶۹۔ **المعارف لإبن قتیبة الدینوري**: أبو محمد عبد اللّٰه بن مسلم بن قتیه الدینوري،دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الثانیة ۱۴۲۴ھ.

۳۷۰۔ **وفاء الوفا بأخبار دار المصطفی**: نور الدین علي بن عبد اللّٰه الحسني السمهودي، متوفّٰی ۹۱۱ھ،مکتبة دار الزمان المدینة المنورة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۹ھ.

۳۷۱۔ **وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی ﷺ**: علامة نور الدین علي بن أحمد السمهودي متوفّٰی ۹۱۱ھ، دار إحیاء التراث العربي، بیروت.

کُتُبِ مُتَفَرِّقَة

۳۷۲۔ **بدائع الفوائد**: محمد بن أبي بکر إبن قیم الجوزیة، متوفّٰی ۷۵۱ھ، مکتبة نزار مصطفیٰ الباز،مکة المکرمة،الطبعة الأولی ۱۴۱۶ھ.

۳۷۳۔ **شهاب نامه**: قدرت اللّٰه شهاب،سنگ میل پبلی کیشنز لاهور.تینتیسواں طبعة ۲۰۰۹ء.

۳۷۴۔ **فرش پر عرش**: حضرت مولانا سید ابو الحامد محمد محدث کچھوچھوي ، اسلامك میڈیا سنٹر 27 ۔اے (شیخ هندی سٹریٹ) داتا دربار مارکیٹ لاهور.

۳۷۵۔ **فیضِ نسبت**: پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی،مهریه نصیریه پبلیشرز گولڑه شریف،الطبعة الخامسة ۱۴۳۳ھ.

۳۷۶۔ **کشف النظر شرح کتاب النشر**: قاري محمد طاهر رحیمي،ادارۂ کتبِ طاهریة،ملتان

۳۷۷۔ **کلیاتِ اقبال (اُردو)**: علامة محمد إقبالؒ،الفیصل، ناشران کتب، لاهور.

۳۷۸۔ **کلیاتِ اقبال (فارسی)**: علامة محمد إقبالؒ، شیخ غلام علی اینڈسنز، لاهور.

۳۷۹۔ **متاع زیست**: پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی، مهریه نصیریه پبلیشرز، گولڑہ شریف، پاکستان.

❁❁❁

❁❁

فہرست مضامین

شرح

إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

❁ لفظِ قرآن کی تحقیق، جمع قرآن، محفوظیت قرآن کا راز، حافظ قرآن، اس کے والدین، معلم قرآن اور تعلیم قرآن میں معاونین کے فضائل اور ان کا اجر وثواب۔

❁ جامعیت قرآن، علوم قرآن کی تعداد، قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر اور ایک باطن اور ہر ظاہر و باطن کا ایک مطلب۔

❁ جامعیت قرآن کے لیے حدیث شریف کی ناگزیریت اور صاحب قرآن ﷺ کی وسعتِ علمی کی شانِ بے پایاں۔

❁ قرآن کریم کے خاتم الکتب اور نبی کریم ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کے حوالے سے جامعیتِ قرآن۔

❁ حضور اکرم ﷺ کے خُلق اور آپ کی سیرت طیبہ کی ہمہ گیریت کی روشنی میں جامعیتِ قرآن۔

❁ "الکوثر" سے قرآن کریم کا مراد ہونا اور صاحب قرآن ﷺ کا ازل سے امینِ قرآن ہونا۔

❁ اسم قرآن "الروح" اور "النور" کی روشنی میں صاحب قرآن ﷺ کے ازل سے امینِ قرآن ہونے کا تذکرہ۔

❁ الفاظِ قرآن کے ساتھ ساتھ روحِ قرآن اور نورِ قرآن کے حصول کا طریقہ۔

❁ تفسیر اور تأویل کا فرق، تفسیر قرآن کے لیے ضروری علوم، فقط ترجمہ کے بھیانک نتائج، اربابِ فہم حضرات کی شان، الفاظِ قرآن کے باطن سے مسائل مستنبط کرنے کا طریقہ۔

❁ ناظرہ قرآن مجید سیکھنے، سکھانے کے فضائل، ناظرہ سیکھنے والے بچوں کے والدین کے فضائل، قرآن مجید کو بھلانے کا گناہ، حفظ قرآن کی دعائیں، ماہرین اساتذہ کے تجربات اور ترتیل وتجوید کے ساتھ حفظ کرانے کا طریقہ۔

❁ بکثرت تلاوتِ قرآن کے اسباب، تلاوتِ قرآن کی کثرت اور سرعتِ تلاوت پر حیرت انگیز واقعات۔

❁ ترتیل وتجوید کی فرضیت، خوش آوازی کی فضیلت اور اسکے طبعی اور طبی فوائد، غیر معمولی تاثیر اور تدبر فی القرآن کا بیان۔

❁ قرآن کریم کا امام الکل ہونا، واعظین، مرشدین اور عام لوگوں پر کس حد تک قرآن کا علم حاصل کرنا فرض ہے؟

❁ قرآن کریم کا شفا ہونا، دم کرنے، کرانے اور تعویذ لٹکانے وغیرہ امور پر انتہائی مدلل بحث۔

❁ قرآن کریم کو چھونے اور پڑھنے کے آداب، اساتذہ، طلباء اور عام تلاوت کرنے والوں کے آداب، حفظ قرآن میں رکاوٹیں اور ان کا ازالہ، ختم قرآن میں شمولیت اور ختم قرآن کے وقت دعا کی مقبولیت وغیرہ۔

شَرحُ خَصائِصِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ (مطبوع، الطبعة الثالثة)

چند خصوصیات:

- مکمل عربی متن مع سند
- سابقہ عربی طبعات کی غلطیوں کی اصلاح
- ہر حدیث کی مکمل تخریج وتشریح
- سند کے لحاظ سے علماءِ اصولِ حدیث سے ہر حدیث پر حکم
- ہر حدیث پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا متین جواب
- مصنف (امام نسائی رحمہ اللہ) کے قائم فرمودہ عنوانات کی روشنی میں خصوصیاتِ مرتضوی
- متن میں مذکور پنجتن پاک علیہم السلام کا تعارف اور ان کے اہم فضائل وخصائص
- جدید وقدیم تمام ناصبی اعتراضات کا انتہائی علمی اور مہذب رد
- علماء ومشائخ اہلِ سنت دامت برکاتہم کی گرانقدر تقریظات
- پانچ سو سے زائد مآخذ ومراجع (کتابیات) کی فہرست مع سنہ طباعت اور مطبع وغیرہ
- صفحات (1150) گیارہ سو پچاس
- مکمل بیروتی طرزِ طباعت وبائنڈنگ اور امپورٹڈ کاغذ۔

اذانِ مغرب واقامت کے مابین وقفہ (مطبوع)

مغرب کی اذان اور اقامت (تکبیر) کے درمیان مناسب وقفہ کے ثبوت میں پہلی کاوش۔

شرح: إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل
لطافتِ جسدِ مصطفیٰ ﷺ (مطبوع)
لطافتِ جسدِ مصطفیٰ ﷺ
نبی کریم ﷺ کے جسمِ اقدس کی نفاست و لطافت
اور فضلات شریفہ کی طہارت و برکت کے موضوع پر
اپنی مثال آپ کتاب۔
تصنیف:
قاری ظہور احمد فیضی
مکتبۃ باب العلم
جامعۃ علی المرتضیٰ لاہور

أسنى المطالب في مناقب
أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ؓ

تصنیف:

امام ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد الجزری المقری الشافعی متوفی ۸۳۳ھ،

صاحبِ "حِصنِ حَصِین" اور صاحبِ "المقدمة الجزرية"۔

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم
جامعہ علی المرتضیٰ ؓ لاہور

شرح: إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

اہل کساء کا مقام، حقائق واوہام

الذریۃ الطاهرة النبویۃ

[صلوات اللہ وسلامہ علیہم]

تصنیف:

امام الحافظ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی، متوفی ۳۱۰ھ

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم
جامعۃ علی المرتضیٰ، لاہور

شرح إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

کتاب الأربعین

في فضائل آل البيت الطاهرين

تصنیف
عبد الله بن صالح بن محمد العبید
استاذ کلیة الشریعة ووکیل مرکز دراسات الطالبات
بجامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة، الریاض

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح
قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم
جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

شرح: إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

زیر طبع و زیر ترتیب تصانیف و شروح

الشمائل المحمدية

للإمام أبي عيسى محمد بن عيسى الترمذي

(۲۰۹ - ۲۷۹ھ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم

جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

شرح: إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

اسماء القرآن (مطبوع)

شرح

أنوار العرفان
في
أسماء القرآن

اسماء قرآن کی روشنی میں فضائل وعلوم قرآن اور مقام
صاحبِ قرآن ﷺ پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

تصنیف

قاری ظہور احمد فیضی

ریسرچ سکالر: جامعہ اسلامیہ لاہور

مکتبۃ باب العلم

جامعۃ علی المرتضیٰ، لاہور